شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

39

صحابیت

مؤلفہ

حافظ علی بہادر خاں بی۔ایس سی

(علیگ)

Marfat.com

مطبوعہ ——— انٹرنیشنل پریس کراچی

ناشر ——— خالد علی خاں و سید عبدالرؤف وارثی

قیمت ——— چار روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ "دورِ جدید" ۷۸۴/۵ ڈرگ کالونی
کراچی نمبر ۲۵

Marfat.com

فہرست مضامین

تمہید

صحابی کی تعریف میں اختلاف کیوں؟ ۱۳
عدالت صحابہ کی تائید میں قرآنی آیات

باب اول ۱۶

صحابہ اور صحابہ میں فرق ۲۳
حدیثوں کا وقت و سبب ورود ۴۲

باب دوم

فتح مکہ کے بعد انقلاب ۵۶

باب سوم

اصحابی کالنجوم "میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں" ۶۱

Marfat.com

باب چہارم

صحابہ اور دوزخ ۸۰
ایک اموی سردار کا عبرت انگیز واقعہ ۸۷

باب پنجم

قرآن و حدیث پر صحابہ کا اختلاف ۹۵
عبداللہ ابن مسعود کا قرآن ۹۷
ابی ابن کعب کا قرآن ۹۸

باب ششم

صحابہ اور حدیث ۱۱۰

باب ہفتم

معاویہ اور صحابیت ۱۴۲
انصار اور معاویہ ۱۴۳

باب ہشتم

بیعت کے متعلق صحابہ کے نظریات ۱۶۷

Marfat.com

مخالفت اسلام کے تدریجی مظاہرے ۱۸۳
حضرت عثمانؓ بن حنیف کی زندگی کا ۱۸۹
عجیب واقعہ

باب نہم

صحابہ اور فقہی مسائل ۱۹۹
کنز پر اختلاف ״
کنز کے متعلق ابوذرؓ کا جواب الجواب ۲۰۳
نماز عصر اور فجر کے بعد نماز ۲۰۵
بہترین اعمال ۲۰۷
وجوب وتر ۲۰۹
تارک نماز کا قتل ۲۱۰
نمازوں کو جمع کرنا ۲۱۲
سیاہ اور سفید ڈورے ۲۱۴
احرام کی حالت میں خوشبو ۲۱۹
کئی جمع کے بعد ایک غسل ۲۲۰
اللہ کو دیکھنے پر اختلاف ۲۲۳
حرامی لڑکا ۲۳۵
سماع موتیٰ ۲۳۷
باپ بیٹی میں اختلاف ۲۴۱
رسول اللہ سے سوالات ۲۴۲

طلاق کے مسئلہ میں اختلاف ۲۴۳

باب دھم

ایک صحابی کے کارنامے ۲۴۶
اوّلیات معاویہ ۲۴۷
اسلام میں پہلا ظالمانہ قتل ۲۴۹
زندہ دفن کردیا ۲۵۱
گدھے کی کھال میں صحابی نے صحابی کو جلادیا ۲۵۲
حدیث رسول کے ساتھ مضحکہ ۲۵۴
حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی رائے ۲۵۷
معاویہ کے اسلحہ خانہ میں زہر کا حربہ ۲۶۰
دعا کا ڈھونگ "
ان صحابہ میں سے کس کو مانوگے؟ ۲۶۳

باب یازدھم

بی بی عائشہؓ اور حضرت علیؓ
(جنگ جمل کا پس منظر) ۲۶۹
حدیث کے بعض قابل ذکر پہلو ۲۷۷

باب دوازدھم

قصاص قتل عثمانؓ کی مہم ۲۹۱

Marfat.com

باب سیزدہم

عمرو بن العاص کے تین دور ۲۹۹

باب چہارم

اسلام اور ایمان کے درجے ۳۱۶

خاتمۂ کتاب ۳۲۰

Marfat.com

پاکستان

میں اس کتاب کے جملہ حقوق خالد علی خاں مالک مکتبہ "دورِ جدید" ۵/۸۴، ڈرگ کالونی کراچی ۲۵ کے نام محفوظ ہیں

ہندوستان

میں اس کتاب کے جملہ حقوق حافظ علی بہادر بی۔ ایس سی (علیگ) ایڈیٹر "دورِ جدید" اردو بازار دہلی کے نام محفوظ ہیں۔

Marfat.com

تمہید

ایمان والوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ایسی بیش بہا نعمت ہے جس کی قدر و قیمت کا اندازہ جتنا بھی لگایا جائے کم ہے۔ لیکن جن کے دل ایمان کی دولت سے محروم ہیں اُن کے لئے یہ بیش بہا نعمت بالکل بیکار بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایسی مثالوں کی کوئی کمی نہیں کہ اللہ کے رسول کی صحبت سے سرفراز ہونے کے باوجود بعض لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے۔ اُن میں سے بعض نے رسول اور اُس کے پیام کے خلاف محاذ قائم کیا۔ ان میں سے بعض کو رسول اللہ نے قتل کرایا اور بعض کو بد دعائیں دیں۔

ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہے جنہوں نے اپنے ارتداد کا اعلان نہیں کیا مگر رسول اللہ کی صحبت میں رہ کر منافق رہے۔ ان سے اسلام کو کافی صدمات پہنچے۔ ان منافقوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک وہ گروہ تھا جس کے نفاق کا علم رسول اور اُن کے صحابہ دونوں کو تھا۔ عبداللہ ابن اُبَی اور اُس کے رفقاء اسی گروہ میں شامل ہیں۔

دوسرا وہ گروہ تھا جس کا علم صرف رسول کو تھا۔ اس کا ثبوت حذیفہ بن الیمان کے حالات سے ملتا ہے وہ "صاحب السر" کہلاتے تھے اور صحابہ کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ نے منافقین کے نام اُن کو بتا دیئے تھے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک بار اپنے عہد خلافت میں ان سے دریافت کیا

کہ کیا میرے عمال میں منافق بھی ہیں۔ حذیفہ رض نے جواب دیا کہ ہاں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت عمر رض بھی بعض منافقین کو نہیں پہچانتے تھے اور جب حضرت عمر رض نے حذیفہ سے نام پوچھا تو انہوں نے نام بتانے سے انکار کیا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں بعض منافقین ایسے تھے جن کا علم سب کو نہ تھا صرف رسول اللہ کو تھا۔ ان میں سے بعض کے نام حذیفہ بن الیمان کو بتائے تھے اور کسی مصلحت سے ان کو ہدایت کر دی تھی کہ ان ناموں کو راز میں رکھیں۔

تیسرا گروہ وہ تھا جس کا علم رسول اللہ کو بھی غالباً نہ تھا۔ "غالباً" اس لئے کہا جا رہا ہے کہ حدیث میں بعض صحابہ کے دوزخ میں جانے کا واقعہ اس انداز میں آیا ہے کہ یا تو وہ لوگ ایسے منافق تھے جن کے نفاق کا اندازہ رسول اللہ نے نہیں کیا تھا یا پھر وہ صحابہ تھے جن کے دل وفات رسول کے بعد پلٹ گئے تھے۔ یا پھر بعض عہد رسالت میں چھپے منافق تھے اور بعض بعد میں منافقت کرنے لگے۔ یہ احادیث مفصل پیش کی جائیں گی یہاں اتنا ہی اشارہ ضروری ہے کہ بخاری کی کتاب الحوض والی حدیثوں میں بتایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ دیکھیں گے کہ ان کو دوزخ میں لے جایا جا رہا ہے تو حضور کو تعجب ہوگا کہ یہ میرے ہو کر دوزخ کے مستحق کیوں کر ٹھہرے مگر آپ کو یہ جواب ملے گا کہ آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کی وفات کے بعد انہوں نے اسلامی اصول سے کس طرح روگردانی کی۔

ان واقعات سے یہ نتیجہ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا صحابی ہونا اس امر کے لئے دلیل نہیں کہ اعمال سے قطع نظر کر کے بھی اُسے قابلِ احترام سمجھ لیا جائے۔ اگر اعمال اُسے احترام کا مستحق ٹھہراتے ہیں تو اُس کی صحابیت کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ اور اگر اعمال اسلامی نقطۂ نظر سے مذموم ہیں تو صحابی ہونے کے باوجود ہم اُن پر نکتہ چینی کرنے کے حقدار ہیں۔

Marfat.com

بیشک اس بارے میں احتیاط و اعتدال کا لحاظ ضروری ہے۔ لیکن احتیاط و اعتدال کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ صحابی کا غلط فعل اجتہادی اختلاف کے تحت لایا جاسکے یعنی یہ سمجھنے کے قرائن ہوں کہ نیک نیتی کے ساتھ قرآن کی کسی آیت یا رسول کی کسی حدیث کی بنیاد پر لیکن غلط فہمی سے اس صحابی نے یہ فعل اختیار کیا۔ مثلاً بعض صحابہ نے ابتدا میں جنگ جمل میں حضرتِ علیؓ کا مقابلہ کیا مگر جب اُن کو غلطی کا احساس ہوا تو وہ فوراً میدانِ جنگ سے ہٹ گئے۔ بعض صحابہ نے جنگِ صفین میں اس بناء پر کسی فریق کا ساتھ نہیں دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مسلمانوں میں باہمی جنگ ہو تو الگ رہنا چاہیئے مگر جب عمار بن یاسر شہید ہوئے تو وہ حضرت علی رضؓ کی طرف سے شریک ہوگئے کیونکہ رسول اللہ کا یہ ارشاد بالکل واضح تھا کہ عمار بن یاسر کی شہادت ایسی جنگ میں ہوگی جس میں حق اور جنت عمار والی پارٹی (یعنی حضرت علی والی پارٹی) کی طرف اور باطل و دوزخ مخالف پارٹی (یعنی معاویہ کی پارٹی کی) طرف ہوں گے۔

ان صحابیوں کی جنگ سے علیحدگی نیک نیتی اور اجتہادی اختلاف پر مبنی تھی۔ اس کے برخلاف معاویہ کے قتال کو اجتہادی اختلاف پر مبنی نہیں قرار دیا جاسکتا معاویہ کے متعلق اس فیصلہ کے لئے متعدد دیگر دینی اور تاریخی دلائل کے بعد ایک واضح دلیل یہ ہے کہ عمار بن یاسر کی شہادت والی حدیث کی ایک روایت خود معاویہ سے بھی ہے۔ اس حدیث میں خود معاویہ نے رسول اللہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ عمار بن یاسر والی پارٹی جنّت کی طرف اور مخالف پارٹی دوزخ کی طرف بلاتی ہوگی معاویہ کی طرف اس حدیث کے راوی ہونے کی نسبت اہل تشیع کی ایجاد نہیں ہے بلکہ یہ حدیث اہل سنّت کے محدثین نے روایت کے لحاظ سے ستائیس صحابہ کی طرف منسوب کی ہے جن میں ایک معاویہ بھی ہیں۔ اہلسنّت

Marfat.com

کی تمام کتب حدیث میں موجود ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اہلسنّت کی مضبوط ترین حدیثوں میں سے ایک ہے۔ اس حدیث کی رو سے معاویہ کی جماعت "فیئۃ باغیۃ" قرار پاتی ہے۔ پس اگر معاویہ کسی اجتہادی اختلاف کی وجہ سے جنگِ صفین میں صف آرا ہو گئے ہوتے تو عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد اپنی غلطی کا احساس کر کے ہتھیار ڈال دیتے اور ان کا رویہ بدل جاتا۔ چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اور فیئۃ باغیۃ کے لیڈر بنے رہے تو اجتہادی اختلاف یا نیک نیتی کے لئے گنجائش نہیں رہی؟

دوسری شرط احتیاط و اعتدال کی یہ ہے کہ حدیث، سیرت یا تاریخ میں صحابی کے فعل کی روایت کسی حیثیت سے مشتبہ ہو۔ یا قابل مذمت فعل کی صرف دو ایک روایتیں ہوں اور ایسی روایتیں بھی ہوں جن سے پہلی روایت کے خلاف نتیجہ نکلتا ہو اس قسم کے حالات میں صحابیت کی خاطر یا تو درگذر کر دیا جائے یا احتیاط و اعتدال کے ساتھ تنقید کی جائے۔ لیکن اگر کسی صحابی نے وفات رسول کے بعد متعدد جرائم کئے ہوں اور جرائم بھی ایسے جن کا اثر اسلامی نظام پر پڑتا ہو تو ایسے صحابی کی مذمت ضروری ہے اور یہ مذمت سخت ترین الفاظ میں ہونی چاہئے

اس حالت میں صحابی کے مذموم فعل کا اثر اُس کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ ساری قوم پر پڑتا ہے۔ اگر صرف اُس کی ذات تک محدود ہوتا تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ معاملہ اللہ سے اور اُس کے درمیان ہے ہمیں زبان بند رکھنی چاہئے لیکن جب اُس کا اثر سارے نظام پر پڑتا ہو کف لسان کا مسلک غلط ہے

Marfat.com

صحابیؓ کی تعریف میں اختلاف کیوں؟

صحابی کی تعریف میں مسلمانوں میں بہت اختلاف ہے۔ لغت کے اعتبار سے تو صحابی ہر اُس شخص کو کہا جا سکتا ہے جسے رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو۔ اس میں مدت کے زیادہ یا کم ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن اصطلاح میں صحابی کی تعریف لغوی تعریف سے مختلف ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ یہ اختلاف کیوں پیدا ہوا۔

دراصل ابتدا میں رسول اللہ کی صحبت کے متعلق تاثرات یہ ہی تھے کہ جس مسلمان کو صحبت مل گئی اس کو شرف و عزت حاصل ہو گئے۔ یہ ابتدائی احساس طبعی تھا اور جن صحابہ کو بالکل ابتدائی دور میں صحبت رسول ملی وہ اس شرف کے مستحق تھے لیکن پھر تجربہ یہ ہوا کہ بعض صحابہ مرتد ہو کر کفار کے کیمپ میں پہنچے اور اسلام کی مخالفت میں پیش پیش نظر آنے لگے۔ لہذا صحابی کی تعریف میں یہ شرط لگانی پڑی کہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہونا لازمی ہے۔

اس کے بعد دوسرا تجربہ یہ ہوا کہ بعض مسلمان صحبت نبی میں تو رہے مگر اُن کا مقصد علم و اتباع کا حصول نہیں تھا۔ لہذا بعض محدثین نے یہ شرط اور بڑھا دی "فتح المغیث" میں علامہ سخاوی نے اس شرط کو نمایاں کیا ہے

بالکل ابتدائی دور میں عمر کا سوال نہ تھا مگر وفات کے بعد یہ سوال پیدا ہوا اور خصوصاً اس وقت پیدا ہوا جب حدیث کی روایت میں صحابہ کے "عدول" ہونے کی بحث آئی کہ عہد رسالت کے آخر میں جن کا بچپن تھا وہ صحابہ میں شمار ہوں یا نہیں۔

Marfat.com

اس بارے میں بھی دو گروپ ہو گئے۔ ایک وہ جو ایسے لوگوں کو جو وفات رسول کے وقت بچے تھے صحابہ کے درجہ میں شمار کرتا ہے اور دوسرا وہ جو اس درجہ میں شمار نہیں کرتا۔ اس میں پھر شاخ در شاخ وہ گروپ پیدا ہوا جو ان کو عام طور سے تو صحابہ کا مرتبہ دیتا ہے مگر روایت حدیث میں تابعی کے درجہ میں رکھتا ہے۔ روایت حدیث میں صرف اُن لوگوں کو صحابیت کا درجہ دیتا ہے جو سن رشد کو پہنچ کر رسول اللہ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔

ایسے بھی محدثین ہیں جو صحابیت کا درجہ صرف اُن لوگوں کو دیتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ سے کوئی حدیث روایت کی ہو۔

بعض وہ محدثین بھی ہیں جو ہر اُس مسلمان کو صحابیت کا مرتبہ دیتے ہیں جس نے ایک بار بھی رسول اللہ کو دیکھا ہو۔ امام بخاری اور امام احمد بن حنبل جیسے محدث یہی رائے رکھتے ہیں (دیکھو اسد الغابہ)

ان میں سے کوئی ایک تعریف صحابی کی ایسی نہیں جس پر اہل سنت کے محدثین کا اتفاق ہو۔ یہ اختلاف تجربات کی بنا پر ہوا ہے۔ بعض ایسے "صحابہ" نے جو کسی وفد کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں آئے یا کسی کام سے حاضر ہوئے اور بعد میں اسلامی تعلیمات کی نمائندگی کا کوئی اچھا نمونہ نہ پیش کر سکے یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کیا کہ محض دیکھنا یا ملاقات کرنا کافی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف محبت رسول کے جوش میں بعض دونے کہہ دیا کہ صرف دیکھ لینا بھی کافی ہے۔ بعض نے اس محبت میں اتنا غلو کیا کہ عہد رسالت کے بعد کے نہایت ثقہ اور پرہیزگار آدمیوں پر ایسے صحابیوں کو ترجیح دی جو غیر ثقہ اور گنہگار تھے۔ مثلاً عمر بن عبدالعزیز کے متعلق اہل الرائے مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ وہ اسلام کے سچے ترجمان تھے ا انہوں نے اپنے دور میں اموی دور کی خرابیوں کی کافی اصلاح کی یا کم از کم اصلا

Marfat.com

کی کوشش کی لیکن بعض اُن جیسے مُصلح مسلمانوں پر معاویہ کو ترجیح دیتے ہیں، اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ معاویہ کو اس طرح ترجیح دینے والے کو حسنِ عمل کے لحاظ سے بہتر سمجھتے ہیں بلکہ اُن کی یہ رائے صرف حُبِ رسول کے باعث ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ معاویہ کے کیرکٹر میں کتنی ہی باتیں اسلام کے منافی تھیں مگر چونکہ معاویہ رسول اللہ کی صحبت میں رہے لہذا اُن کے نزدیک عمرِ بن عبدالعزیز جیسی شخصیت بھی قابلِ ترجیح نہیں۔ اس طرح عمل و تقویٰ پر غیر ثقہ اور غیر متقی صحابی کو ترجیح دینے والے بہت کم ہیں

اسی قسم کے واقعات نے اہلِ سنت کے محدثین کو ایک بات پر متفق کر دیا ہے اور وہ یہ کہ تمام صحابہ بلا استثنا روایت کے معاملہ میں "عادل" ہیں۔ وہ مانتے ہیں کہ صحابہ میں بعض فسق و فجور کا ارتکاب کرتے تھے، اُن سے چوری، زنا، کذب وغیرہ گناہ کا ارتکاب کرتے تھے مگر وہ کہتے ہیں کہ روایت قول رسول میں ان سے غلط بیانی نہیں ہوتی تھی۔ اس عقیدہ کی تائید میں قرآن یا حدیث کی کوئی سند نہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ تجربہ اور تحقیقات شاہد ہے کہ صحابہ خواہ کچھ بھی گناہ کرتے ہوں مگر رسول اللہ سے روایت کرنے میں غلط بیانی کبھی نہیں کرتے لہذا جہاں تک حدیث کی روایت کا تعلق ہے۔ ابن انباری کا بیان ہے۔

> "یہ مطلب نہیں ہے کہ صحابہ میں گناہوں سے عصمت پائی جاتی ہے اور اُن سے گناہوں کا ارتکاب ممکن نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کی روایتوں کو اسباب عدالت کی بحث اور ثقاہت کی تحقیق کے بغیر قبول کر لینا چاہیئے اِلّا یہ کہ ان سے ایسا امر سرزد ہو جو روایات میں قادح ہو۔ اور ایسا ثابت نہیں ہے"

عدالت صحابہ کی تائید میں قرآنی آیات

تاکہ مجھ پر غلط فہمی یا شرارت سے یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کا مخالف ہوں یا اُن کی تنقیص کرنا چاہتا ہوں میں مکرّر سہ کرّر اس عقیدہ کا اعلان کرتا ہوں کہ عہدِ رسالت میں صحابۂ رسول کا جو سماج تھا وہ بہترین تھا اور دنیا کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ تھا۔ نیز یہ کہ رسول اللہ کی صحبت انسان کے لئے نعمتِ عظمیٰ تھی بشرطیکہ کسی میں اس نعمت سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت ہو۔

لیکن صحابیت کی فضیلت کو ہر فرد کے لئے جو رسول کی صحبت میں آیا عدم کر کے الصحابۃ کلھم عدول کا اصول قائم کرنا واقعات کے خلاف ہے اس حدیث کی بابت کیا کہا جائیگا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرد علی یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیحلون عن الحوض فاقول یارب اصحابی فیقول انک لاعلم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی اعقابھم القھقریٰ۔
(بخاری کتاب الحوض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس قیامت میں صحابہ کا ایک گروہ لایا جائیگا اُسے حوض سے ہٹا دیا جائیں گے۔ میں کہونگا اے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ تو وہ جواب دیگا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا۔ یہ دین سے پھر گئے جسطرح پچھلے پیروں پھر جاتے ہیں

اس حدیث سے اتنی بات ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن کو رسول اللہ اپنے اصحاب کی حیثیت سے خوب پہچانتے تھے مگر وفات تک ان کے ارتداد کا علم

Marfat.com

اُن کو نہیں تھا۔ یہ یا تو منافق تھے جو رسول اللہ کی وفات تک اپنی سیاہ قلبی کو خوف یا مصلحت کے باعث چھپاتے رہے اور وفات کے بعد بداعمالیوں کا مظاہرہ کرنے لگے۔ وفات رسول کے بعد ارتداد کی جو رو چلی تھی اُس میں عرب قوم کے اکثر لوگ مرتد ہو گئے تھے اور ان میں ہزاروں ایسے "صحابی" تھے جو رسول اللہ سے مل چکے تھے یا کم از کم اُن کو دیکھ چکے تھے۔ صحابہ کی تعریف میں تو یہ سب آجاتے ہیں مگر ان مرتدین میں وہ صحابہ برائے نام تھے جو رسول اللہ کی صحبت میں عرصہ تک رہے اور غزوات و سریات میں شریک ہوئے۔ یعنی وہ صحابہ جن کو رسول اللہ بحیثیت اصحاب کے پہچانتے تھے ان مرتدین میں اتنے کم تھے کہ اس کتاب الحوض والی حدیث میں صرف اُن اصحاب ہی کا ذکر ہو سکتا ہے جو آپ کی زندگی میں ایسے منافق رہے کہ اُن کے نفاق کی خبر حضور کو بھی نہ ہو سکی اور وفات کے بعد انہوں نے دین اسلام میں رخنہ ڈال کر اپنے ارتداد کا ثبوت دیا۔ ان منافقوں نے اسلام کا نام لے کر اور اسلام کے اندر رہ کر ہی رخنہ ڈالا۔

اب کوئی بتائے کہ ایسے صحابہ خواہ اُن کی تعداد تھوڑی ہو اصول عدالت صحابہ پر کیا اثر ڈالتے ہیں؟ ان کی موجودگی میں یہ عام قانون کیوں کر بن سکتا ہے کہ سب صحابہ عادل ہیں. ظاہر ہے کہ یہ عموم صحیح نہیں اور حدیث کی روایت میں اُن کے متعلق بھی اسباب عدالت تلاش کرنے ضروری ہیں اور اس کا ثبوت حاصل کرنا لازم ہے کہ جس صحابی نے یہ روایت نقل کی ہے آیا وہ ثقہ تھا یا نہیں تھا یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے نفاق وارتداد پر پردہ ڈالنے اور مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے اُس نے حدیث گھڑ کے روایت کردی ہو۔ ایسی متعدد احادیث ہیں جو ایک دوسرے کی صحت کی نفی کرتی ہیں یعنی ایک کو صحیح مان لیں تو دوسری کے غلط ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات ایک حدیث

Marfat.com

دوسری کی تردید کرتی ہے۔ مثلاً ترمذی کی ایک "حسن الاسناد صحیح" حدیث ابن عباس سے یہ ہے کہ رسول اللہ نے پینسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ دوسری حدیث معاویہ اور عائشہ سے یہ ہے کہ آپ نے ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہ حدیث بھی "حسن صحیح" بتائی گئی ہے۔ سب کے راوی ثقہ ہیں اور تینوں صحابی بھی شبہ سے بالاتر ہیں پھر بھی ایک حدیث تو واقعاتی اعتبار سے لازماً غلط ہے کیونکہ ۶۳ اور ۶۵ دونوں صحیح نہیں ہو سکتے۔ کوئی وجہ نہیں کہ حدیث کے راویوں کے متعلق جب ہم تحقیقات کریں تو صحابیوں کو اس تحقیقات سے خارج کر دیں۔

ابن انباری کا یہ قول کہ صحابہ کے معاملہ میں اسباب عدالت وثقاہت کی تلاش ضروری نہیں سوائے اس حالت کے جب وہ ایسے امر کا ارتکاب کریں "جو روایت کے لئے قادح ہو اور ایسا امر اُن سے ثابت نہیں" (الا ان یثبت ارتکاب قادح ولم یثبت ذلک)۔ اس محدث نے اصول تو صحیح قائم کیا تھا مگر آخر میں خوش عقیدگی کے غلبہ کے باعث یہ فیصلہ کر دیا کہ "یہ امر اُن سے ثابت نہیں"

سوال یہ ہے کہ جب صحابہ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو دوزخی ہوں تو اُن سے روایت غلط بیانی کیوں بعید از قیاس ہے۔ اور ایک راوی کے لئے محض منفی اعلان کر دینا کہ "یہ امر ثابت نہیں" کافی نہیں ہے۔ ہمیں یہ کہنے کے قابل ہونا چاہیئے کہ روایت کے بارے میں اُن کی عدالت ثابت ہے۔ آخر یہ عدالت کس طرح ثابت ہو سکتی ہے جبکہ اُن سے گناہوں کے ارتکاب کا اعتراف ہے۔ معاویہ کو لیجئے وہ ایسی روایات خود گھڑ سکتے ہیں یا دوسروں سے گھڑا سکتے ہیں جن میں حضرت علیؓ کی تنقیص ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت

Marfat.com

علیؓ کی تنقیص کی روایت مسلمانوں میں مطعون ہونے کے ڈر سے نہ اختراع کریں تو اپنی شان بڑھا کر علیؓ کے مقابلے کے قابل بنانے کے لئے احادیث گھڑ لیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ابن الجوزی کی سند سے امام احمد بن حنبل کی یہ رائے پیش کی ہے کہ۔

اخرج ابن الجوزی من طریق عبد اللہ بن احمد بن حنبل سالت ابی ما تقول فی علی ومعاویہ فاطرق ثم قال اعلم ان علیاً کان کثیر الاعداء ففتش اعداله علیاً فلم یجد وافعمد والی رجل قد حاربہ فاطرقہ کیاداً منہم لعلی فاشار بھذا الی ما اختلقوہ بمعاویہ من الفضائل مما لا اصل لہ وقد ورد فی فضائل معاویہ احادیث کثیرہ لکن لیس فیھا ما یصح من طریق الاسناد وبذلک خرم اسحٰق بن راھویہ والنسائی وغیر ھما واللہ اعلم۔

{فتح الباری شرح بخاری
کتاب المناقب}

ابن الجوزی نے عبد اللہ بن احمد بن حنبل سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ (امام احمد بن حنبل) سے پوچھا کہ آپ علی و معاویہ کے بارے میں کیا رائے دیتے ہیں انہوں نے تھوڑے سکوت کے بعد جواب دیا۔ واضح رہے کہ علی کے بہت دشمن تھے۔ انہوں نے علی کی زندگی میں عیب تلاش کئے مگر اُن کو نہیں ملے تو پھر انہوں نے بھروسہ کیا اُس آدمی پر جو اُن سے (یعنی علی سے) لڑتا تھا۔ تو علی کی دشمنی سے اس کی طرف توجہ کی اور پھر انہوں نے (امام احمد بن حنبل نے) اشارہ کیا اُن فضائل کی طرف جو معاویہ کے لئے گھڑ لئے گئے۔ معاویہ کے فضائل میں متعدد احادیث ہیں لیکن ان میں کوئی ایسی نہیں جو اسناد کے لحاظ سے صحیح ہو۔ اسحٰق بن راہویہ اور نسائی نے بھی اسی رائے کی تصدیق کی ہے۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیثوں کی روایت کچھ لوگوں نے حضرت علی کی مخالفت اور معاویہ کی حمایت کی نیت سے کی۔ اور اس امر کا پورا امکان ہے کہ معاویہ اس سازش میں شریک ہوئے تھے حضرت علیؓ کے خلاف اس قسم کے حربے استعمال کرنے میں معاویہ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ معاویہ کی ساری زندگی اس پر دال ہے لہذا معاویہ جیسے صحابیوں کو حدیث کی روایت کے بارے میں ایک عمومی قانون وضع کر کے عدالت کی سند دیدینا نہایت عجیب بات ہوگی۔

یہ بھی واضح رہے کہ حدیث کی روایت سے بھی سوسائٹی میں ایک مرتبہ حاصل ہوتا تھا اس لئے یہ بھی امکان ہے کہ بظاہر غیر متنازعہ فیہ معاملات پر معاویہ نے حدیث وضع کر کے روایت کر دی ہو۔ مثلاً حدیث عبادات کے متعلق ہو مگر معاویہ نے صرف اس لئے گھڑلی ہو کہ اُسے راوی حدیث کا مرتبہ ملے اور سادہ مزاج مسلمان اُس کا احترام کرنے لگیں

مختصر یہ کہ معاویہ جیسے صحابیوں کو ایک خود ساختہ اصول کے تحت عدول کے دائرہ میں لے آنا صریحاً غلط ہے۔

بے شک عام طور سے صحابہ عادل تھے لیکن سب عادل نہیں تھے۔ ان میں ایسے افراد بھی تھے جو حدیث کی روایت میں غلط بیانی کر سکتے تھے لہذا تمام صحابہ کو محض صحابیت کی بناپر عدول کہنا غلط ہے۔

ابن حجر نے اپنی مشہور کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ کے مقدمہ میں تمام صحابہ کو عدول ثابت کرنے کے لئے قرآن کی حسب ذیل آیات پیش کی ہیں۔ ان آیتوں کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ان میں سے بعض آیات صرف خاص صحابہ مثلاً مہاجرین و انصار یا بیعت تحت الشجرہ میں شریک ہونے والوں کے لئے ہیں اور بعض اُس سماج کے لئے ہیں جو صحابہ نے عہد رسالت میں مجموعی طور سے بنایا تھا

ان آیات میں کسی سے یہ ثابت نہیں کہ ہر صحابی فرداً فرداً دنیا کے لئے قابل تقلید نمونہ یا عادل ہے۔ ابن حجر کی پیش کردہ آیات یہ ہیں۔

۱۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس	۱۔ تم لوگوں کے لئے بہترین امت ہو جو پیدا کی گئی
۲۔ کذالک جعلنا کم امۃ وسطاً	۲۔ اس طرح تم کو درمیانی امّت بنایا ہم نے
۳۔ لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبہم	۳۔ اللہ راضی ہوگیا اُن مُومنین سے جنہوں نے تمہاری بیعت کی درخت کے نیچے اُس کو ان کے دلوں کا حال معلوم ہوگیا۔
۴۔ السابقون الاولون من المہاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ	۴۔ مہاجرین وانصار میں جو سب سے اوّل ہیں اور وہ جو اُن کے پیچھے ہوئے نیک عمل کے ساتھ اُن سے اللہ راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

سب آیات اسی قسم کی ہیں کہ یا تو صحابہ کے خاص گروہ سے متعلق ہیں یا اُس سماج کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو عہدِ رسالت میں دنیا کے سامنے تھا۔ اُس سماج کے ہر فرد کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مثلاً السابقون الاولون من المہاجرین والانصار سے مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے بالکل ابتدا میں ہجرت کی اور وہ انصار مراد ہیں جنہوں نے عقبہ اولیٰ یا عقبہ ثانیہ میں بیعت کی یا عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان مدینہ میں بیعت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان صحابہ کا بڑا مرتبہ ہے۔

لیکن ان آیات قرآنیہ کو پیش کر کے یہ نتیجہ نکالنا عجیب ہوگا کہ معاویہ وابوسفیان بھی عدول کے زمرہ میں شامل ہوگئے۔ یہ بات تو صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ابوسفیان کے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد صحابہ

Marfat.com

عام طور سے اُسے اپنی صحبت میں نہیں گھسنے دیتے تھے اور اُسے اپنے ساتھ جنگوں میں بھی نہیں لے جاتے تھے چنانچہ ابو سفیان نے رسول اللہ سے اس بارے میں شکایت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام اس خاص "صحابی" پر شک کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ صحابی ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ اُس کی روایت کو بغیر تحقیق کے تسلیم کرلیا جائے۔

۱۱۳۴۰

جب بی بی عائشہ پر تہمت لگائی گئی تھی تو تہمت کو ہوا دینے والی روایت پھیلانے میں منافقوں کے ساتھ بعض صحابہ بھی شامل تھے۔ پھر یہ کیوں کر جائز ہے کہ رسول کی احادیث کی روایت میں اسباب عدالت کی چھان بین نہ کریں اور محض ان کے صحابی ہونے پر اکتفا کرلیں۔

بنی اُمیہ کے اکثر افراد اسلام کے مخالف رہے تاآنکہ اُن کے لئے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور عہد رسالت کے کچھ عرصہ بعد حضرت عثمان کے زمانہ سے انہوں نے حصول اقتدار کی حکمت عملی کو اپنا لیا اور حضرت علیؓ کے دور میں بالکل نقاب اُتار کر اسلامی قدروں کے مقابلہ میں آگئے اس لئے اُن "صحابہ" پر خاص نظر ڈالنی ہوگی جو بنی امیہ سے تھے یا بنی امیہ کے حلیف تھے۔ بے شک بنی امیہ سے بھی اسلام کو بعض مخلص صحابہ ملے لیکن ان میں ایسے بھی تھے جنہوں نے صحابیت کے مرتبہ کو بدنام کیا اور ان کو صرف صحابیت کی خاطر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کے نامۂ اعمال کا محاسبہ اس لئے ضروری ہے کہ بعد کی نسلوں نے اُن کی صحابیت سے فریب کھا کر اسلامی نظام کو سمجھنے میں غلطیاں کیں اور یہ غلطیاں احیائے اسلام میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد ان غلطیوں کی اصلاح ہے۔

وما توفیقی الّا باللہ۔

خادم اسلام علی بہادر خاں۔

Marfat.com

(۱)

صحابہ اور صحابہ میں فرق

صحابی کی تعریف میں اختلاف ہونے کے سبب سے صحابہ کی تعداد اور اُن کے مدارج میں بہت فرق پیدا ہوگیا ہے۔ امام شافعی کی روایت کے مطابق حضور کے وصال کے وقت ساٹھ ہزار صحابہ تھے۔ جن میں تیس ہزار خاص مدینہ میں تھے۔ ابوذرعہ رازی کے قول کے مطابق ایک لاکھ ایسے صحابہ تھے جنہوں نے رسول اللہ سے حدیث سُنی[1]۔ انہوں نے حدیث کو رسول سے نہ صرف سُنا بلکہ روایت بھی کیا[2]۔ ایک لاکھ سے زیادہ تعداد ابوذرعہ نے اُن صحابہ کی بتائی ہے جنہوں نے آپ سے حدیث روایت کی ورنہ سب صحابہ کی تعداد اس سے بہت زیادہ ہوگی۔

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کی صحیح تعداد کا اندازہ مشکل ہے اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اُن سب کے حالات معلوم ہوسکیں۔ اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ صحابہ کے مشاغل دینیہ ایسے تھے کہ وہ اپنی تعداد کا تحفظ واندازہ نہیں کرسکے۔ نیز یہ کہ اکثر صحابہ صحرانشین تھے اس لئے اُن کے نام تک نہ معلوم ہوسکے[4]۔

اہل سنّت کی مستند ومعتبر کتابوں کے ان حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے ایسے کتنے ہی ہیں جن کے حالات کا علم نہیں لہذا اُن کے کیرکٹر کی نسبت کوئی

---

[1] تجرید جلد ا صفحہ ۳ [2] مقدمہ اصابہ فی تمییز الصحابہ صفحہ ۳

[3] مقدمہ اصابہ صفحہ ۳ [4] مقدمہ اصابہ صفحہ ۴

Marfat.com

ایسا عام فیصلہ کرنا ممکن ہے جو سب کی شخصیت پر فرداً فرداً حاوی ہو۔ لہٰذا جب ہم افراد پر بحث کرینگے تو یہ دیکھنا ہمارا فرض ہوگا کہ اُن کی زندگی تقوےٰ کے لحاظ سے فضیلت کے کس درجہ کی مستحق ہے۔

صحابہ میں فضیلت کے لحاظ سے مدارج کا فرق قرآن کی آیات سے ثابت ہے۔ حسب ذیل آیت پر غور کیجئے۔

لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا (سورۂ حدید)	تم میں سے جنہوں نے اللہ کے لئے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور لڑے ان کے برابر نہیں بلکہ اُن سے بڑے درجہ میں ہیں جنہوں نے فتح مکّہ کے بعد خرچ کیا اور لڑے۔

اس آیت نے فضیلت کے لحاظ سے ایک خاص تقسیم کر دی یعنی وہ صحابہ جنہوں نے فتح مکّہ سے قبل مالی وجانی قربانیاں اسلام کے لئے پیش کیں اُن سے افضل ہیں جو فتح مکّہ کے بعد دائرہ اسلام میں آئے اور اللہ کی راہ میں انہوں نے مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ ان صحابہ کی فضیلت ظاہر ہے۔ انہوں نے اس دور میں اسلام کا ساتھ دیا جب سخت ترین امتحانوں سے گزرنا پڑتا تھا، جب آزمائشیں اتنی سخت تھیں کہ تاریخ عالم میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ قرآن نے ان الفاظ میں یہ نقشہ پیش کیا ہے۔

وزلزلوا حتی یقول الرسول والذین آمنوا معہ متیٰ نصر اللہ؟ الا ان نصر اللہ قریب۔	اُن کو جھنجھوڑا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے چلا اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئیگی۔ خبردار کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔

مکّی زندگی کے شدائد کا خیال کر کے بھی انسان کے دل میں لرزہ پیدا

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ بلال کو لوہے کی زرہ پہنا کر گرم ریت میں ڈال دیتے تھے اور پہاڑیوں پر گھسیٹتے تھے لیکن اُن کی زبان پر احد احد ہی آتا تھا۔ خباب کو انگاروں پر گھسیٹتے تھے اور صہیب و عمار کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے تھے ابوفکیہ کو گرم تپتے ریت پر لٹا کر پیٹھ پر پتھر کی چٹان رکھتے تھے۔

سمیہ حضرت عمار کی والدہ کو تپتی ریت میں لٹایا اور خوب مارا مگر وہ ایمان میں متزلزل نہیں ہوئیں آخر ابوجہل نے برچھا مار کر شہید کر دیا یہ اسلام میں پہلی شہادت تھی۔

عبداللہ بن مسعود بہت منحنی سے آدمی تھے جب کسی معمولی جسم کے آدمی کے پیچھے بیٹھ جاتے تو بالکل چھپ جاتے جب انہوں نے چاہا کہ کعبہ میں جا کر قرآن کی چند آیات سنائیں تو دوسرے صحابہ نے منع بھی کیا کیونکہ اس عمل کے بعد کفار حملہ ضرور کرتے اور عبداللہ بن مسعود اس حملہ کو برداشت کرنے کے قابل نہ تھے مگر اُن کے دینی جوش کے سامنے کسی مشورہ کا اثر نہ ہوا اور انہوں نے کعبہ کے حدود میں قرآن کی چند آیات پڑھیں اس پر اُن کو اتنا مارا کہ لہولہان ہو گئے۔ مگر وہ کہتے تھے کہ میں دوسری بار پھر جا کر پڑھنے کے لئے تیار تھا۔

استیعاب میں ہے کہ جب ان میں سے بعض صحابہ شام پہنچے تو وہاں کے عیسائی لیڈروں نے کہا کہ جن نبیوں کے اصحاب کو آروں سے چیرا گیا تھا اُن پر بھی وہ مصائب نہیں آئے تھے جو اصحاب محمد نے برداشت کئے۔

اسلام کی محبت کے سامنے رشتہ اور قبیلہ کے تعلقات کی بھی ابتدائی دور کے صحابیوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ لیکن یہ صبر و امتحان کا دور اُن صحابہ پر گزرا جو ابتدا ئے اسلام میں رسول اللہ کے ساتھ تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے اس دور کے صحابہ کی فضیلت بیان کی ہے یہ دور یوں تو فتح مکہ سے پہلے ہی ختم ہونے لگا لیکن فتح مکہ سے اس کا باقاعدہ خاتمہ ہوگیا کیونکہ اُس کے بعد اسلام اتنا طاقتور ہوگیا تھا کہ لوگ اُس میں اگر کسی امتحان میں نہیں پڑتے تھے بلکہ اُن کو دائرہ اسلام میں آنے سے دنیوی فائدہ پہنچتا تھا۔ مزید یہ کہ جان و مال کی امان کے لئے بھی اسلام قبول کرنے لگے۔ بخاری کی ایک حدیث کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں۔

کانت العرب تلوم باسلامھم الفتح فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظھر علیھم فھو نبی صادق فلما کانت وقعۃ اھل الفتح بادر کل قوم باسلامھم (بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب فتح مکہ)	عرب اس انتظار میں تھے کہ فتح مکہ کے بعد اپنے اسلام کا فیصلہ کریں وہ یہ کہتے تھے کہ محمد کو انہیں اور اُن کی قوم کو چھوڑ دیا جائے اگر یہ سچے نبی ہیں تو اپنی قوم پر غالب ہوں گے۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو وہ اسلام کے لئے دوڑنے لگے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح مکّہ کے بعد جو لوگ ایمان لائے اُن کے لئے قبول اسلام کے محرکات وہ نہیں تھے جو ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں کے ہو سکتے ہیں۔ ابتدائی دور کے صحابہ پر قرآن کی صداقت، رسول اللہ کے مواعظ حسنہ، اسلامی اخلاق وغیرہ کا اثر ہوا تھا۔ لیکن بعد میں اسلام لانے والے صحابہ پر اسلامی اقتدار کا اثر پڑا۔ ان میں سے بعض تو وہ تھے جو یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اب اس کے سوا چارہ ہی نہیں۔ اُن کے لئے غیر مسلم رہنا ممکن ہی نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ فتح مکّہ کے بعد ایمان لانے والے تمام صحابہ فضل و منقبت کے لحاظ سے پست درجہ میں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان میں بھی اکثر و بیشتر اسلام میں آنے کے بعد زہد و تقویٰ کے بلند مرتبہ پر پہنچے لیکن یہ ضرور ہے

Marfat.com

کہ صحابہ میں جو منافق یا جہنمی تھے اُن کی تلاش زیادہ تر ان متاخر صحابہ میں ہی کرنی چاہیئے۔ وہ صحابہ جو جہنم جاتے ہوئے رسول اللہ کو حوض پر ملیں گے وہ اسی زمرہ میں ہو سکتے ہیں جو اسلام کے طاقتور ہونے کے بعد دائرۂ اسلام میں آئے۔ ان میں سے متعدد رسول اللہ کی صحبت میں بھی رہے اور صحابہ کہلائے مگر ان کے دلوں میں صحبت رسولؐ سے فیض حاصل کرنے کی صلاحیت نہ تھی۔

ابتدائی دور ابتلا کے صحابہ کے لئے قرآن کی اور آیات بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان صحابہ کا درجہ بہت بلند ہے انہی کی نسبت فرمایا گیا ہے۔

السابقون الاولون من المھاجرین والانصار۔ اس آیت میں بعد میں آنے والے صحابہ کا بھی تذکرہ کیا ہے مگر اس میں احسان کی شرط لگائی ہے (والذین اتبعوھم باحسان اور جو اُن کے بعد اعمال حسنہ والے ہوئے) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اول درجہ کے صحابہ کے بعد صحابہ ہوں گے۔ اُن کے لئے رضی اللہ عنہم کی شرط یہ ہے کہ وہ نیکوکار ہوں اور اوّل درجہ کے سے اخلاق حاصل کریں۔ ان میں ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن کے اعمال حسنہ نہ ہوں تو وہ رضی اللہ عنہم کے مصداق نہیں ہوں گے۔

اسی طرح آیت للفقراء المھاجرین اخرجوا من دیارھم......الخ بھی ابتدائی دور کے صحابہ کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

دراصل قرآن کی جتنی آیات میں صحابہ کی تعریف ہے وہ یا تو ابتدائی دور کے مسلمان تھے جو امتحانوں سے گزرے یا پھر بحیثیت مجموعی اُس سماج کی تعریف ہے جو صحابہ نے بنایا تھا۔ یہ مطلب کسی آیت سے نہیں نکلتا کہ تمام صحابہ فرداً فرداً قابل تعریف تھے یا یہ کہ اُن کی مذمت کرنا گناہ ہے اگر فرداً فرداً ہر صحابی کی مذمت کی ممانعت ہوتی تو بڑے بڑے جلیل القدر

Marfat.com

بعض اُن صحابہ کی مذمت نہ کرتے جو دوسرے درجہ میں آتے ہیں۔ اس قسمت کی متعدد مثالیں آگے آئیں گی۔

قرآنی آیات کے علاوہ فضائل صحابہ کی احادیث بھی ہیں لیکن اُن میں بھی کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ہر صحابی بلا لحاظ زہد و تقوٰے قابل احترام ہو۔ صرف ایک حدیث ہے جس سے انفرادی مدح کا شبہ ہوتا ہے لیکن اس حدیث کی معمولی تشریح سے یہ شبہ دور ہو جائے گا۔ حدیث یہ ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو ان احدکم انفق مثل احد ذہبا ما ادرک مد احدہم ولا نصیفہ۔

(ترمذی۔ کتاب المناقب)

ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو۔ اُس کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم لوگوں میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کی برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کریگا تو اُس کا ثواب میرے اصحاب میں سے کسی کے مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں ہوگا

اس حدیث کے الفاظ سے ہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دور کے صحابہ کو پہلے دور کے صحابہ کے خلاف سب و شتم کرنے سے روک رہے ہیں۔ حدیث کے الفاظ "تم لوگوں میں سے" میں بعد کے دور کے صحابہ کی طرف اشارہ ہے اور "میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو" میں ابتدائی دور کے صحابہ مقصود ہیں۔ ابتدائی دور میں اسلام کی حالت غربت کی تھی اس وقت ایک مٹھی بھر چیز کوئی صحابی دیتا تھا تو اُس امداد کی قدر و قیمت بعد کے دور کے

احد پہاڑ کی برابر سونے سے بھی یقیناً زیادہ تھی۔

پس اس حدیث میں جن اصحاب کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے وہ وہی صحابہ ہیں جن کی تعریف قرآن میں ہے۔ ان کے اخلاق اور ان کی قربانیاں ان کو تنقید سے بالاتر بنا دیتی ہیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان سے کوئی اجتہادی غلطی ہوئی ہو مگر ان کی نیت اور خلوص پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اجتہادی غلطیاں ان سے بھی ہر قسم کی ہوئی ہیں لیکن ان کا شمار انسانی لغزشوں میں ہے ان غلطیوں کے باعث ان کے مرتبہ اور کیرکٹر پر حملہ نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کی خلاف ورزی معاہدہ کے باعث مکہ پر اقدام کا فیصلہ کیا تو قتل و قمع سے بچنے کے لئے رسول اللہ نے اپنے پلان کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی مگر ایک معزز صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک خط کے ذریعہ مکہ والوں کو اسلامی حملہ کے پلان کی اطلاع بھیجدی۔ رسول اللہ کو حاطب کے اس فعل کی خبر ہوگئی اور حضور نے فوراً حضرت علی کو دوڑایا جنہوں نے وہ خط راہ میں پکڑ لیا اور جو عورت یہ خط لے جا رہی تھی اُسے گرفتار کر لیا۔

حاطب بن ابی بلتعہ کا یہ فعل نہایت ہی خطرناک تھا۔ اگر مکہ والوں تک یہ خط پہنچ جاتا تو شاید اسلام کی ابتدائی تاریخ بدل جاتی۔ اہل مکہ دفاع کا پورا بندوبست کر لیتے اور مکہ ایسی آسانی سے فتح نہ ہوتا۔ جب حضرت علی یہ خفیہ خط رسول اللہ کے پاس لائے تو آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا کہ

یاحاطب ما ھذا قال یا رسول اللہ لا تعجل علی انی امرأ ملصقا فی قریش یقول کنت حلیفا ولم اکن من انفسھا وکان من معک من	اے حاطب یہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ یارسول اللہ میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے میرا ایسا تعلق ہے کہ میں صرف اُن کا حلیف ہوں

المهاجرين من لهم قرابات يحمون
اهليهم واموالهم فاحببت ان
اتخذ عندهم يدا يحمون بها
قرابتي ولم افعله ارتدادا
عن ديني ولا رضا بالكفر بعد
الاسلام فقال رسول الله صلى الله
عليه وسلم اما انه قد صدقكم
فقال عمر يا رسول الله دعني
اضرب عنق هذا المنافق
فقال انه شهد بدرا وما
يدريك لعل الله اطلع على
من شهد بدرا فقال اعملوا
ما شئتم فقد غفرت لكم فانزل
الله السورة لا تتخذوا عدوي
وعدوكم اولياء...... الخ

{صحیح بخاری
کتاب المغازی}

اُن کی ذات برادری کا نہیں ہوں
آپ کے ساتھ اور جو مہاجرین ہیں مکہ
میں اُن کے رشتہ دار ہیں۔ جو اُن کے مال
اولاد کی حفاظت کرسکتے ہیں۔ میں نے یہ
اطلاع دے کر یہ سوچا کہ اس احسان کے
بدلے میں وہ میرے خاندان کی حفاظت
کریں گے۔ میں نے یہ کام اپنے دین سے
سے ارتداد یا کفر سے اسلام کے بعد رضا
کے لئے نہیں کیا۔ رسول اللہ نے صحابہ
سے فرمایا کہ اُس نے تم سے سچ کہہ
دیا ہے۔ عمر نے کہا یا رسول اللہ اجازت
دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار
دوں حضور نے فرمایا یہ تو بدر میں شریک تھا
کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ نے بدریوں کے
متعلق حالات کے اندازہ سے کہدیا ہے
جیسا چاہے عمل کرو تم کو بخشدونگا۔ پھر اللہ نے
یہ آیت نازل کی مت بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست

حاطب بن ابی بلتعہ جلیل القدر صحابی ہیں اور قرآن کی آیات اور احادیث
کی رو سے ابتدائی دور کے اُن اصحاب میں شمار ہوتے جن کی شان بڑی ہے اور
جن کو بُرا بھلا کہنے سے رسول اللہ نے منع کیا ہے مگر حضرت عمر نے بُرا کہنا تو
درکنار اُن کو منافق کہہ کر قتل کر دینے کی اجازت طلب کی۔ اور اُن کا فعل ایک فساد

Marfat.com

ساہی تھا مگر انہوں نے یہ کام بدنیتی سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ اُن کی انسانی
زش تھی۔ مطلب یہ کہ بڑے بڑے صحابہ سے بھی انسانی لغزشیں ممکن ہیں اور
ں لغزشوں کے لئے اُن کی مذمت بھی کی جاسکتی ہے۔ مگر اُن کی نیت اور کیرکٹر
ملہ نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ جب تک زندہ تھے تو وہ فیصلہ کر دیتے تھے یا وحی سے فیصلہ
جاتا تھا مگر رسول اللہ کی وفات کے بعد بھی دورِ اوّل کے ان صحابہ میں سے
ن سے اجتہادی غلطیاں ہوئی ہیں اور ان میں بعض نہایت خطرناک بھی تھیں
ن جیسے ہی ان کو اپنی غلطیوں کا احساس ہوا انہوں نے اصلاح کر لی اور
د رسول نے قرآن و حدیث میں ان کا جو مرتبہ بلند قرار دیا تھا اُسی کی
ج رکھ لی۔

مثلاً جنگ جمل میں بی بی عائشہ، طلحہ و زبیر سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں
حضرت علی کے مقابلہ میں محاذ قائم کیا۔

سورہ انفال کی آیت واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم
صہ (اُس فتنہ سے بچو جس کے اثرات تم میں سے صرف اُن تک محدود نہیں
وں نے ظلم کیا) پر علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں بحث کرتے ہوئے بتایا ہے
آیت علی، عمار، طلحہ، اور زبیر کے متعلق ہے جو جنگ جمل میں مبتلا ہو گئے
۔ بدر میں یہ لوگ شریک ہوئے تھے اور اُن ممتاز صحابہ میں تھے جن کی
ت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ زبیر کہتے ہیں ہم اس آیت کو پڑھتے
ے مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ہم خود اس کے مصداق ہیں (وما ظننا انا اھلھا)
اس آیت کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض اوقات فتنہ ایسی شکل اختیار
ہے کہ بڑے بڑے قابل احترام لوگ اس میں پھنس جاتے ہیں۔ طلحہ

Marfat.com

اور زبیر جیسے بزرگ ایک فتنہ میں مبتلا ہو کر حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آ
اور بعض لوگوں کے ورغلانے سے حضرت عثمانؓ کے خون کا دعویٰ اُن سے
کرنے لگے حالانکہ حضرت عثمان کے قتل کی ذمہ داری حضرت علیؓ پر بالکل
تھی قتل میں کسی قسم کی سازش تو درکنار حضرت علیؓ نے تو آخر وقت تک اُن کی
کے لئے کوشش کی اور جب قتل کرنے والوں نے مکان کے عقب سے
کود کر داخلہ کیا اور قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو حضرت علی نے اپنے بیٹے
اور دوسرے محافظوں پر سخت عتاب فرمایا۔

لیکن طلحہ و زبیر نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اور اپنے رویہ کی اص
کی جدوجہد میں جان دیتے ہوئے صحابیت کے مرتبہ کی شان کو دوبالا کر دیا۔
نے السابقون الاولون کی جو تعریف کی تھی وہ اُس کے مستحق ثابت ہو

بی بی عائشہ بھی السابقون الاولون میں تھیں۔ اُن سے بھی لغزش
مگر انہوں نے بھی غلطی کی تلافی کر دی جنگ جمل میں جاتے ہوئے ایک ایسا
آیا جس کی بابت رسول اللہ نے بی بی عائشہ سے فرمایا تھا کہ تم ایک غلط اقد
کے دوران وہاں پہنچو گی تو انہوں نے وہاں پہنچتے ہی واپسی کا فیصلہ کیا مگر فتنہ پر
نے انہیں سمجھا دیا کہ یہ وہ مقام نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اللہ کو السابقون الاولی
کے شرف کو نبھانا تھا اس لئے بی بی عائشہ نے پھر ایک مرحلہ پر اپنی غلطی کو
کیا اور تاریخ شاہد ہے کہ وہ اپنے جنگ جمل کے اقدام کو یاد کر کے اپنی غلطی
کرتی تھیں۔ آگے معاویہ کے مسلک کی تشریح میں بتایا جائیگا کہ انہوں نے نہ ص
گناہ کیا بلکہ گناہ پر اصرار کیا اور اس طرح صحابیت کے مرتبہ کی توہین کی۔

زبیرؓ کو حضرت علیؓ نے ایک واقعہ یاد دلایا تھا۔ اُس کی روایت

ان الزبیر کان یسایر النبی صلی اللہ   زبیر ایک بار نبی صلی اللہ

علیہ وسلم یوما اذا قبل علی رضی اللہ عنہ فضحک الیہ الزبیر فقال رسول اللہ علیہ وسلم کیف حبک لعلی فقال یارسول اللہ احبہ لحبی لولدی او اشد فقال کیف انت اذا سرت الیہ تقاتلہ (تفسیر کبیر از امام رازی)

ساتھ جا رہے تھے جبکہ علی رضی اللہ عنہ آ گئے زبیر اُن کے ساتھ ہنسنے لگے۔ رسول اللہ نے زبیر سے پوچھا کہ علی سے تم کتنی محبت کرتے ہو انہوں نے کہا یا رسول اللہ اتنی محبت کرتا ہوں جتنی اپنے بیٹے سے بلکہ اُس سے بھی زیادہ آپ نے اس پر فرمایا کیا ہوگا اگر تم اُس سے قتال کے لئے نکلو۔

امام رازی نے صرف اتنی ہی روایت لکھی ہے دوسری کتابوں میں اتنا اور بھی ہے کہ زبیر کو رسول اللہ کے ان الفاظ پر بہت حیرت ہوئی۔ اُن کی سمجھ میں یہ نہیں آتا تھا کہ ایسے بھی کوئی حالات ہو سکتے ہیں جن میں مجھے علیؓ کے مقابلہ میں قتال کے لئے نکلنا پڑے۔

تاریخ میں ہے کہ جنگ جمل میں جب زبیر حضرت علی کے مقابلہ میں آئے تو حضرت علیؓ نے رسول اللہ کا یہ قول یاد دلایا۔ اس کا اثر زبیرؓ پر یہ ہوا کہ اُن کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور وہ جنگ سے واپس ہونے لگے۔ ایسی حالت میں معاویہ کے ایک طرفدار عمر بن جرموز نے عین نماز میں اُن کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ کو اس لئے اور بھی زبیر اور طلحہ کی فکر تھی کہ یہ دونوں السابقون الاولون میں سے تھے اور زبیر کے قاتل کی نسبت رسول اللہ کی پیشین گوئی تھی کہ قاتل ابن صفیہ فی النار (ابن صفیہ کا قاتل جہنم میں جائیگا۔

اسی طرح طلحہ بڑے مرتبہ کے صحابی تھے۔ اُن کو ایک روایت کے مطابق مروان نے تیر مار کر شہید کر دیا۔ اُن کے مقابلہ پر آنے کے متعلق یہ پھید گی تھی کہ رسول اللہ کی پیشین گوئی تھی کہ تم شہید ہوگے تو اُس وقت علی کی بیعت تمہاری

Marfat.com

گردن میں ہوگی۔ ایک طرف یہ پیشین گوئی دوسری طرف جنگ جمل میں طلحہؓ کا حضرت علیؓ کے مقابل قتال کے لئے آنا دونوں باتوں میں میل نہ تھا۔ مگر طلحہ نے اپنی غلطی کا احساس کرکے جنگ سے واپسی کا فیصلہ کیا تو اُن کو تیر مارا گیا تو مستدرک کی روایت ہے کہ حضرت علی کے اصحاب میں سے ثور بن جزاۃ ایسی حالت میں اُن کے پاس پہنچے کہ طلحہ کا بالکل آخر وقت تھا انہوں نے آنکھ کھول کر پوچھا کہ تم کون ہو ثور بن جزاۃ نے جواب دیا کہ میں علیؓ کے اصحاب میں سے ہوں۔ طلحہؓ نے کہا کہ ہاتھ لاؤ تاکہ میں علیؓ کے لئے بیعت کروں چنانچہ ثور بن جزاۃ نے ہاتھ پھیلا دیا اور انہوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کا اعلان کیا۔ یہ واقعہ جب ثور بن جزاۃ نے حضرت علیؓ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہی ارشاد تھا کہ طلحہ کا انتقال ایسی حالت میں ہوگا کہ گلے میں علی کی بیعت ہوگی۔

یہ مثالیں نہ صرف اجتہادی غلطیوں، انسانی لغزشوں، اور غلط فہمیوں کی ہیں جن میں دور اوّل کے صحابہ مبتلا ہوئے اور اللہ نے انہیں ان غلطیوں سے نکال لیا بلکہ یہ مثالیں اُس قسم کے فتنہ کی ہیں جس کا تذکرہ مذکورہ بالا آیت واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آیت کے ترجمہ پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اُس فتنہ سے ہوشیار رہو جو صرف اُن ظالموں تک محدود نہیں رہتا جو ظلم کرتے ہیں بلکہ اُن کو بھی متاثر کرتا ہے جو ظالم اور فتنہ پرداز نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں جیسے کہ طلحہ اور زبیر تھے۔ جنگ جمل کا فتنہ ایسا اٹھا کہ اس میں بڑے بڑے صحابہ پھنس گئے۔

جنگ بدر میں شامل ہونے والے صحابہ کا بڑا مرتبہ ہے لیکن ایک صحابی مسطحؓ

Marfat.com

تھے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک رشتہ دار تھے اور حضرت ابوبکرؓ اُن کی بہت امداد کیا کرتے تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے مگر انہوں نے رسول کی بیوی اور اپنے محسن ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے میں مدینہ کے منافقین کے ساتھ مل کر نمایاں حصہ لیا

بخاری میں جو مشہور حدیث افک ہے اُس میں بی بی عائشہ کا بیان نہایت تفصیل کے ساتھ ہے۔ وہ کہتی ہیں

"پھر ہم مدینہ آئے اور میں ایک ماہ تک بیمار رہی۔ لوگ تہمت والوں کے قول میں غور و فکر کرتے تھے اور مجھے یہ بات شک میں ڈالتی تھی کہ میں اپنی بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مہربانی نہیں دیکھتی تھی جو اس سے پہلے بیماری میں دیکھا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکر صرف یہ کہتے تھے یہ کیسی ہے۔ پھر چلے جاتے تھے۔ اس سے مجھے شک ہوتا تھا اور برے بھلے کا شعور نہ تھا۔ جب مجھے بیماری سے افاقہ ہوا تو میں پاخانہ کے لئے نکلی۔ اور اُم مسطح بھی میرے ساتھ پاخانے کو چلی۔ ہم ایک رات سے دوسری رات تک پاخانے نہیں جاتے۔ یہ ہمارے گھروں کے پاس پاخانے بننے سے پہلے کا ذکر ہے۔ اس وقت ہماری رسم عربوں کی طرح جنگل میں ہی پاخانہ کرنے کی تھی اور گھروں کے پاس پاخانے بنانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ عائشہ کہتی ہیں کہ میں مسطح کی ماں جو ابی رھم بن عبدالمطلب بن عبد مناف کی بیٹی ہے اور ام مسطح کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی ہے جو ابوبکر کی خالہ تھی۔ اُس کا بیٹا مسطح اثاثہ بن عباد بن عبدالمطلب

کا بیٹا ہے۔ جب ہم رفع حاجت سے فارغ ہوئے تو میں اور اُم مسطح
اپنے گھر کی طرف واپس آئے۔ مسطح کی ماں کا پاؤں اپنی چادر
سے پھسل گیا۔ وہ کہنے لگی مسطح ہلاک ہو۔ میں نے اس پر اُس
سے کہا کہ تو برا کہتی ہے۔ کیا تو اُس کو بُرا کہتی ہے جو بدر
میں شریک ہوا تھا! (التسبیں نہ جلا اشھل بدرا)
اُس نے کہا اری دیوانی تو نے نہیں سنا جو مسطح نے کہا ہے
میں نے پوچھا اُس نے کیا کہا ہے۔ اُم مُسطح نے مجھ سے اہل افک
کا قول بیان کیا۔ عائشہ رضؓ کہتی ہیں میری بیماری اور بڑھنی
شروع ہوگئی۔ جب میں گھر آگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
آکر سلام کیا۔ پھر پوچھا یہ کیسی ہے۔ میں نے اپنے ماں باپ کے
گھر جانے کی اجازت مانگی۔

یہ تو ایک ایسے صحابی کا حال ہے جو بدر میں شریک تھا اور جس کی ماں کے مذمت کرنے پر بی بی عائشہ نے اُسے ڈانٹا کہ تو ایک بدری پر سب و شتم کر رہی ہے۔ اب ذرا اُن انصار کے بعض لوگوں کا حال بخاری کی اسی حدیث میں پڑھئے۔ حدیث میں آگے چل کر آتا ہے۔

"......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ سے بلا کر
پوچھا کہ کیا تو نے عائشہ کی کوئی بیجا حرکت ایسی دیکھی ہے
جس نے تجھے شبہ میں ڈالا ہو۔ بریرہ نے کہا اُس کی قسم جس
نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے کبھی ایسی کوئی بات
نہیں پائی جس کی بنا پر عائشہ پر تہمت لگا سکوں۔ اتنا ضرور ہے کہ
وہ کمسن لڑکی ہیں خمیر سے غافل سو رہتی ہیں پلی ہوئی بکری

اسے آکر کھا جاتی ہے۔ اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کی بات کا عذر کرتے ہوئے لوگوں سے کہا۔ اے جماعت مسلمین مجھے کون مدد دے گا اُس شخص کے خلاف جس کے باعث مجھے میرے اہل میں ایذا پہنچی۔ بخدا میں اپنی بیوی کی نسبت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں جانتا اور ان لوگوں نے ایسے مرد کا نام لیا ہے جس پر میں سوائے بھلائی کے اور گمان نہیں کرسکتا۔ وہ میرے گھر میں میرے پیچھے کبھی نہیں آتا تھا۔ عائشہؓ نے کہا کہ سعد بن معاذ بنی عبدالشہل کے بھائی کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میں آپ کی مدد کرونگا۔ اگر وہ شخص قبیلۂ اوس سے ہوگا میں اُس کی گردن مار دوں گا اور اگر ہمارے بھائیوں خزرج سے ہوگا تو آپ جیسا حکم دیں ہم اُس کی تعمیل کریں گے۔ عائشہ فرماتی ہیں اس پر ایک شخص قبیلۂ خزرج سے کھڑا ہوا جس کا نام سعد بن عبادہ تھا اور حسان کی ماں اُس کے رشتہ کے چچا کی بیٹی تھی۔ وہ قبیلۂ خزرج کا سردار تھا وہ اس قضیہ سے پہلے نیک آدمی تھا مگر اس وقت اسے قبیلہ کی حمیت اور غرور نے ابھار دیا۔ سعد سے کہنے لگا تو جھوٹا ہے بخدا تو خزرجی کو نہ مار سکے گا اور نہ اس کے مارنے پر تو قادر ہوسکتا ہے اور اگر وہ تیری قوم کا ہوگا تو تو اسے مارنا پسند نہ کریگا۔ پھر سعید بن حضیر نے جو سعد کے چچا کے بیٹے تھے کھڑے ہوکر سعد بن عبادہ سے کہا تو جھوٹا ہے بخدا ہم اُسے مار

Marfat.com

دیں گے اور تو منافق ہے کہ منافقوں کی طرف سے جھگڑتا ہے
عائشہ نے مزید کہا کہ اوس و خزرج کے قبیلے اتنے بھڑکے کہ لڑنے
پر آمادہ ہو گئے باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے
تھے۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خاموش
کرتے رہے جب تک وہ خاموش نہ ہوئے بالآخر وہ خاموش
ہو گئے ......"

اس کے بعد ہی بخاری میں اور حدیث ہے جس میں ایک انصاری عورت کا ذکر ہے جو اپنے بیٹے کی شکایت عائشہ کی ماں ام رومان سے کرتی ہے کہ وہ بھی تہمت لگانے میں شریک ہے۔

بخاری میں ایک اور حدیث ہے جس میں حضرت حسان کے تہمت میں شریک ہونے کا ذکر ہے۔ یہ حدیث بھی قابل توجہ ہے۔

"مسروق سے روایت ہے کہ ہم عائشہ کے ہاں گئے جبکہ
حسان ان کے پاس بیٹھے شعر سنا رہے تھے۔ اپنے اشعار
تشبیب کے پڑھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

حَصَانٌ رَزَانٌ مَا تُزَنُّ بِرِيبَةٍ
وَتُصْبِحُ غَرْثَىٰ مِنْ لُحُومِ الْغَوَافِلِ

(معشوقہ صاحب وقار اور تیز فہم ہے۔ کسی کے شک سے تہمت نہیں
لگائی جاتی اور صبح کو بے خبر عورتوں کے گوشت سے بھوکی اٹھتی
ہے یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتی) عائشہ نے حسان سے کہا یہ سچ
ہے مگر تو ایسا نہیں ہے مسروق کہتے ہیں میں نے عائشہ سے کہا
مگر تم کیوں اسے آنے دیتی ہو۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے

Marfat.com

والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم۔ عائشہ بولیں اندھے ہوجانے سے زیادہ اور کونسا عذاب ہوگا۔ پھر کہا حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کفار سے جھگڑتا تھا اور ان کی ہجو کرتا تھا۔"

صحابہ میں حسان کا خاص مرتبہ ہے۔ رسول اللہ نے اس کے لئے دعا فرمائی تھی اللھم ایدہ بروح القدس (اے اللہ اسے روح القدس کی تائید عطا فرما) وہ دربار نبوت کا شاعر تھا جس نے شاعری میں ایک خاص کمال یہ دکھایا کہ قریش کے مقابلہ میں رسول کا دفاع کرتا تھا مگر اس طرح کہ کسی شعر میں رسول اللہ کے نسب و قرابت پر حرف نہیں آتا تھا حالانکہ کفار مکہ میں سے اکثر سے رسول اللہ کا قرابتی رشتہ تھا۔ لیکن یہ ہی حسان بی بی عائشہ کے بارے میں گمراہ ہوکر مدینہ کے منافقوں کا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مگر حسان اپنے فعل پر پچھتایا اور بی بی عائشہ نے اُس کی دینی خدمات کا لحاظ کرتے ہوئے درگزر سے کام لیا۔

سعد بن عبادہ کا بھی صحابہ میں بہت بلند مرتبہ ہے۔ وہ انصار میں قبیلۂ خزرج کے سردار تھے اور مدینہ میں رسول اللہ کے سب سے پہلے پناہ دینے اور مدد کرنے والے تھے۔ عقبہ کی بیعت میں بھی نمایاں تھے۔ ہر لحاظ سے قرآن کی آیت السابقون الاولون من المھاجرین والانصار کے مصداق تھے لیکن جب رسول اللہ نہایت اضطراب کی حالت میں منبر پر کھڑے ہوکر عبداللہ بن اُبی کے اتہامات اور دوسرے منافقین کے پروپیگنڈے سے حفاظت کے لئے صحابہ سے اپیل کررہے تھے تو سعد بن عبادہ کے قبائلی جذبات ابھر آئے اور انہوں نے مسجد نبوی میں جاہلیۃ کا ایسا مظاہرہ کیا کہ بخاری کی حدیث میں بی بی عائشہ کے الفاظ ہیں "اس قضیہ سے پہلے وہ نیک مسلمان تھے مگر اس وقت قبائلی حمیت اور غرور نے ابھار دیا"

Marfat.com

سعد بن عبادہ کی اسلامی خدمات نہایت شاندار ہیں مگر ان کی زندگی میں اور بھی ایسے بعض واقعات ہیں جب انہوں نے صحابیت کے معیار سے گر کر طرزِ عمل اختیار کیا۔ مثلاً جب فتح مکہ میں اسلامی لشکر مکہ میں فاتحانہ داخلہ کر رہا تھا تو رسول اللہ نے عام معافی کا اعلان کر دیا تھا۔ صرف ایک مختصر فہرست چند آدمیوں کی ایسی تیار کی تھی کہ اس میں جن مجرموں کے نام تھے وہ معافی کے اعلان سے مستثنیٰ تھے۔ آپ کے الفاظ تاریخ کے صفحات میں جگمگا رہے ہیں۔ الیوم یوم المرحمۃ (آج کا دن مرحمت کا دن ہے) لیکن سعد بن عبادہ اسلامی لشکر کے علمبردار تھے۔ انہوں نے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے اعلان کر دیا الیوم یوم الملحمہ (آج کا دن انتقام کا دن ہے) سعد بن عبادہ کے اس اعلان سے مکہ میں گھبراہٹ پھیلنے کا اندیشہ ہوا۔ اطلاع رسول تک پہنچی خصوصاً ابو سفیان نے عرض کیا آپ نے تو فرمایا تھا لا تثریب علیکم الیوم (آج تم سے کوئی انتقام نہیں ہے مگر آپ کا سردار علمبردار تو ایسا کہہ رہا ہے۔ حضور نے بہت غصہ فرمایا اور کہا کہ وہ غلط کہتا ہے۔ اُس سے جھنڈا لے لیا جائے۔ یہ جھنڈا سعد بن عبادہ سے لے کر اُن کے بیٹے قیس بن سعد کے ہاتھ میں دیا گیا۔ یہ وہی قیس ہیں جو معاویہ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ اور امام حسنؓ کی طرف سے لڑے اور امام حسن سے صلح کے وقت معاویہ نے قیس کا سر طلب کیا تھا بلکہ اُس نے فیصلہ کیا تھا کہ ان کے دست و پا اور زبان کاٹی جائے۔ لیکن امام حسن نے معاویہ کی یہ شرط قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

سعد بن عبادہ نے مکہ میں داخل ہوتے ہوئے جو الفاظ کہے تھے (یعنی الیوم یوم الملحمہ۔ آج انتقام کا دن ہے) تو اُس میں رسول کی مخالفت کا کوئی سوال نہ تھا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ "انتقام" سے اُن کا مطلب صرف اتنا ہی ہو کہ مکہ پر

Marfat.com

اس اسلام کا آج قبضہ ہو رہا ہے جسے اہل مکہ نے جلا وطن کر دیا تھا یا ہو سکتا ہے کہ سعد بن عبادہ نے رسول اللہ کے عام معافی کے اعلان کو سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اُن کے سامنے یہ حقیقت تھی کہ ان مکہ والوں نے مسلمانوں پر ظلم توڑے تھے آج یہ قابو میں آئے ہیں ان سے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں ہی سعد بن عبادہ کی عظمت کا بھی ثبوت ہے۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے بغیر عذر و حجت جھنڈا حضرت علی کے حوالے کر دیا جنہوں نے قیس کے سپرد کر دیا اگر سعد بن عبادہ اس معزولی پر اعتراض کرتے تو کافی ہنگامہ ہو سکتا تھا۔ وہ مدینہ کے ایک زبردست قبیلہ کے سردار تھے اور بہت با اثر آدمی تھے لیکن اُن کے طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ رسول اللہ کے حکم کی پیروی ضروری سمجھتے تھے خواہ اس میں ذاتی توہین کا پہلو ہی کیوں نہ پیدا ہوتا ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جن صحابہ کے شرف و عظمت پر قرآن گواہ ہے اُن سے بھی فاش غلطیاں سرزد ہوتی تھیں۔ کبھی یہ غلطیاں اجتہادی ہوتی تھیں اور کبھی انسانی لغزشوں کے باعث یہ فیصلہ اس لئے غلط ہے کہ ان کے افعال پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔ دور اول کے صحابہ بھی تنقید سے بالاتر نہیں ہیں۔ اگر ان کے بعض اعمال پر تنقید نہ کی جائے تو اسلامی تعلیمات کے متعلق غلط فہمیاں پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

اہل سنت والجماعت میں ایک گروہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ کسی صحابی کے فعل پر تنقید کرنا ناجائز ہے۔ یہ گروہ معاویہ پر ہر قسم کی نکتہ چینی کو خلاف اصول قرار دینے میں یہ ہی دلیل پیش کرتا ہے۔ چونکہ معاویہ السابقون الاولون یا بدری صحابہ میں نہیں ہیں اس لئے اُن کی بحث درجہ دوم و سوم کے صحابہ میں آئے گی۔ لیکن صحابیت کے مرتبہ کو حد انسانیت سے بھی آگے بڑھانے والے یہ لوگ سعد بن عبادہ کے اس طرز عمل کی نسبت کیا کہیں گے جو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی

Marfat.com

خلافت کے متعلق اختیار کیا۔ سعد بن عبادہ نے نہ صرف حضرت ابوبکر کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا بلکہ اپنی وفات تک حضرت ابوبکر کے پیچھے نماز تک پڑھنی گوارا نہ کی حضرت عمرؓ نے اُن کے قتل کا مشورہ دیا تھا مگر حضرت ابوبکر صدیق نے سعد بن عبادہ کے مرتبہ جلیلہ اور اسلامی خدمات کی خاطر یہ ہی فیصلہ کیا کہ اُن سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

حدیثوں کا وقت و سببِ ورود

صحابہ کے مسئلہ میں بعض غلط فہمیاں ایسی بھی ہیں جو حدیثوں کے مالہ وماعلیہ اور خصوصاً سبب ورود پر توجہ نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ایک حدیث کی شرح پیش کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ اُس حدیث میں جن صحابہ کی مذمت نہ کرنے کا تذکرہ ہے وہ صحابہ وہ ہیں جن کی زندگیاں بڑے امتحانوں سے گزری ہیں اور وہ زیادہ تر دور اول کے صحابہ تھے جن کی فضیلت پر خود قرآن گواہ ہے۔

بعض احادیث ایسی ہیں جن میں سبب ورود اور وقت ورود کا کوئی اشارہ نہیں ہوتا۔ بعض میں اشارہ ہوتا ہے مگر ناکافی ہوتا ہے اور بعض میں پوری تصریح ہوتی ہے۔ لیکن جن احادیث میں کافی تصریحات نہیں ہوتیں اُن کا سبب ورود تاریخ، سیرت۔ یا بعض دوسری احادیث سے مل جاتا ہے۔ اور بعض احادیث ہیں ایسے اخلاقی یا شرعی اصول ہوتے ہیں کہ اُن کی افادیت بغیر سبب ورود جانے بھی ہوتی ہے۔

صحابہ کی فرداً فرداً فضیلت کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے۔ یعنی کسی

Marfat.com

حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ہر صحابی خواہ وہ کوئی ہو اس حد تک قابل احترام ہے کہ اُس کے کیرکٹر یا اعمال کو تنقید میں ہی نہیں لایا جا سکتا اگر کوئی ایسی حدیث ملے تو اُس کا وقت یا سبب ورود دیکھنا چاہیئے۔ اس میں ان صحابہ کا ذکر ہوگا جو بالکل ابتدا میں ایمان لائے اور شدید امتحانوں سے کامیابی کے ساتھ گزرے تھے۔ ان خاص صحابہ کے بھی اعمال پر اس شرط کے ساتھ نکتہ چینی کی جا سکتی ہے کہ اُن کی نیت پر شبہ نہ کیا جائے اور اُن کی غلطیوں کو اجتہادی غلطیاں یا انسانی لغزشیں قرار دیا جائے۔ مطلب یہ کہ اُن کو معصوم نہ سمجھ لیا جائے

وہ صحابہ جو ابتدائی دور میں دائرہ اسلام میں آئے ان صحابہ سے بالکل مختلف ہیں جو اسلام کے طاقتور ہونے کے بعد شریک ہوئے حالانکہ اصطلاح میں عہد رسالت کے ہر دور کے صحابہ "صحابہ" ہیں۔

صحابیت کے معیار میں زمانہ کی رفتار کے ساتھ فرق ہوتا گیا۔ جنگ بدر تک کے صحابہ کے عالی مرتبہ اور جنتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بدر میں شریک ہونے والوں نے بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں غلطیاں کی ہیں مگر یہ اجتہادی غلطیاں ہیں اور اسلامی اصول کے لحاظ سے ان صحابہ کو ان اجتہادی غلطیوں کا بھی اجر ملے گا۔ جنگ احد کو بھی اسی دور میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ لیکن معیار کا فرق صاف نظر آتا ہے۔ بدر میں تعداد بہت کم تھی۔ اسلحہ کافی نہ تھے، مجاہدین سواریوں سے محروم تھے، سامان خوراک اور دیگر جنگی ضروریات حاصل نہیں تھیں۔ مجاہدین کے مختصر لشکر کی جغرافیائی پوزیشن بھی میدان جنگ میں موافق نہ تھی۔ ان تمام باتوں کے باوجود جنگ میں کامیابی ہوئی۔ کیوں؟ اس لئے کہ جو ۳۱۳ مجاہدین تھے اُن کے دین و ایمان کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ جنگ سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبہ تھا کہ شاید مدینہ کے انصار ساتھ نہ دیں کیونکہ

Marfat.com

عقبہ میں جو بیعت اہل انصار نے کی تھی اُس میں صرف اتنا وعدہ تھا کہ مدینہ کے اندر رسول اللہ کی جان کی حفاظت کریں گے مگر یہ جنگ مدینہ سے باہر ہورہی تھی مگر اس وقت مقداد بن الاسود نے رسول اللہ کو یقین دلایا کہ آپ اطمینان رکھیں۔ بخاری کی حدیث اس طرح ہے:۔

"طارق بن شہاب روایت کرتے ہیں میں نے ابن مسعود سے سُنا وہ فرماتے تھے میں مقداد بن اسود کے ایک درجہ سے واقف ہوں۔ بخدا وہ مرتبہ مجھے دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے (اور وہ یہ ہے) مقداد بن اسود نے اُس وقت جب جنگ کی ترغیب دے رہے تھے رسول اللہ سے کہا جس طرح موسیٰ کی قوم نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جاؤ اور (قوم عمالقہ سے) لڑو ہم ایسا آپ سے نہیں کہیں گے بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں، آگے اور پیچھے ہر طرف لڑیں گے۔ ابن مسعود کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ کھل اٹھا۔ اور مقداد کی اس بات نے آپ کو خوش کر دیا۔"

(بخاری۔ کتاب المغازی۔ جنگ بدر)

ایک اور روایت میں ہے کہ سعد بن معاذ نے کہا کہ اگر آپ برک الغماد تک بھی جائیں تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔

اسلام پر یہ بہت ہی سخت امتحان تھا۔ رسول اللہ نے جنگ شروع کرنے سے پہلے جو دعا مانگی تھی اس میں آپ کے یہ الفاظ تھے کہ اے اللہ اگر یہ مسلم

جماعت ہلاک ہو گئی تو قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ مطلب یہ تھا کہ محمدؐ آخری نبی ہیں اگر وہ اور اُن کے ماننے والوں کا یہ مختصر گروپ بدر میں فنا ہو جاتا ہے تو نہ کوئی نبی نیا آئیگا اور نہ توحید کے ماننے والے رہیں گے

بدر میں ایسے مسلمان تھے جن کی عظمت بے چوں وچرا تسلیم کی جاتی ہے بخاری کی ایک اور حدیث ہے:-

"معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جو بدری تھے جبریل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا تم بدریوں کو کب جانتے ہو۔ آپ نے فرمایا انہیں مسلمانوں میں زیادہ بزرگ جانتے ہیں یا کوئی اور کلمہ اسی کا ہم معنی کہا۔ جبریل نے کہا ایسے ہی وہ فرشتے زیادہ بزرگ ہیں جو بدر میں شریک تھے"

(بخاری۔ کتاب المغازی)

الغرض بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کے بڑے مرتبے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے نماز جمعہ کی شرکت پر ایک بدری کی عیادت کو ترجیح دی تھی۔

لیکن جنگ بدر سے جنگ احد تک پہنچتے پہنچتے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابیت کا معیار کسی نہ کسی حد تک گر گیا۔ معیار گرنے سے یہ مطلب نہیں کہ شرکائے احد معمولی درجہ میں آ گئے تھے مطلب یہ ہے کہ مقابلتاً اُن کا معیار بحیثیت مجموعی پست تر تھا۔ معیار کی گراوٹ کا اندازہ احد کے دو واقعات سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ جس جماعت صحابہ کو رسول اللہ نے ایک ایسے پہاڑی مقام پر تعینات کر دیا تھا جہاں سے دشمن کامیاب حملہ کر سکتا تھا اُس نے مال غنیمت کی لالچ سے اُس مقام کو چھوڑ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن نے ہارتے ہارتے اُدھر سے حملہ کر کے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچ گیا۔ دوسرے یہ کہ جیسے ہی افواہ اڑی کہ محمد

Marfat.com

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قتل ہو گئے تو صحابہ میں بھگدڑ پڑ گئی۔ اُس وقت اگر صحابہ کا ایک گروہ استقلال و جرات کے ساتھ دفاع نہ کرتا تو بری شکست ہوتی۔

خود صحابہ کو اپنی اس کمزوری کا ہمیشہ احساس رہا چنانچہ جب دورِ فاروقی میں حضرت عمر کے صاحبزادے نے ایک بدری کے بیٹے کے برابر حصہ طلب کیا تو حضرت عمرؓ نے یہ جواب دیا تھا کہ غزوۂ احد میں تیرا باپ میدان چھوڑ گیا تھا مگر اُس کا باپ ثابت قدم رہا تھا۔ حضرت عمر بھاگنے والوں میں سے ہی تھے یہ روایت بلاذری نے انساب الاشراف میں دو ذرائع سے دی ہے۔ لیکن دوسری روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نہ ان صحابہ میں تھے جو ثابت قدم رہ کر لڑتے رہے اور نہ ان میں تھے جو بھاگ گئے بلکہ اُس گروہ میں تھے جو رسول اللہ کی شہادت کی خبر سُن کر مایوسی کے عالم میں ہتھیار ڈال کر بیٹھ گئے تھے مگر جیسے ہی اطلاع ملی کہ رسول اللہؐ زندہ ہیں تو دوڑ کر اُن کے پاس آ گئے۔

ان واقعات کی تہ میں خواہ کچھ بھی محرکات ہوں مگر جنگ احد کے واقعات سے اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ بدر سے احد تک وقت کی رفتار اور حالات کی تبدیلیوں نے صحابیت کے معیار کو کچھ نہ کچھ ضرور گرا دیا تھا۔ اُحد کے وقت بھی صحابہ کا سماج تاریخ کے صفحات میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا مگر جیسے جیسے تعداد صحابہ بڑھتی جاتی تھی معیار صحابیت میں فرق آتا جاتا تھا۔

غزوۂ احد کے وقت صحابہ کی تعداد کتنی تھی اس کا اندازہ مشکل ہے۔ جنگ احد میں سات سو صحابہ شریک بتائے جاتے ہیں مگر بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے صحابہ بھی کافی تھے جو احد کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ یہ بھی ایک لحاظ سے معیار کا تنزل تھا کیونکہ بدر میں تقریباً سب ہی صحابہ میدان جنگ میں آ گئے تھے۔ صرف ایک عثمانؓ ایسے تھے جن کو بعض بیماریوں کی خاطر مدینہ میں

Marfat.com

چھوڑ دیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ جس طرح کفار کے لشکر کی تعداد بدر میں زیادہ تھی اسی طرح احد میں بھی تھی۔ کفار کی فوج تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ اسلامی لشکر کی تعداد صرف سات سو تھی جس میں دو سو سوار اور صرف ایک سو زرہ پوش تھے۔ ظاہر ہے کہ مزید صحابہ کو اس وقت آنا چاہیئے تھا اگر بدر والا معیار موجود تھا۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک سات سو سے زیادہ صحابہ ہو چکے تھے۔ بخاری میں حسب ذیل حدیث ملاحظہ ہو:۔

"حذیفہ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے لوگ دائرہ اسلام میں آچکے ہیں ان کے نام لکھو چنانچہ ہم نے ایک ہزار پانسو مردوں کے نام لکھے پھر ہم نے اپنے دل میں کہا کہ کیا اب بھی ہم اپنے دلوں میں کافروں کا خوف کریں حالانکہ ہم ایک ہزار پانچ سو مرد ہیں۔ پھر بے شک ہم نے دیکھا کہ ہم مبتلا کر دیئے گئے یہاں تک کہ کوئی آدمی مارے خوف کے تنہا نماز نہ پڑھتا تھا"

"اعمش کی روایت میں یہ تعداد پانچ سو اور ابو معاویہ کی روایت میں چھ سو اور سات سو کے درمیان" ہے

اگرچہ بخاری کی ان روایتوں میں تعداد کا اختلاف ہے جس میں اتفاق پیدا [کر]نے کے لئے محدثین نے موشگافیاں کی ہیں کیونکہ وہ بخاری کی کسی حدیث کو بھی اتفاقی [ط]ور سے غلط ماننے کے لئے تیار نہیں۔ صحیح مسلم میں مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم ہے۔ [ہمی]ں یہاں نہ ہمیں اس اختلاف سے بحث ہے کہ تعداد کتنی تھی اور نہ محدثین کے اس [اخت]لاف سے چنداں مطلب ہے کہ مسلموں کی یہ مردم شماری کس وقت ہوئی تھی۔ [بہرحال] جنگ احد میں مجاہدین کی تعداد سات سو تھی لہذا پانسو اور چھ سو سے سات سو

سو تک والی روایتوں کو نظر انداز کر کے ایک ہزار پانچ سو والی روایت پر توجہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ مسلم شماری جنگ احد کے وقت، یا غزوۂ خندق کے وقت، یا صلح حدیبیہ کے وقت ہوئی تھی مگر ان تینوں تعدادوں کو غزوۂ خندق اور صلح حدیبیہ کے حالات کے منافی سمجھتے ہوئے اسی روایت پر توجہ کرتے ہیں جس میں اسے جنگ احد کے زمانہ میں بتایا گیا ہے۔

بہر کیف یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اگرچہ قریش پورے انتظامات اور پوری طاقت کے ساتھ اسلام کو مٹانے یا بدر کا انتقام لینے آئے تھے مگر مسلمانوں میں سے ایسے بہت تھے جو میدان جنگ میں نہیں آئے۔ یعنی صحابیت کا معیار کافی گرنے لگا تھا۔ ابتدائی دور کے صحابہ کا سا جوش بعد میں آنے والے صحابہ میں نہیں تھا۔

جنگ احد میں جو نقصان مسلمانوں کو پہنچا وہ ان ہی دوسرے درجہ کے صحابیوں کی پست معیاری کے باعث پہنچا جہاں رسول اللہ نے تیر اندازوں کو تعینات کیا تھا وہاں ہدایات بالکل واضح دی گئی تھیں۔ ان پچاس تیر اندازوں کے سردار عبد اللہ بن جبیر تھے۔ جب یہ اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کے لئے جانے لگے تو ان کے سردار عبد اللہ بن جبیر نے اُن کو متنبہہ کیا کہ رسول اللہ نے ہماری ڈیوٹی یہاں مقرر کر کے ہدایت کر دی ہے کہ کسی حال میں بھی یہاں سے نہ ہٹیں۔ بخاری کی حدیث میں یہ تمام تصریحات موجود ہیں۔ مگر عبد اللہ بن جبیر کی اس تنبیہہ کے باوجود یہ تیر انداز جو سب صحابی تھے، لوٹ میں مصروف ہو گئے اور اس اہم مورچہ کو خالی پا کر خالد نے (جو اُس وقت کفار میں تھے)، ایک دستہ کے ساتھ اسلامی لشکر کے عقب پر اچانک حملہ کر دیا اور فتح شکست میں بدل گئی۔ اگر یہ تیر انداز دھکور لکھا جاتا ہے کہ یہ صحابی تھے اور ان میں صحابیت کے وہ اوصاف پائے جاتے

تھے جن پر تمام محدثین کا اتفاق ہے) ہدایات پر عمل کرتے اور لوٹ کی لالچ میں نہ آتے تو نہ رسول اللہ زخمی ہوتے، ورنہ متعدد جلیل القدر صحابہ شہید ہو سکتے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان صحابہ کا یہ طرزِ عمل قابلِ مذمت نہیں اور کیا اس کو مؤرخین، محدثین اور سیرت نگار نظر انداز کر دیں گے۔ اور اُن لوگوں کی عقل پر توماتم کرنا چاہیئے جنہوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑ کے یہ اصول قائم کر لیا کہ کسی صحابی کی بھی تقلید کرو تو ہدایت کے لئے کافی ہے (بایہم اقتدیتم اهتدیتم) اس کے یہ معنی ہوں گے کہ غزوۂ احد کے ان تیر انداز صحابیوں کا یہ خطرناک فعل بھی قابلِ تقلید ہے۔ اس موضوع حدیث کی بحث آگے آئے گی۔ یہاں تو ہم صرف اتنی حقیقت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ صحابیت کا معیار بحیثیت مجموعی بدر سے احد تک کتنا گر گیا۔

دورِ اوّل کے صحابہ کا معیار بلند تھا پھر جیسے جیسے نیا عنصر آتا گیا کچھ نہ کچھ اثر معیار پر پڑتا گیا لیکن بحیثیت مجموعی سماجی نمونہ اب بھی بہترین اور عدیم المثال تھا۔ صرف انفرادی مثالیں ایسی ملنے لگیں جن کے اعمال پر تنقید کی جا سکتی تھی۔ اور تنقید کی ترازو میں ان کو تولنے پر یہ ہلکے ثابت ہوتے تھے۔

ذیل کی حدیث میں ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے۔ یہ سب سے الگ ہے:۔

> "ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو آپ نے ایک شخص کو منجملہ اُن لوگوں کے جو اسلام کا دعویٰ کرتے تھے فرمایا کہ یہ دوزخیوں میں سے ہے۔ چنانچہ جب جنگ شروع ہوئی تو اُس نے بہت سخت جنگ کی پھر وہ زخمی ہوا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ جس شخص کی نسبت آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخیوں میں سے ہے اُس نے تو آج بہت سخت جنگ کی اور

Marfat.com

مرگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں گیا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں قریب تھا کہ بعض لوگ شبہ کریں کہ یکایک کسی نے کہا وہ ابھی نہیں مرا بلکہ اُس کے سخت زخم لگا ہے۔ پھر جب رات ہوئی تو وہ زخم کی تکلیف پر صبر نہ کرسکا اور اُس نے خودکشی کرلی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر میں شہادت دیتا ہوں اس امر کی کہ میں خدا کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں۔ بعد اس کے آپ نے بلال کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کردیں کہ جنّت میں سوائے مسلم کے کوئی داخل نہ ہوگا اور اللہ اس دین کو فاجر آدمی سے بھی مدد پہنچاتا ہے"

(بخاری۔ کتاب الجہاد)

اس حدیث کے کئی پہلو قابل توجہ ہیں۔ اوّل یہ کہ جس "فاجر" کا اس حدیث میں ذکر ہے اُس نے تکلیف کے باعث صرف خودکشی کی تھی جو گناہ کبیرہ ہے مگر اسلام سے ارتداد کا فیصلہ نہیں کیا تھا لیکن اُس کے دوزخی ہونے کے ساتھ ہی رسول اللہ نے یہ تصریح فرمائی کہ جنّت میں سوائے مسلم کے اور کوئی نہیں جائے گا۔ گویا کہ خودکشی کے گناہ کبیرہ کے باعث وہ ایک مجاہد مسلمان ہونے کے باوجود کافر ہوگیا۔

یہ ایک صحابی تھا اور صحابی بھی ایسا جس نے اسلام کے لئے جہاد میں شجاعت کا مظاہرہ کیا تھا مگر آخر وقت کے فعل نے اسے دوزخ کا مستوجب ٹھہرا دیا۔ اس سے اُن "صحابہ" کی حالت کا اندازہ کیجئے جو عہد رسول میں تو خاموشی کے ساتھ نماز روزہ ادا کرتے تھے مگر عہد رسالت کے بعد اُن کا طرز عمل خلاف تعلیمات اسلام ہوگیا تھا۔ کیا ان کا دوزخ میں جانا بعید از قیاس ہوگا؟ کیا یہی لوگ وہ "صحابہ" نہیں ہوسکتے جن کے دوزخ میں جاتے وقت رسول اللہ انہیں پہچان کر چلائینگے

Marfat.com

کہ "میرے اصحاب میرے اصحاب انہیں دوزخ میں کہاں لئے جاتے ہو!" اور جواب ملے گا کہ تمہیں نہیں معلوم کہ تمہاری وفات کے بعد یہ کس طرح اصول اسلام سے پھر گئے تھے۔

ایک ایسے آدمی کے لئے جو رسول اللہ کی صحبت میں رہا، اسلام کے لئے نہایت جوش اور بہادری کے ساتھ جہاد کیا مگر خودکشی سے مر گیا "صحابی" کا لفظ استعمال ہوگا یا نہیں؟ صحابی کی اصطلاح کا اطلاق صرف اُن لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے بقول امام بخاری "رسول اللہ کو دیکھا یا صحبت اٹھائی اور مسلم مرا" اس تعریف کے تحت یہ "فاجر" آتا ہے یا نہیں اس سوال کا جواب مشکل ہے۔

بہر حال یہ بھی ایسے صحابہ کی قسم ہے جن کا انجام یہ ہوا کہ وہ دوزخ میں گئے اگرچہ اُن سے اسلام کو فائدہ بھی پہنچا ہو۔

چونکہ یہ واقعہ عہد رسالت کا ہے اس لئے رسول اللہ کی موجودگی کے باعث سارا معاملہ صاف ہو گیا لیکن ایسے صحابی ہو سکتے ہیں جن کا طرز عمل رسول اللہ کی زندگی میں اچھا ہو مگر وفات کے بعد ان صحابیوں کے قابل اعتراض اعمال بعض لوگوں کے نزدیک واضح ہو جائیں اور بعض کے نزدیک واضح نہ ہوں اور اُن کے متعلق اختلاف پیدا ہو جائے۔ یہ واضح رہے کہ حدیث کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ جب اُس صحابی کی موت کی خبر ملی تو صحابہ کو خود رسول اللہ کے بیان کی صداقت پر شبہ ہونے لگا تھا کیونکہ اطلاع یہ تھی کہ وہ اسلام کے لئے قتال کرتے کرتے مر گیا۔ صحابہ اُس کے دوزخی ہوتے پر شبہ کرنے لگے حالانکہ رسول اللہ اُسے دوزخی بتا چکے تھے۔ بخاری کی حدیث کے الفاظ ہیں فکاد بعض الناس ان یرتاب (بعض لوگ شک کرنے لگے) مگر جب دوسری صبح خبر آئی کہ وہ میدان جنگ میں مرا نہیں تھا بلکہ صرف زخمی ہوا تھا اور رات میں زخم کے درد کی تاب نہ لاکر

Marfat.com

خودکشی کرکے مرگیا تو یہ نئی خبر جس نے اُس کے دوزخی ہونے کا ثبوت پیش کردیا سُن کر حضور کہہ اُٹھے[1]

اللہ اکبر اشھد انی عبداللہ ورسولہ — اللہ اکبر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں (کتاب الجہاد)

اس حدیث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اکابر صحابہ کسی فاجر کے دوش بدوش اسلام کے لئے جہاد کریں تو اس سے فاسق و فاجر رفیق کو بلا لحاظ اعمال کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوجاتی۔ مثلاً یزید بن معاویہ کے بعض حامی اس بنا پر اُس کی فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری جیسے جلیل القدر صحابی نے یزید کے ساتھ قسطنطنیہ کے جہاد میں شرکت کی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فاجر کے ساتھ جلیل القدر صحابہ بھی تھے مگر وہ دوزخی ثابت ہوا۔

اگر آپ کہیں کہ یزید اُس لشکر کا سردار تھا جس میں حضرت ایوب انصاری شریک تھے۔ تو ایسی احادیث بھی ہیں جن سے فاسق و فاجر کی سرداری بھی نیک لوگوں کو قبول کرنی پڑتی ہے۔

یہ سرداری دینی عظمت کے اصول پر صرف ابتدائے اسلام میں ہوتی تھی لیکن بعد میں اسلامی حکمراں نالائق اور اسلامی لحاظ سے پست درجہ کے لوگوں کو قرابت یا جماعت بندی کے اصول پر سردار بنانے لگے۔ کسی علاقہ کا گورنر، کسی فوج کا جنرل، یا نماز و حج کا امام بنانے میں دینی عظمت کو نظر انداز کرنے لگے۔ یزید کو بھی معاویہ نے قسطنطنیہ کی مہم میں امیر لشکر بناتے ہوئے یزید کے فسق و فجور

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض باتیں مستقبل کی معلوم ہوجاتی تھیں مگر سب نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ یہ بحث اعلام نبوۃ کے ذیل میں آئیگی۔

Marfat.com

کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا۔

یزید کا فسق و فجور تو ایک مسلمہ حقیقت ہے مگر معاویہ کے بارے میں بعض لوگوں کو اختلاف ہے۔ مگر ذیل کی حدیث میں ایک جلیل القدر صحابی کے جذبات معاویہ کے متعلق پڑھئے۔ اس میں عبادہ بن صامت انصاری معاویہ کی سرکردگی میں روم کے خلاف ایک جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔ وہ معاویہ کو اچھا آدمی نہیں سمجھتے مگر اس کے باوجود معاویہ کی سرکردگی میں جہاد میں ضرور شریک رہتے ہیں حدیث ملاحظہ ہو۔

ان عبادۃ بن الصامت الانصاری النقیب صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزا مع معاویہ ارض الروم فنظر الی الناس وھم یتبایعون کسر الذھب بالدنانا وکسر الفضۃ بالدراھم فقال ایھا الناس انکم تاکلون الربا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتبتاعوا الذھب بالذھب الامثلاً بمثل لازیادۃ بینھما ولا نظرہ فقال لہ معاویۃ یا ابا الولید لااری الربا فی ھذا الاما کان من نظرۃ فقال عبادۃ احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ

عبادہ بن صامت انصاری نقیب اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ میں معاویہ کے ساتھ شریک ہوئے جو ارض روم میں ہوئی انہوں نے دیکھا کہ لوگ سونے کے ٹکڑے دیناروں اور چاندی کے ٹکڑے درہموں سے خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ انہوں (عبادہ) نے کہا اے لوگو تم تو سود کھا رہے ہو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مت خرید و فروخت کرو سونے کی سونے سے مگر یہ کہ برابر وزن میں ہو نہ اس میں زیادتی ہو نہ ادھار معاویہ نے عبادہ سے کہا اے ابا ولید میری رائے میں یہ سود نہیں

علیہ وسلم رتحل ثنی عن ر ایک لئن اخرجنی اللہ لا اساکنک بارض لک علی فیھا امرۃ فلما قفل لحق بالمدینۃ (ابن ماجہ[1])

ہے سوائے اس کے کہ ادھار ہو۔ عبادہ نے کہا میں تو رسول اللہ کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم اس کے مقابل مجھے اپنی رائے بتا رہے ہو اگر اللہ نے مجھے بچایا تو اس سرزمین میں نہیں رہونگا

جس میں مجھ پر تمہاری حکومت ہو جب وہ لوٹے تو مدینہ چلے گئے۔

حدیث میں مزید ہے کہ جب عبادہ بن صامت مدینہ آ گئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ کیوں آ گئے تو عبادہ بن صامت نے سارا واقعہ سُنایا جس پر حضرت عمر نے اُن سے درخواست کی کہ آپ واپس جائیے آپ نہ ہوں گے تو اس کی برکت جاتی رہیگی اور معاویہ کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ وہاں رہیں گے تم ان پر تمہارا اقتدار نہ ہوگا۔

عبادہ بن صامت بڑے جلیل القدر صحابی تھے نقبا اور بدریوں میں سے ہیں انہوں نے معاویہ کے متعلق ایسی بری رائے قائم کی مگر اُن کے لشکر سے الگ نہیں ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی جلیل القدر صحابی کا کسی پست مرتبہ کے امیر کی قیادت میں جہاد کرنا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ امیر لشکر قابل احترام ہے۔ اس طرح حضرت ابو ایوب انصاری نے اگر یزید کے ماتحت کسی جہاد میں شرکت کی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابو ایوب یزید کو اچھا آدمی سمجھتے تھے۔

ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط قسم کے امیروں اور اماموں نے جگہ جگہ اپنا اقتدار قائم کرنا شروع کر دیا تھا یہاں تک کہ بعض صحابہ اُن کے پیچھے نماز بھی صرف خوف کے باعث پڑھتے تھے ورنہ اصل نماز الگ پڑھ لیتے تھے۔ یہ حدیث ملاحظہ ہو

---

[1] سنن ابن ماجہ میں یہ دوسرا ہی باب ہے۔ تعظیم حدیث رسول اللہ والتغلیظ علی من عارضہ

عن حذیفہ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکتبوا الی من تلفظ بالاسلام من الناس فکتبنا لہ الفا و خمسمائۃ رجل فقلنا یخاف ونحن الف وخمسمائۃ فلقد رائیتنا ابتلینا حتی ان الرجل لیصلی وحدہ و ھو خائف

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لئے اُن لوگوں کے نام لکھ دو جو اسلام لائے۔ ہم نے ان کو ڈیڑھ ہزار کی فہرست تیار کردی۔ ہم کہنے لگے کہ کیا اب بھی ہم ڈریں گے جبکہ ڈیڑھ ہزار ہیں مگر ہم امتحان میں ڈال دیئے گئے یہ حالت ہوئی کہ ڈر کے مارے آدمی اکیلا نماز پڑھتا تھا۔

بخاری کی اس حدیث میں "ڈر کے مارے اکیلا نماز پڑھنے" کی تشریح میں ابن حجر عسقلانی نے یہ بتایا ہے کہ عہد خلافت عثمانؓ کے آخری حصہ میں بعض ایسے لوگ امیر بنا دیئے گئے تھے مثلاً کوفہ میں ولید بن عقبہ جو نماز بہت دیر سے پڑھتے تھے یا ٹھیک طرح نہیں پڑھتے تھے تو بعض محتاط لوگ اپنی نماز خفیہ طور سے علیحدہ پڑھ لیتے تھے اور امیر کے پیچھے بھی اس ڈر سے شریک ہوجاتے تھے کہ عدم شرکت سے امیر کے معتوب نہ ہوں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اپنی خلافت کے آخری دور میں خود حضرت عثمان نے سفر میں پوری نماز شروع کردی تھی اور بعض لوگ قصر کرتے تھے تو انکار کے خوف سے ایسا خفیہ طور کرتے تھے"

اس حدیث سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا صحابہ کی صحابیت کا معیار گرتا گیا۔ اُن کے اثر و اقتدار میں اتنی کمی آگئی کہ امرا کے خوف سے وہ نمازیں تک خفیہ ادا کرنے لگے کیونکہ جس طرح وہ ادا کرنا چاہتے تھے اس طرح علانیہ نماز ادا کرنے میں خطرات تھے۔

ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ سے امرا میں خصوصاً نقص پیدا ہوا اور صحابہ کا اثر معاویہ کے زمانہ میں بہت مجروح ہوگیا۔

Marfat.com

(۲)

فتح مکّہ کے بعد انقلاب

جنگ بدر کے نتیجہ میں اسلام دنیا میں ایک سیاسی طاقت کی حیثیت سے ابھرا اور قریش نے پہلی بار محسوس کیا کہ اب سوال محض بتوں کی پرستش کا نہیں ہے اور اللہ اکبر یا لا الٰہ الا اللہ کے نعرے صرف بتوں کے اقتدار کو ہی چیلنج نہیں کرتے بلکہ قریش کے اقتصادی و سیاسی اقتدار کے لئے بھی خطرناک چیلنج ہیں۔

نہ صرف قریش نے یہ محسوس کیا بلکہ روم اور ایران کی سلطنتوں نے بھی یہ اندازہ کیا کہ اسلام کی نئی طاقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

قریش کے مذہبی۔ اقتصادی اور سیاسی اقتدار کو فوری خطرہ تھا اس لئے قریش نے اسلام کو ختم کرنے کے تمام ممکن اقدامات کئے۔ ان اقدامات کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ قیادت بنی امیہ کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ قیادت اپنی مخالفانہ سرگرمیوں میں ناکام رہی اور شکست کے بعد شکست کھا کر اس نے فتح مکہ کے دن ہتھیار ڈال دیئے

اگر مکہ پر اسلامی حملہ کا پلان راز میں نہ رکھا جاتا اور قریش کو دفاع کا موقع مل جاتا تو بڑی خونریز جنگ ہوتی مگر بنو امیہ کو اس فوج کشی کا علم اس وقت ہوا جبکہ اسلامی فوج شہر کے سامنے پہنچ چکی تھی اور ابو سفیان کے لئے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ مکہ بغیر جنگ کے فتح ہو گیا۔ سوائے ایک معمولی جھڑپ کے جو ایک سڑک پر ہو گئی تھی مکہ والے بالکل مقابلہ نہ کر سکے۔

فتح مکہ نے صحابیت کے معیار کو یکایک گرا دیا۔ جنگ بدر کے بعد سے دائرہ اسلام میں وہ لوگ خال خال آنے لگے تھے جن کے پیش نظر دینی فوائد سے زیادہ دنیوی فوائد تھے۔ جیسے جیسے اسلامی طاقت بڑھتی گئی ایسے لوگوں کی بھرتی کی رفتار میں ترقی ہوتی گئی۔ تاہم فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونے والوں میں مخلصین کی تعداد کافی تھی اور صحابیت کا معیار گرا ضرور مگر نہ اس قدر کہ یہ گراوٹ عوام کو محسوس ہو۔ صرف خاص خاص اہل نظر اس کا جائزہ لے سکتے تھے۔ دراصل دور اول کے مہاجرین و انصار کی امتیازی شان پر زور دینے کی ضرورت ہی اس لئے پیدا ہوئی کہ بعد کے آنے والے صحابہ نے صحابیت کا عام معیار گرا دیا تھا۔

لیکن فتح مکہ نے تو صحابہ کی صفوں میں ریل پیل کر ڈالی۔ ہزار ہا نئے صحابہ آ گئے جو یا تو لاچار ہو کر آئے تھے اور یا دنیوی فوائد حاصل کرنے کی نیت سے مسلمان ہوئے تھے۔ یہ شہر مکہ کی ساری آبادی کے دلوں میں یکایک نور ایمان نہیں پیدا ہو گیا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ ہزاروں انسان ریاکاری سے دائرہ اسلام میں آئے تھے مگر یہ ظاہر ہے کہ آج کل کے مسلمانوں کے ذہن میں صحابیت کا جو تصور ہے یہ لوگ اس کے حامل نہیں تھے اگرچہ انہوں نے کوہ صفا پر رسول اللہ کے دست مبارک پر ہی بیعت کی تھی۔ اس بیعت میں اور ابتدائی دور کے صحابہ کی بیعت میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اور یہ بات عیاں ہے کہ انہوں نے صحابیت کا معیار گرا دیا۔

بعض خاص وجوہ سے بنی امیہ کے لوگ بالکل بادل ناخواستہ مسلمان ہوئے تھے۔ یہ خاص وجوہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ان کی قیادت ختم ہوتی تھی۔ ابو سفیان مکہ کا سب سے مقتدر سردار تھا۔ اُس کے خاندان کو اس کا گہرا احساس تھا۔

(۲) قیادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتقل ہو رہی تھی جو بنی اُمیہ کے

کے رقیب بنی ہاشم سے تعلق رکھتے تھے۔

(۳) اقتدار کا مرکز مکہ سے مدینہ کو منتقل ہو رہا تھا۔

(۴) قریش کے مقابلہ میں انصار مدینہ کو فضیلت مل رہی تھی

(۵) مذہب آبا و اجداد ختم ہو رہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان باتوں کا اندازہ تھا اور آپ کی خواہش تھی کہ بغیر خونریزی کے انقلاب ہو جائے اس لئے آپ نے ہر قسم کی مراعات دیں اور سب سے زیادہ رعایت بنی امیہ کے خاندان کو اسلئے دی کہ اسی خاندان سے سب سے زیادہ خطرہ تھا۔ تاریخ و حدیث کی کتابوں میں حضرت عباس کی یہ سفارش موجود ہے کہ یا رسول اللہ ابو سفیان شہرت پرست آدمی ہے اس کے لئے کوئی ایسا حکم دید یجئے جس سے یہ خوش ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کر دیا کہ جو ابو سفیان کے مکان میں داخل ہو جائیگا اُسے بھی پناہ ہے

لیکن خاص بات یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہی جنگ حنین میں مال غنیمت ملا تو ابو سفیان اور اُس کے خاندان کو رسول اللہ نے "مولفۃ القلوب" قرار دیا یعنی یہ فیصلہ کیا کہ یہ لوگ اسلام میں تازہ وارد ہیں اور ایسے حالات میں اسلام قبول کیا ہے کہ ان کو ایمان کی مضبوطی کے لئے تالیف قلوب کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مال غنیمت میں سے ان کو خاص حصہ مؤلفۃ القلوب کی حیثیت میں دیا۔ احادیث میں اس کا خاص تذکرہ موجود ہے۔ اس تذکرہ میں ابو سفیان اور معاویہ کے نام نمایاں ہیں۔ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں

والمراد بالمؤلفۃ ناس قریش اسلموا یوم الفتح اسلاماً ضعیفا وقیل کان منھم من لم یسلم	مولفۃ سے مطلب قریش کے وہ لوگ ہیں جو فتح (مکہ) کے دن کمزور اسلام کے ساتھ مسلمان ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ

ل کصفوان بنی امیہ (فتح الباری)	اُن میں وہ بھی شامل ہیں جو صفوان بن اُمیہ کی طرح ایمان لائے

یہ لوگ جو ضعیف ایمان کے ساتھ اسلام لائے صحابہ کے زمرہ میں آ گئے ران میں سے بعض معاویہ کی طرح ایسے بھی ہیں جن کو مسلمانوں نے خوش عقیدگی ے باعث "جلیل القدر صحابہ" کا مرتبہ بھی دیدیا۔ اور ان میں سے کتنے ہی ایسے ، جن سے احادیث روایت کی گئیں اور اُن کو "الصحابۃ کلھم عدول کے دل میں لاکر روایت حدیث کے بارے میں "عدول" قرار دیدیا گیا۔ اب اہل ت اور اہل حدیث میں اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام صحابہ عدول ہیں اور ں روایت کے راویوں کے ثقہ ہونے کی چھان بین صرف تابعین تک ہو سکتی ہے ابہ ایسی چھان بین سے بالاتر ہیں۔ ان کے نزدیک ایک صحابی بھی موضوع حدیث نہیں ان کر سکتا۔

فتح مکہ کے یہ "صحابہ" جو بقول ابن حجرؒ اسلاماً ضعیفاً کے ساتھ اسلام لائے تھے رسول اللہ کی صحبت سے بھی کافی استفادہ نہ کر سکے کیونکہ ۸ھ رمضان میں مکہ ح ہوا اور ربیع الاول ۱۱ھ میں رسول اللہ کی وفات ہو گئی اس مختصر مدت میں بھی ں غزوات ہوئے اور ابوسفیان و معاویہ مسلمان ہوتے ہی رسول اللہ کی صحبت میں میں آ گئے تھے بلکہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سوسائٹی نے کچھ عرصہ ت ان کو قبول نہیں کیا بلکہ ان کا بائیکاٹ رکھا۔ صحیح مسلم کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

حدثنا اصل میل حدثنی	ابوزمیل ابن عباس سے روایت کرتے
بن عباس قال قال کان المسلمون	ہیں انہوں نے کہا کہ مسلمان (نفرت کے
لاینظرون الی ابن سفیان و	سبب) نہ ابی سفیان کی طرف دیکھتے اور نہ
لایقاعدونہ فقال للنبی صلی اللہ	اُس کے ساتھ بیٹھتے پس ابو سفیان نے

Marfat.com

علیہ وسلم یا نبی اللہ ثلاث اعطنیھن قال نعم قال عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبۃ بنت ابی سفیان ازوجکھا قال نعم قال ومعاویۃ تجعلہ کاتبا بین یدیک قال نعم قال وتؤمرنی حتی اقاتل الکفار کما کنت اقاتل المسلمین قال نعم قال ابو زمیل ولولا انہ طلب ذلک من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اعطاہ ذلک لانہ لم یکن یسئال شیئا الا قال نعم۔

صحیح مسلم
(کتاب الفضائل)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ میری تین باتیں قبول فرمائیے۔ حضور نے فرمایا "ہاں" اس نے کہا کہ میرے میری بیٹی عرب کی سب سے زیادہ حسین وجمیل عورت ہے میں اُس کو آپ کی زوجیت میں دیتا ہوں آپ نے فرمایا "اچھا" پھر کہا میرے بیٹے معاویہ کو کاتب بنا لیجئے آپ نے فرمایا "اچھا" پھر کہا کفار سے اسی طرح قتال کا حکم دیجئے جس طرح میں مسلمانوں سے قتال کیا کرتا تھا حضور نے فرمایا "اچھا" ابو زمیل کہتے ہیں کہ اگر ابو سفیان یہ باتیں طلب نہ کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے نہ دیتے۔ حضور کی عادت تھی کہ اُن سے کوئی چیز مانگی جاتی تو وہ "ہاں" (نعم) فرما دیا کرتے تھے۔

ہم نے اس حدیث پر جو بحث اپنی کتاب "معاویہ ویزید" میں کی ہے اسی کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

"اگرچہ اس حدیث میں واقعاتی اعتبار سے اندرونی تردید موجود ہے اور ماہرین فن حدیث میں بعض نے اس کی صحت قبول کرنے میں تامّل کیا ہے لیکن چونکہ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں اسے شامل کیا ہے اور اس کے راوی بھی ثقہ مانے جاتے ہیں لہذا اہلسنت نے اسے صحیح تسلیم کر کے اس کے پیش کردہ واقعات کی تاویل کر دی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی ام حبیبہ کا نکاح

لی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کے اسلام میں...... آنے کے بعد ہوا حالانکہ
بھی حقیقت ہے کہ اُن کا نکاح فتح مکہ سے پہلے ہو چکا تھا اور ابوسفیان فتح مکہ
سلمان ہوا۔ اس واقعہ کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ ابوسفیان نے جو رسول اللہ
اپنی بیٹی سے نکاح کرنے کی درخواست کی ہے تو اس سے یہ مطلب ہے کہ
نکاح کریں کیونکہ پہلا نکاح ابوسفیان کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔ ابن خرم نے
ویل کو رد کر کے حدیث کو موضوع بتایا ہے۔ لیکن اس زبردست نقص کے
حدیث صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور تاویل کو اس لئے قبول کرلیا جاتا ہے کہ
ان سے چونکہ لوگ نفرت کرتے تھے اور اُس کا بائیکاٹ کر رکھا تھا لہذا
نے یہ تدبیر سوچی تھی کہ تجدید نکاح کے ذریعہ مسلم سوسائٹی میں اپنا وقار قائم
ے۔

حدیث کے اس پہلو سے قطع نظر کر لیجئے تو کتاب کے موضوع کے متعلق چند
ں سامنے آتی ہیں۔

اول یہ کہ ابوسفیان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی عہد
کے مسلمانوں نے دراصل اُسے سوسائٹی میں قبول نہیں کیا تھا۔ اس سے
ہوتا ہے کہ انصار و مہاجرین کے نزدیک اُس کا اسلام مشتبہ تھا لہذا بعض
یہ استدلال صحیح ہے کہ جب فتح مکہ میں رسول اللہ نے کسی کا اسلام قبول کرلیا تو
کے خلاف آئندہ شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ دلیل اُن لوگوں کے
یں استعمال کیجاتی ہے جو کہتے ہیں کہ ابوسفیان معاویہ وغیرہ کا ایمان بصدق نیت
تھا بلکہ حالات جبر و دباؤ نے انہیں اسلام میں آنے پر مجبور کیا تھا اور انہوں
براً و قہراً اسلام قبول کیا تھا۔ اس حدیث نے جو اہل سنت کی صحیح ترین کتب
ں میں سے ایک کتاب ہے یہ ثابت کردیا ہے کہ مہاجرین و انصار ابوسفیان سے نفرت کرتے

تھے اور اُس کے دائرہ اسلام میں آنے کے بعد بھی بائیکاٹ کرتے تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیا
اُس کے خاندان کے ساتھ مراعات کا برتاؤ کیوں کیا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ
چاہتے تھے کہ اسلام کی ایک مخالف قوّت خوش اسلوبی کے ساتھ دبا دی
چونکہ ابو سفیان کا خاندان مخالفت کا سب سے طاقتور محاذ تھا اُس محاذ کو توڑ
کے لئے اس خاندان کو ایسی مراعات دی گئیں جس کا استحقاق اُسے ایمان کے م
پر نہیں تھا۔ فتح مکہ کے دن جب ابو سفیان کے گھر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وس
جائے امن قرار دیا تھا اس لئے نہیں کہ اس کے ایمان کا معیار ایسی رعایت دا
متقاضی تھا بلکہ حضور نے اپنے چچا عباس کا یہ مشورہ قبول کیا تھا کہ "یا رسول اللہ
کو اعزاز کی بہت چاہ ہے۔ اس لئے اُسے یہ عزّت دی جائے" پھر جنگ حنین
تالیف قلوب کے لئے ابوسفیان ومعاویہ کو ایک خاص حصّہ دینا۔ اسی پر دلالت
ہے اس خاندان کے ساتھ رسول اللہ کا رویہ مخالفت کے ایک محاذ کو تو
کی مصلحت کے تحت تھا۔ ساری اسلامی سوسائٹی اس مصلحت کا کافی
نہیں رکھتی تھی۔ یا یہ کہ جن کو وہ دشمنان اسلام سمجھتی تھی اُن سے میل جول
طبیعت کے تقاضوں کے خلاف تھا۔ اس لئے حدیث کی پیش کردہ صورت
نفرت ومغائرت پیدا ہوتی تھی

ابو سفیان چونکہ نہایت عیار تھا اُس نے اسلامی سوسائٹی میں اپنی
کو بحال کرنے کا وہ طریقہ نکالا جو حدیث میں موجود ہے۔ اس امر کا ا
ہے کہ اُس نے اپنی بیٹی کے تجدید نکاح کی بھی صورت تجویز کی ہو
نے بھی یہ لکھا ہے کہ اپنی بیٹی اُمّ حبیبہ کے اس نکاح کو جو اُس کی خلا
ہوا تھا وہ اپنے مرتبہ کی توہین خیال کرتا تھا۔

Marfat.com

اب رہا سوال معاویہ کو رسول اللہ کا کاتب مقرر کرانا تو اس تجویز کی تہ میں جو محرکات تھے اُن کی طرف ہر طالب علم کی توجہ مبذول ہو گئی۔ ابو سفیان اور معاویہ کی زندگی پر ایک ناقدانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تجویز میں یہ مقصد ہو سکتا ہے کہ ایک کلیدی جگہ پر قبضہ کیا جائے جہاں نظام حکومت کے راز معلوم ہو سکتے ہیں اور غالباً اُسی لئے معاویہ وحی کی کتابت نہیں کرتے تھے۔ صرف عرب سرداروں اور رسول اللہ کے درمیان ہونے والی کتابت کا کام انہوں نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

بہرحال اوّل تو فتح مکہ کے بعد یہ دور بہت ہی مختصر تھا جس میں کسی سازش کی بجٹ ویز ممکن نہیں تھی۔ دوسرے رسول اللہ کو تمام اہم مسائل میں ہدایات وحی حاصل تھیں۔ اس خاندان کو کامیابی نہیں ہو سکی۔ لیکن بعض کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے فوراً بعد ہی ابو سفیان نے ایک پانسہ پھینکا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا اعلان ہوا تو ابو سفیان نے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ابو سفیان نے اس حقیقت کا اندازہ کر لیا تھا کہ ثقیفۂ بنی ساعدہ کے فیصلہ سے حضرت علی بھی مطمئن نہیں تھے پس وہ اُن کے پاس پہنچا اور اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہا اگر آپ مقابلہ کے لئے اُٹھیں تو زبردست طاقت آپ کی حمایت میں میدان میں لاسکوں گا لیکن حضرت علیؓ کے جذبات مسئلہ خلافت میں کچھ بھی ہوں وہ ابو سفیان کی نیت پر اعتماد نہیں کرتے تھے اس لئے انہوں نے صاف انکار کر دیا اور روایات کے مطابق نہایت سخت و درشت الفاظ استعمال کئے۔ اس کے بعد حضرت عمر کے عہد میں یہ خاندان سر نہ اٹھا سکا۔ اور خاموشی کے ساتھ اپنی پوزیشن مضبوط

Marfat.com

کرتے ہوئے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ حضرت عثمان کے خلیفہ ہوتے ہی ابوسفیان نے مشورہ دیا کہ اب جبکہ حکومت بنی امیہ میں آگئی ہے۔ ایسے طریقے اختیار کرو کہ اس خاندان سے نکلنے نہ پائے۔ حضرت عثمان نے بھی ابوسفیان کو اس مشورہ پر جھڑک دیا بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت عثمان کو مشورہ دیا کہ بنی ہاشم کے اہم آدمیوں کو قتل کر دیا جائے۔ جب حضرت عثمان نے یہ مشورہ رد کر دیا تو معاویہ نے کہا کہ اگر تم قتل نہ کروگے تو یاد رکھو یہ تمھیں قتل کر ڈالیں گے۔ یہ واقعہ بھی تاریخوں میں موجود ہے کہ جب مدینہ کے عامل نے امام حسین کو یزید کی بیعت کے لئے اپنے گھر میں بلایا تو مروان نے مشورہ دیا تھا کہ اگر بیعت نہ کریں تو اپنے گھر سے نکلنے نہ دینا بلکہ وہیں قتل کر دینا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ابوسفیان، معاویہ اور بنی امیہ کے اکثر ممتاز لیڈروں کا رویہ ایسا ہی رہا ہے کہ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کو صرف اس حد تک اپنایا جس حد تک وہ مال و دولت اور جاہ و حشمت کا ذریعہ بن سکتا تھا اور وہ بنی ہاشم سے انتقام لینے پر کارآمد ہو سکتا تھا کھلا ارتداد مقاصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا کرتا اس لئے وہ ظاہر میں اسلام کے علمبردار ہی بنے رہے۔ رسول اللہ کی ایک حدیث کی رو سے اسلام کو فاسق امام سے بھی بعض فوائد پہنچ جاتے ہیں اور ایک اور حدیث کی رو سے فاسق فقیہہ کا بھی ایک رول ہوتا ہے معاویہ کے زمانہ میں اگر کسی پہلو سے اسلام کو ترقی ہوئی تو وہ اس ضمن میں آسکتی ہے۔ عہد رسالت میں انسانی تصورات میں جس انقلاب کی بنیاد ڈال دی تھی اُس کے اثرات کو معاویہ اور اُس کے ساتھیوں نے بہت مٹانے کی کوشش کی لیکن یہ اُن کے بس کے باہر تھا کہ اسلامی انقلاب کے بڑھتے ہوئے طوفان کو بالکل روک دیتے۔ انہوں نے اسلام کے رُخِ روشن پر متعدد سیاہ

Marfat.com

داغ لگائے۔ اس کے باوجود اُس زمانہ کے دیگر ممالک کے اجتماعی نظاموں سے وہ بہتر رہا۔ لہذا اسلام کا اثر ہر چہار طرف پھیلتا رہا۔ یہ اسلام جو چار دانگ عالم میں پھیلا اگرچہ بعینہ وہ نہیں تھا جس کا جھنڈا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند کیا تھا مگر اُس کی بگڑی ہوئی صورت بھی اس وقت کی تمام صورتوں سے بہتر تھی۔ کاش معاویہ کے دستبرد سے اسلام محفوظ رہتا تو اس کی توسیع دنیا میں نہ صرف زیادہ تیز ہوتی بلکہ مشرق و مغرب میں ایک چپہ بھی ایسا نہ رہتا جو اس کی نعمت سے محروم رہ جاتا۔ نیز اُس کی رجعت قہقری جیسی آج نظر آتی ہے ممکن نہ ہوتی۔

بہر کیف گفتگو صحیح مسلم کی اس حدیث پر تھی جس کی رو سے ابو سفیان نے اسلامی سوسائٹی میں اپنی اور اپنے بیٹے معاویہ کی پوزیشن کو محفوظ کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی دنیا میں حدیث، سیرت، تفسیر اور تاریخ کا جو لٹریچر موجود ہے اُس میں ایسی شہادتیں ہزارہا ہیں جن سے بالواسطہ یا بلاواسطہ معاویہ اور خاندان معاویہ کی سازشوں کے اشارے ملتے ہیں۔ ان کی تفصیل ایک مستقل تصنیف چاہتی ہے۔ اب رہی ابو سفیان کی تیسری درخواست کہ مجھے بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح کفار سے قتال کی اجازت ملے تاکہ اسی طرح قتال کروں جس طرح مسلمانوں کے مقابلہ میں کیا کرتا تھا۔ اس درخواست سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد رسول اللہ اور مہاجرین و انصار اس پر اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے کہ میدان جہاد میں لے جائیں دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب ہوا کہ ابو سفیان اور اس کے خاندان کو اسلام پر اعتماد نہ تھا۔

حدیث کے آخر میں نہایت اہم و معنی خیز راوی کا یہ اعلان ہے کہ اگر ابو سفیان درخواست نہ کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مراعات نہ دیتے راوی نے بتایا ہے کہ حضور کی یہ عادت شریف تھی کہ ایسی درخواستوں پر "اچھا" (نعم) فرما دیا کرتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ ان درخواستوں کے قبول کرتے وقت حضور کے پیش نظر وہی مصالح تھے جو تالیف قلوب کا سبب بنتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کو بنی امیہ اور خصوصاً بنی امیہ کے اُس خاندان کی سازشوں سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے"

("معاویہ ویزید")

وہ لوگ جو صحابیت کو رسالت کے درجہ پر پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں غور کریں کہ صحابہ کا طرز عمل ابو سفیان کے ساتھ کیا تھا حالانکہ ابو سفیان ہر لحاظ سے "صحابی" تھا۔ وہ اُس سے نفرت بھی کرتے تھے اور اُس کا بائیکاٹ بھی ضروری سمجھتے تھے۔ پس یہ خیال صحیح نہیں کہ فتح مکہ میں یا اُس سے قبل و بعد جو بھی دائرہ اسلام میں آیا وہ قابل احترام ہو گیا۔ ہر حال میں عمل ہی مابہ الامتیاز ہوتا ہے۔ کسی صحابی کی عزت اُسی حالت میں کی جائے گی جب کہ وہ کتاب و سنت کا عامل ہو۔ عہد رسالت میں تو رسول اللہ کی موجودگی کے باعث وہ خاموش رہا ہو لیکن اگر بعد میں اُس کا عمل کتاب و سنت کے خلاف ثابت ہو تو اُس کے دفاع میں یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ رسول اللہ کا صحابی تھا۔

Marfat.com

فتح مکہ کے بعد ہزاروں ایسے "صحابہ" تھے جن کی زندگیوں کا حال ہمیں معلوم
...ں۔ ان سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور
...نھوں نے کوئی نمایاں کارنامہ اسلام کے لئے نہیں پیش کیا تاہم ان کے اسلام لانے
...اسلام کا اقتدار مکمل ہوا۔ اور یہ بھی ایک گونہ خدمت اسلام ہے جس کا اجر ان کو
...ت میں ملے گا۔

لیکن فتح مکہ کے بعد اسلام لانے والوں میں دو گروہ ایسے تھے جن سے اسلام
...قصان پہنچا۔ ایک وہ لوگ جو رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے۔ دوسرے
...جنھوں نے ابو سفیان و معاویہ کی قیادت میں سازش کے جال بچھائے
...ے گروہ کو شکست ہوئی اور ارتداد کی ایک لہر کے بعد اسے فنا کر دیا گیا
...ی امیہ کی سازش کامیاب ہوئی اور شام اس کا مرکز ہو گیا
...ت عمر کے زمانہ میں معاویہ کو شام میں اقتدار قائم کرنے کا موقع ملا مگر حضرت
...رعب اتنا تھا کہ معاویہ کوئی بڑی بے اعتدالی نہ کر سکا۔ لیکن حضرت عثمان
...سر اقتدار آتے ہی معاویہ نے من مانی شروع کر دی۔

تاریخوں میں اس امر کی صراحت ہے کہ ابو سفیان نے حضرت عثمان کے
...سر اقتدار آتے ہی یہ مشورہ دیا کہ اب نظام کو اس طرح چلایا جائے کہ
...دار بنی امیہ کے قبضے سے نہ جانے پائے۔ حضرت عثمان نے اگرچہ ابو سفیان
...کے مشورہ پر جھڑک دیا مگر معاویہ اور دیگر عمال نے حضرت عثمان کی کمزوریوں سے
...پورا فائدہ اٹھا کر ان کی اجازت کے بغیر ابو سفیان کے مشورہ کے مطابق
...ی شروع کر دیا۔ حضرت عثمان کی کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنے اقربا کو اکثر
...روں کے لئے ترجیح دیتے تھے، ان پر دولت برساتے تھے، اور ان کے خلاف
...ایات نہیں سماعت کرتے تھے۔ اسی اقربا پروری سے وہ حالات پیدا ہوئے

Marfat.com

جن کا نتیجہ ان کی دردناک شہادت کی صورت میں پیدا ہوا۔ وہ اقربا
کا اعتراف کرتے تھے لیکن سند میں رسول اللہ کی وہ حدیث پیش کرتے تھے
رسی کی تاکید ہے۔ حضرت عثمان خود تو السابقون الاولون میں شامل تھے۔
بنی امیہ نے ان کی اقتدا سے فائدہ اٹھایا ان میں اکثر وہ تھے جو اسلام کے ع
دیکھ کر شامل ہوئے تھے اور ان کے سامنے ذاتی مفاد تھا۔

حضرت علی اور حضرت عثمان کی ایک گفتگو تاریخوں میں ہے جس
علی نے حضرت عثمان کو معاویہ کی بے اعتدالیوں پر خاص توجہ دلائی ہے۔ حض
عثمان جواب دیتے ہیں کہ عمر نے معاویہ کو گورنر مقرر کیا تھا۔ اس پر حضرت
فرماتے ہیں کہ عمر کی بات اور تھی۔ معاویہ ان سے ڈرتا تھا اور اس کی مجا
تھی کہ کوئی نامعقول حرکت کرے مگر تمہارا معاملہ مختلف ہے۔ معاویہ تمہاری
اجازت تمہارا نام لے کر احکام جاری کر دیتا ہے اور بعد میں تم کو اطلاع دید
تم اس کو کوئی سرزنش نہیں کر سکتے۔

یہ سازش کرنے والے "صحابہ" حضرت عثمان کو بھی شام لے جانا چاہ
مگر انھوں نے مدینۃ النبی چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ وہ شہید ہو گئے مگ
بچانے کے لئے شام نہیں گئے۔

لیکن معاویہ نے بعض احادیث بھی وضع کر لی ہیں جن سے ان کے ذ
کو مدد ملتی ہے۔ مثلاً بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:۔

... عمیر بن ھانی انہ سمع معاویہ یقول سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاتزال امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لایضرھم من خذلھم ولا من	عمیر بن ہانی سے روایت ہے کہ میں نے م کہتے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سنا کہ میری امت میں سے ایک گروہ قائم رہے گا کوئی اسکی دشمنی یا مخالف

Marfat.com

هم حتی یاتیهم امر اللہ وهم
اللہ

عمیر فقال مالک بن یخامر
معاذ وهم بالشام فقال معاویة
اما مالک انه سمع
یقول وهم بالشام
(بخاری۔ باب علامات النبوۃ)

تو اسے نقصان نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے اور وہ گروہ اسیطرح امر اللہ پر قائم رہے گا عمیر نے کہا مالک بن یخامر نے کہا کہ معاذ کہتے تھے کہ وہ (امر اللہ پر قائم رہنے والے) شام میں ہوں گے پس معاویہ نے کہا یہ مالک ہیں جنھوں نے معاذ کو یہ کہتے سنا کہ وہ شام میں ہوں گے۔

یہ حدیث جس میں معاویہ نے نہایت عیاری کے ساتھ شام کی فضیلت کی عمارت
بن معاذ کا نام ڈال کر ثابت کی ہے اور اس طرح یہ اثر قائم کرنے کی کوشش کی ہے
معاویہ حق پر تھا یقیناً موضوع ہے۔ کیونکہ یہ ان متعدد حدیثوں ... ہے
سے یہ فضیلت مدینۂ منورہ کے لئے ثابت ہے۔ مدینہ کی یہ فضیلت
ہے کہ قیامت سے قبل سمٹ کر اس طرح مدینہ میں آجائے گا جس طرح سانپ سمٹ
کنڈلی بنا کر اپنے گھر پر آجاتا ہے۔ یہ بھی مدینہ کی ہی فضیلت ہے کہ دجال مدینہ
نہیں آسکے گا۔ یہ بھی مدینہ ہی کی نسبت حضور نے فرمایا ہے کہ مدینہ
مقام ہے جہاں صرف سونا رہ جائے گا اور میل کچیل وہاں سے نکل جاتا ہے
صحیح مسلم میں ایک باب ہے "ترغیب الناس فی سکنی المدینة
عند فتح الامصار (دیگر ممالک فتح ہونے کے بعد مدینہ میں سکونت کی ترغیب)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فتح الشام فیخرج من المدینة
باهلیهم یبسون والمدینة
لهم لو کانوا یعلمون ......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شام فتح ہوگا تو مدینہ سے اپنے اہل و عیال کو لے کر وہاں چلے جائیں گے حالانکہ اگر انھیں علم ہوتا تو سمجھتے کہ مدینہ ان کے لئے بہتر جگہ تھی ......

Marfat.com

اس حدیث کے اگلے حصوں میں عراق، یمن وغیرہ سے بھی مدینہ کو بہتر بتایا گیا ہے۔ شام پر مدینہ کی افضلیت اسلام میں ایک مسلّمہ واقعہ ہے اور متعدد طریقوں سے متعدد حدیثوں میں یہ افضلیت بیان کی گئی ہے۔ مدینہ کی محبت پر رسول اللہ نے زور دیا ہے۔ اور مدینہ کو اپنا حرم قرار دیا ہے۔ اس میں قتل و غارت حرام کیا ہے۔ اس میں مسجد نبوی ہے۔ جس میں نماز کا ثواب بہت زیادہ ہے جس کے لئے شد رحال کا جواز ثابت ہے۔

• لیکن معاویہ نے ایسی حدیث پیش کر دی جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حق پر قائم رہنے والوں کا گروہ آخر تک صرف شام معاویہ کی اس حدیث کو بخاری نے اسی اصول پر رکھا ہے کہ کسی صحابی کے "عادل" ہونے پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

جب الصحابۃ کلھم عدول کا اصول تسلیم کر لیا گیا تو اب یہ سوال ہی نہیں رہتا کہ معاویہ کی شہادت اس حدیث کے بارے میں خود غرضانہ شہادت ہے۔ کوئی غیر جانبدار انسان معاویہ کی ایسی روایت قبول کرنے میں تامل کرے جو عوام کے لئے معاویہ کے برسرِ حق ہونے کا ثبوت پیش کرے بلکہ ساتھ ہی یہ بتائے کہ جو معاویہ کا ساتھ دے گا وہ غالب رہے گا۔

مختصر یہ ہے کہ بنی امیہ نے فتح مکہ کے بعد صحابہ کی سوسائٹی میں فتنے کی بنیادیں قائم کر دیں۔ اور اسلام کو نقصان پہنچانے میں جہاں ان کی تلوار رہی تھی وہاں ان کی حکمت عملی کامیاب ہو گئی۔

ان کی "صحابیت" کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ اقتدار پر کسی طرح قبضہ کیا جائے۔ یہ قبضہ حاصل کرنے کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری کے راستے چھوڑ کر عیاری کا راستہ اختیار کیا۔

۳

اَصْحَابِی کَالنُّجُوْم

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کا بڑا مرتبہ ہے لیکن یہ کہنا کہ ہر صحابی فرداً فرداً بلحاظ علم و تقویٰ قابل احترام بلکہ قابل تقلید ہے صحابیت کے تصور کو حدود سے آگے بڑھانا اور اسلام کے مسلمہ اصول سے تجاوز کرنا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ صحابیت کے اس غلط تصور کو ٹکسالی بنانے کے لئے لوگوں نے احادیث گھڑ لی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی طرف ایسے اقوال منسوب کر دیے ہیں گویا کہ آپ نے ہر صحابی کو معصومیت کا سرٹیفیکیٹ دیدیا ہو۔ اسی قسم کی ایک حدیث اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے تم جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے) ہے۔ یہ حدیث اتنی مشہور ہے کہ اہل سنت میں زبان زد ہو گئی ہے۔ اور بعض علمائے کرام اسکو بنیاد قرار دے کر دھواں دھار تقریریں کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کا موضوع ہونا روایتاً و درایتاً دونوں طریقوں سے ثابت ہے ابن حجر عسقلانی کی کتاب "التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر" میں اس حدیث کے راویوں پر بحث کرنے کے بعد بتایا گیا ہے کہ یہ موضوع حدیث ہے۔

Marfat.com

یہ حدیث مختلف طریقوں سے آئی ہے مگر سب طریقے کمزور ہیں۔ ایک طریقہ حمزۃ النصبی عن نافع عن ابن عمر ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں "حمزہ ضعیف جدًا (حمزہ بہت ضعیف ہے)

دوسرا طریقہ جمیل بن زید عن مالک عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر کا ہے اس طریقہ سے دارقطنی میں ہے۔ ابن حجر لکھتے ہیں "جمیل لایعرف ولا اصل لہ (جمیل غیر معروف ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے)

تیسرا طریقہ بزار کا ہے اُس نے عبدالرحیم بن زید العمی عن ابیہ عن سعید بن المسیب عن عمر کے سلسلے سے روایت لی ہے۔ مگر ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں "عبدالرحیم کذاب ہے"

چوتھا طریقہ وہ ہے جو انس سے چلتا ہے۔ اس کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں "اسنادہ واھی" (اس کے اسناد واہی ہیں)

پانچواں طریقہ الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ کا ہے۔ اس کے اسناد میں جعفر بن عبدالواحد الہاشمی ہے جسے ابن حجر "کذاب" کہتے ہیں۔

چھٹی روایت ابوذر الھروی کی کتاب السنۃ میں ہے۔ اس کی بابت ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس میں انقطاع ہے اور بہت ہی ضعیف ہے۔

ابوبکر البزار نے کہا ہے ھٰذا الکلام لم یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یہ وہ کلام ہے جس کی صحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے)

ابن حزم کا بیان ہے ھذا اخبر مکذوب موضوع باطل (یہ حدیث جھوٹی، موضوع، باطل ہے)

ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب اعلام الموقعین جلد دوم میں تقلید کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس حدیث کی بھی تردید کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ :—

Marfat.com

ان ھذا الحدیث قد روی من طریق الاعمش ... لایثبت شیئ منہا

(یہ حدیث جس کی روایت الاعمش .... اس کی کوئی بات ثابت نہیں)

جب ان لوگوں نے دیکھا کہ صحابہ میں تو بہت اختلاف پایا جاتا ہے تو ایسی حالت میں "اصحابی کالنجوم" والی حدیث پر بڑا اعتراض ہوگا لہذا ایک جھوٹ کی تائید میں دوسرا جھوٹ یہ گھڑا گیا کہ "اختلاف اصحابی رحمۃ" اس حدیث کو تذکرۃ الواضعین میں محمد طاہر بن علی الفتنی نے رد کر دیا ہے ان لوگوں نے صحابیت کے اس تصور کو مضبوط کرنے کے لئے اور حدیثیں وضع کی ہیں۔ مثلاً ایک یہ حدیث "تذکرۃ الموضوعات میں ہے" سب اصحابی ذنب لا یغفر" (میرے اصحاب کو برا کہنا ایسا گناہ ہے جو کبھی بخشا نہیں جائے گا۔ ابن تیمیہ تک نے اسے موضوع کہا ہے۔ ایک اور حدیث ایسی وضع کی گئی جس میں یہ بتایا گیا کہ جس ملک میں صحابی ہو تو وہ صحابی وہاں کا قائد ہے۔ یہ حدیث "المقاصد" میں اس طرح ہے :-

مامن احد من اصحابی یموت بارض الا بعث قائد یعنی لاھلھا و نوراً یوم القیامۃ	میرے اصحاب میں سے کوئی کسی ملک میں مر جائے تو وہ اس ملک کے لوگوں کا قائد بنا کر بھیجا گیا اور قیامت کے دن نور ہوگا۔

اسے بھی صاحب تذکرۃ الموضوعات نے موضوع بتایا ہے۔

یہ تو حدیث "اصحابی کالنجوم" اور اس کی معاون حدیثوں کا روایتی پہلو ہے۔ اب ذرا درایتی پہلو پر غور فرمائیے۔ فن روایت کے ہی اعتبار سے صحابیت کا یہ تصور غلط نہیں ہے درایت کی روشنی میں اس کی لغویت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے اگر ہر صحابی کو یہ سمجھ لیا جائے کہ جس طرح تاریک رات میں ملاحوں کو اگلے زمانے میں ستارے ہدایت کرتے تھے

Marfat.com

اسی طرح زندگی کے تاریک دور میں ہر صحابی کو محض اس بنیاد پر کہ وہ صحابی ہے قیادت کا حق دیدیا جائے اور ہر بات میں اس کی تقلید کو اہمیت دی جائے تو مسلمان عجیب مخمصہ میں پڑجائیں گے مثلاً صحیح مسلم کی حسب ذیل حدیث پر غور کیجئے یہ حدیث تو طویل ہے لیکن اس کا آخری حصہ یہ ہے :-

"اور جس شخص نے اپنا ہاتھ امام کے ہاتھ پر مار کر بیعت کی ہو اور اپنے دل کا ثمرہ اسے دے چکا ہو تو اپنی قوت کے مطابق اسکی اطاعت کرے پھر اگر کوئی اور شخص امامت کے معاملہ میں اس سے جھگڑا کرنے والا پیدا ہو جائے تو تم لوگ اسکی گردن اڑا دو۔" عبد الرحمٰن راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں عبد اللہ کے قریب گیا اور کہا "میں تم کو خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حدیث تم نے حضور سے سُنی ہے" عبداللہ نے میری طرف اپنے دونوں کانوں اور سینے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے جھکایا اور کہا "میرے ان دونوں کانوں نے اس حدیث کو سُنا ہے اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا ہے" یہ سن کر میں نے کہا "تمہارا یہ چچازاد بھائی معاویہ ہمکو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق کھانے اور آپس میں خوں ریزی کرنیکا حکم دیتا ہے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے

یاایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما	اے ایمان والو تم ایک دوسرے کا مال بے ایمانی سے نہ کھاؤ ہاں اگر رضامندی سے تجارت ہو تو مضائقہ نہیں اور اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو اللہ تمہارے لئے رحیم ہے۔"

Marfat.com

یہ سن کر عبداللہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا "خدا کی اطاعت میں ان کا حکم مانو اور خدا کی نافرمانی میں ان کا حکم نہ مانو

(صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ)

اب کوئی بتائے کہ اگر معاویہ جو صحابی تھے قرآن کے خلاف حکم دیتے تھے تو وہ اصحابی کالنجوم کے مصداق کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور بایہم اقتدیتم اھتدیتم (ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرلو ہدایت پالوگے) کے مطابق ان کی اقتدا ہدایت کا باعث کیونکر ہو سکتی ہے؟

اور یہ حالت تو معاویہ کی صحیح مسلم سے ثابت ہوتی ہے جسے لوگ "جلیل القدر" صحابی کہتے ہیں۔ لیکن ان صحابیوں کا تو کہنا ہی کیا جو رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام سے مرتد ہو گئے تھے۔ ابن اثیر نے تاریخ کامل میں لکھا ہے

واما اخبار الردۃ فانہ لما مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسیر ابوبکر جیش اسامہ ارتدت العرب وتضرمت الارض نارا وارتدت کل قبیلۃ عامۃ او خاصۃ الا قریشا وثقیفا	اب رہا ارتداد کی خبروں کا معاملہ تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور ابوبکر نے جیش اسامہ کو بھیجا تو عرب مرتد ہو گئے اور لوگوں میں آگ سی پھیل گئی اور عام و خاص قبیلے سب مرتد ہو گئے سوائے قریش اور ثقیف قبیلوں کے۔

ارتداد کے طوفان میں سینکڑوں ایسے "صحابہ" بھی بہہ گئے جنھوں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا اور کسی نہ کسی حد تک شرف صحبت بھی حاصل کیا تھا۔ اگر رسول اللہ ان کو "اصحابی کالنجوم" کا مرتبہ دیدیتے تو حالات اور بھی خراب ہو جاتے اس طوفان ارتداد کو صحابیت کا یہ غلط تصور اور بھی بڑھا دیتا۔"

Marfat.com

صحابیت کے ساتھ بعض لوگ کتابت اور خصوصاً کتابت وحی کے کام سے بھی بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہزار بار دُہرانے کی ضرورت ہے کہ کسی صحابی کی تقلید یا اس کے احترام کا مدار تقویٰ اور اعمال حسنہ پر ہے محض صحابیت کی بنا پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری کی ایک اور حدیث پر غور کیجیے جس میں کتابت وحی کرنے والا ایک "صحابی" مرتد ہوا۔ اور اس نے ارتداد کے بعد بکواس شروع کر دی۔ حدیث یہ ہے :۔

" انس سے روایت ہے کہ ایک نصرانی اسلام لایا۔ اور اس نے سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھی پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابت کرنے لگا پھر وہ نصرانی ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ محمد صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا میں نے ان کے لئے لکھ دیا ہے۔ پھر اللہ نے اسے موت دی تو لوگوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح کو دیکھا تو اس کی لاش زمین سے باہر نکلی پڑی تھی اس کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے۔ ہمارے ساتھی کی قبر انھوں نے کھود ڈالی ہے چونکہ وہ ان کے پاس سے بھاگ آیا تھا۔ پھر انھوں نے اسے قبر میں ڈالا اور بہت گہرا دفن کیا۔ جتنا ان کے لئے ممکن تھا۔ پھر صبح کو اس کی لاش زمین سے باہر پڑی ملی۔ پھر انھوں نے کہا یہ محمد اور ان کے اصحاب کا فعل ہے انھوں نے ہمارے ساتھی کی قبر کھود ڈالی ہے چونکہ وہ ان کے پاس سے بھاگ آیا تھا۔ پھر انھوں نے قبر کھودی اور اتنی گہری کھودی جتنی وہ کھود سکتے تھے۔ اور اس کو دفن کر دیا۔ مگر پھر صبح کو دیکھا تو اس کی لاش زمین نے باہر پھینک دی تھی۔ آخر ان لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ آدمیوں کا کام نہیں ہے، تو انھوں نے بھی اسے ڈال دیا۔ (بخاری۔ باب علامات نبوت)

Marfat.com

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاں متعدد اعلیٰ کیریکٹر کے مخلص صحابہ جمع ہوئے تھے وہاں ایسے لوگ بھی آگئے تھے جن کا خلوص مشتبہ تھا۔ ایسے بھی تھے جو غالباً توڑ پھوڑ کی غرض سے شامل ہوئے تھے۔ اور ایسے بھی ضرور تھے جو حرص وطمع کے مقصد سے آئے تھے ان میں سے بعض بے نقاب ہو گئے مگر ایسے عیار تھے کہ مرتے دم تک انھوں نے صحابیت کا ڈھونگ جاری رکھا۔

اب رہا کتابت اور خصوصاً کتابت وحی کا معاملہ تو اس کو بھی بلا امتیاز کوئی اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ کتابت وحی کا کام ایک وقت میں ایک آدمی نہیں کرتا تھا۔ اول تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ زید جیسے بعض خاص کاتبوں سے لکھواتے اور ساتھ ہی دوسرے عام کاتبوں سے بھی لکھواتے تھے۔ نیز یہ کہ بعض صحابہ خود اپنے طور پر لکھتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں جب قرآن جمع کیا گیا تھا تو یہ کام اسی لئے زید بن ثابت کے سپرد ہوا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص کاتب وحی تھے۔ حضور نے اسی مقصد سے زید بن ثابت کو عبرانی زبان تک سکھائی تھی۔

لیکن زید بن ثابت کے زمانے میں بھی اور خصوصاً ان سے قبل دیگر لوگ بھی کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ زید نے یہ کام بہت بعد میں شروع کیا تھا کیونکہ وہ نوعمر تھے۔ جنگ بدر میں شرکت کی اجازت رسول اللہ نے اسی لئے نہیں دی تھی کہ وہ کم عمر تھے۔ اور اتنے کم عمر لڑکوں کو رسول اللہ اجازت نہیں دیا کرتے تھے لیکن قرآن سے ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قرآن کی تعلیم کے لئے مصعب بن زبیر کو بھیجدیا تھا۔ اس انصاری لڑکے نے رسول اللہ کے مدینہ آنے تک سترہ

Marfat.com

سورتیں حفظ کر لی تھیں۔ جب حضور تشریف لائے تو لوگوں نے زید بن ثابت کو پیش کیا۔ انھوں نے قرآن سنایا تو آپ بہت خوش ہوئے

زید بن ثابت جلیل القدر صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کے مرتبہ کی اہل سنت میں بڑی دھاک ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اتنے بڑے صحابی کا اقتدا بھی "اصحابی کالنجوم" کی حدیث کی رو سے ہدایت کا لازمی سبب قرار پا سکتا ہے۔ حسب ذیل واقعات اس کی تردید کرتے ہیں:۔

ایک بار شام گئے تو معاویہ کی مجلس میں ایک حدیث روایت کی معاویہ نے حکم دیا کہ اسے لکھ لیا جائے۔ زید بن ثابت نے اس لکھی ہوئی حدیث کو مٹا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قلمبند کرنے کی ممانعت فرمائی ہے (مسند احمد)

مُسند کی اس روایت کے مطابق ایک جلیل القدر صحابی کی رائے پر عمل کیا جائے تو حدیث کا سارا لٹریچر جلا دینا پڑے گا۔ مزید یہ کہ اگر یہ زید بن ثابت کا اپنا عمل ہوتا تو بھی "اصحابی کالنجوم" کے مطابق حدیث کی تمام کتابوں کو غرق دریا کر دینا ثواب ہوتا مگر یہاں تو یہ جلیل القدر صحابی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند پیش کر رہا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ زید بن ثابت نے فرمان رسول سمجھنے میں غلطی کی ہے بیشک ایک موقع پر حضور نے حدیث لکھنے کی ممانعت کی تھی۔ مگر یہ وہ دور تھا جبکہ حدیث قلمبند کرنے سے حدیث اور قرآن میں خلط ملط ہونے کا اندیشہ تھا لہذا قرآن کو خلط ملط سے بچانے کے لئے حضور نے حدیث لکھنے کی ممانعت فرما دی تھی اور صرف قرآن لکھنے کی اجازت دی تھی۔ زید بن ثابت کے اجتہاد نے غلطی کی اور انھوں نے اتباع سنت کے شوق کو حد سے آگے بڑھا دیا۔

بہر کیف یہ ثابت ہے کہ بعض دوسرے صحابہ نے احادیث قلمبند کی تھیں الیسی

Marfat.com

حالت میں "اصحابی کالنجوم"۔۔۔۔ پر عمل کرنے سے بڑا فساد پیدا ہو سکتا ہے در اصل مسلمانوں میں جو فرقہ اہل قرآن کے نام سے ہے حدیث کی مخالفت میں اس روایت کو بڑے طنطنہ کے ساتھ پیش کیا کرتا ہے۔

مزید یہ کہ معاویہ بھی تو صحابی ہیں۔ ان کا حکم تھا کہ حدیث لکھ لو۔ اور زید بن ثابت کا حکم کہ حدیث مت لکھو۔ ایسے حالات میں وہ لوگ کیا کریں گے جو صحابہ کی تقلید کا یہ تصور رکھتے ہیں کہ ہر صحابی قابل تقلید ہے (بایّھم اقتدیتم اھتدیتم)

مُسند سے ایک اور روایت بھی ملاحظہ ہو۔ اس میں مذکور ہے کہ بی بی عائشہ نے زبیر کی اولاد کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی۔ ان لوگوں نے اس سنت پر عمل شروع کر دیا۔ زید کو معلوم ہوا تو انھوں نے فرمایا اللہ عائشہ کو معاف کرے ہم ان سے زیادہ حدیث کا علم رکھتے ہیں وہ دو رکعت پڑھنے کا سبب یہ تھا کہ دوپہر کے وقت کچھ لوگ رسول اللہ کی خدمت میں ملاقات کو آئے تھے۔ وہ سوال کرتے اور حضور جواب دیتے تھے۔ اس دوران میں ظہر کا وقت آگیا تو رسول اللہ فرض پڑھ کر ان کے پاس آ بیٹھے عصر کی نماز کے بعد ان سے فراغت پائی تو گھر میں گئے۔ وہاں پہنچکر یاد آیا کہ ظہر کی سُنتیں نہیں پڑھی ہیں، چنانچہ وہاں انھوں نے وہ سنتیں پڑھ لیں۔ اللہ عائشہ کی مغفرت کرے مجھے حدیث کا علم اس سے زیادہ ہے۔ رسول اللہ نے تو عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

اب "اصحابی کالنجوم" والے بتائیں کہ بی بی عائشہ اور زید بن ثابت میں سے اپنے تاریک ذہن کو روشن کرنے کے لئے کسے قیادت کا ستارہ بنائیں گے؟

قرآن کے مسئلے پر جو اختلافات ہیں ان پر ایک مستقل باب میں بحث

کی جائے گی۔ اس میں بتایا جائے گا کہ صحابیت کا غلط تصور قرآن کے بارے میں
کافی خلجان پیدا کرسکتا ہے۔ لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان احادیث
کو پیش کر دیا جائے جو متعدد صحابہ کے دوزخی ہونے پر دلالت کرتی ہیں
کیونکہ ان احادیث میں صحابیت کے غلط تصور کا جواب موجود ہے۔

۴

صحابہ اور دوزخ

اگر ہم سو بار یہ اعلان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اللہ کی بڑی سے بڑی نعمت ہے تو اس بحث کے شروع میں ایک سو ایک بار اس اعلان کو دہراتے ہیں کہ ہمارا مطلب صحابۂ کرام کے مرتبے کی تنقیص نہیں ہے۔ اگر ہمیں اللہ ہزار زندگیاں راحت و آرام کی عطا فرمائے تو وہ ہزار زندگیاں صحبت رسول کے ایک لمحہ پر قربان ہیں لیکن ایک علمی بحث میں ہم اُن "صحابہ" کو بھی پیشِ نظر رکھنا ہے جن کے دلوں میں صحبت رسول سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت نہ تھی۔ لہٰذا ہم صحابیت کے اس تصور کی مخالفت پر مجبور ہیں۔ جو دلوں کی صلاحیت کو نظر انداز کرتا ہے۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ میں ایسے لوگ تھے جن پر رحمۃ للعالمین کی صحبت نے کوئی اچھا اثر نہیں پیدا کیا۔ ان کے دلوں کی فساد نے وہ نتائج پیدا کئے جن کا ذکر ان احادیث میں ہے۔ اپنے اعمال قبیحہ کے باعث دوزخ میں جانے والے ہیں۔ احادیث یہ ہیں اور چونکہ یہ بخاری کی احادیث

ہیں اور کتاب کے موضوع سے ان کا گہرا تعلق ہے لہذا انھیں بے کم و کاست تفصیل کے ساتھ مع عربی متن کے پیش کیا جا رہا ہے۔

حدثنی محمد بن بشار حدثنا غندر حدثنا شعبة عن المغیرة بن النعمان عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب فقال انکم تحشرون حفاة عراة غرلا کما بدانا اول ما خلق نعیدہ الآیة وان اول الخلائق یکسٰی یوم القیامة ابراھیم الخلیل وانه سیجاء برجال من امتی فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول یا رب اصحابی فیقول اللہ انك لا تدری ما احدثو بعدك فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا الی قوله الحکیم قال فیقال انھم لم یزالوا مرتدین علی اعقابھم

(بخاری۔ باب الحشر)

مجھ سے روایت کی محمد بن بشار نے انسے غندر نے ان سے شعبہ نے انسے مغیرہ بن النعمان نے ان سے سعید بن جبیر نے ان سے ابن عباس نے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے انھوں نے فرمایا تم قیامت کے دن ننگے پیر ننگے جسم بغیر ختنہ کئے اٹھو گے جیسے پہلی بار پیدا کیا تھا ایسے ہی دوبارہ پیدا کریں گے۔ آیہ قرآن۔ اور خلائق میں سب سے پہلے ابراہیم خلیل کو کپڑے پہنائے جائینگے اس وقت میری امت کے چند آدمی لائے جائینگے اور ان سے مواخذہ ہوگا پس میں کہونگا اے رب یہ میرے اصحاب ہیں تو اللہ کہے گا تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا نئی حرکات کیں پس میں کہونگا جیسا کہ عبد صالح (یعنی عیسیٰ) نے کہا تھا کہ میں ان کے لئے اس وقت تک گواہ رہا جب تک میں ان میں تھا پھر جب تونے میری وفات کر دی تو ان کا شاہد ہو گیا .... قول الحکیم تک۔ حضور نے فرمایا پھر مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ (اسلام سے) پیچھے پھرتے رہے۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ رسول اللہ کے بعض اصحاب آپ کی وفات کے بعد اسلامی اصول سے پھر گئے اور اس حد تک ان کا عمل بدل گیا کہ انکو اللہ تعالیٰ نے سزا کا مستوجب قرار دیا۔

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی وفات تک ان کے طرز عمل میں ایسی بات نہ تھی جس سے حضور ان کو عذاب کا مستحق قرار دے سکتے اس لئے ان کے عذاب لے جانے پر آپ کو تعجب ہوا مگر جب سبب بتایا گیا تو اندازہ ہوا کہ صحابہ بھی وفات کے بعد ایسی حرکات کے مرتکب ہوئے۔

یہ اور اس قسم کی تمام احادیث جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیامت یا مستقبل کے حالات بتائے ہیں علامات النبوۃ سے تعلق رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ جس حد تک مستقبل کے حالات بتاتا تھا اُن کو وہ بتا دیتے تھے۔ اللہ نے یہ نہیں بتایا کہ ایسے صحابہ کون ہیں۔

پس رسول کو اتنی بات معلوم تھی کہ میرے صحابہ میں سے متعدد گمراہ بھی ہوں گے۔ لہذا یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ وہ کوئی حدیث "اصحابی کالنجوم" کے ہم معنی ارشاد فرمائیں یا کسی حدیث میں فرداً فرداً ہر صحابی کو قابل احترام قرار دیں۔ لہذا جتنی احادیث صحابہ کے فضائل کے بارے میں ہیں ان سے یا تو ان صحابہ کی طرف اشارہ ہے جو السابقون الاولون میں شامل ہیں۔ یا صحابہ بحیثیت مجموعی یعنی وہ سماج مراد ہے جو عہد رسالت میں قائم تھا یہ سماج بہترین تھا۔ اور اس لئے وہ لوگ بھی بحیثیت مجموعی قابل تعریف ہیں جن سے یہ سماج بنا تھا "کالی بھیڑیں" بھی تھیں جو اس سماج کو بدنام کرنے والی تھیں۔ رسول اللہ کی وفات کے بعد ان "کالی بھیڑوں" نے فتنہ و فساد شروع کر دیا اوپر کی حدیث میں ان ہی کا ذکر ہے۔ دوسری حدیث یہ ہے :-

Marfat.com

حدثنا مسلم بن ابراهیم حدثنا وھیب حدثنا عبد العزیز عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیردن علیّ ناس من اصحابی الحوض حتی اذا عرفتھم دونی فاقول اصحابی فیقول لا تدری ما احدثوا بعدک

(بخاری ۔ کتاب الحوض)

ہم سے روایت کی مسلم بن ابراہیم نے ان سے وھیب نے ان سے عبد العزیز نے ان سے انس نے روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حوض پر میرے چند اصحاب میرے پاس آئینگے جب میں ان کو پہچان لوں گا تو وہ دور کر دیے جائیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے اصحاب ہیں تو جواب ملے گا کہ تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا کیا

ایک اور حدیث یہ ہے :۔

حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا محمد بن مطرف حدثنی ابو حازم عن سھل بن سعد قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی فرطکم علی الحوض من مر علیّ شرب ومن شرب لم یظمأ ابدا لیردن علی اقوام اعرفھم ویعرفونی ثم یحال بینی وبینھم قال ابو حازم فسمعنی النعمان ابن ابی عیاش فقال ھکذا سمعت من سھل فقلت نعم فقال اشھد علی ابی سعید الخدری لسمعتہ وھو یزید فیھا فاقول

ہم سے سعید بن ابی مریم نے روایت کی انسے محمد بن مطرف نے انسے ابو حازم نے ان سے سہل بن سعد نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں حوض پر تمھارا پیش خیمہ ہوں گا جو میرے پاس سے گذرے گا اس کا پانی پی لے گا اور پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ میرے پاس بعض ایسے لوگ آئیں گے جن کو میں پہچان لوں گا اور وہ مجھے پہچان لیں گے۔ پھر میرے اور ان کے درمیان حجاب ہو جائے گا۔ ابو حازم کہتے ہیں کہ مجھ سے اس حدیث کو نعمان ابن ابی عیاش نے سن کر کہا کہ کیا تم نے سہل سے ایسا ہی

انھم منی فیقال انک لا
تدری ما احدثو بعدک
فاقول سحقا سحقا
لمن غیر بعدی و
قال ابن عباس سحقا
بعداً

سنا ہے میں نے کہا کہ ہاں۔ انھوں نے کہا
کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوسعید
خدری سے اس سے زیادہ سنا ہے کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کہوں گا کہ اے پروردگار
یہ میرے اصحاب ہیں۔ کہا جائے گا کہ تمھیں
نہیں معلوم کہ تمھارے بعد انھوں نے کیا
کیا۔ میں کہوں گا افسوس ہے اس کے واسطے
جس نے میرے بعد اس طرح بدل دیا۔

ان حدیثوں میں یہ بات صاف طور پر بتائی گئی ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ کے بعد اپنے طور طریق بدل دیے وہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کو رسول اللہ پہچان لیں گے اور وہ بھی رسول اللہ کو پہچان لیں گے۔

ان تمام صراحتوں کے بعد بھی اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ صحابہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ اور لوگوں کا ذکر ہے تو وہ بہت عجیب دماغ والا آدمی ہونا چاہئے — ان محدثین نے بھی جو صحابہ کے متعلق کوئی مخالفانہ بات سننا پسند نہیں کرتے اتنا تسلیم کیا ہے کہ حدیثوں میں صحابۂ رسول کا ہی ذکر ہے۔ لیکن انھوں نے یہ بات پیش کی ہے کہ جلیل القدر صحابہ مراد نہیں ہیں۔ خطابی نے کہا کہ مشہور صحابہ مراد نہیں ہیں۔ صرف وہ عرب مراد ہیں جو رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ ابن التین کی رائے ہے کہ منافقین سے مطلب ہو سکتا ہے۔ یا وہ لوگ مراد ہو سکتے ہیں جو غلبہ و اقتدار کے باعث اسلام میں آگئے تھے۔ نووی نے کہا ہے کہ منافق اور مرتدین ہو سکتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اصحاب البدع مراد ہیں۔

ایک محدث نے ایک حدیث کے لفظ "اصیحابی" کی تصغیر سے فائدہ اٹھا کر یہ لکھ دیا کہ یہ صحابہ جن کا ذکر ہے بہت تھوڑی تعداد میں ہوں گے۔

یہ سب کچھ مان لینے کے بعد بھی ان حدیثوں سے صحابیت کا یہ تصور تو ضرور مجروح ہو جاتا ہے کہ کسی صحابی کا نام آیا اور اس پر تنقید کو گناہ قرار دے دیا گیا۔ اور صحابہ کو بلا لحاظ عمل و تقویٰ کے اس طرح قابل احترام کہہ دیا کہ اس کے قومی و ملّی گناہ تک پر پردہ ڈال دیا گیا۔

معاویہ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں یہ ہی طرز عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ معاویہ کے جرائم کی تعداد اتنی زیادہ ہے اور ان کی نوعیت اتنی بھیانک ہے کہ خدا کی پناہ! لیکن چونکہ وہ صحابی تھے اس لئے ان کو قابل احترام مانا گیا۔ اور یہ ہی نہیں بلکہ ان کو "جلیل القدر" صحابہ کے درجے تک ترقی دے دی گئی۔ ان کے لئے کتابت وحی کا مرتبہ تجویز کر دیا گیا۔ اور ان کی تعریف میں احادیث وضع کی جانے لگیں۔

بخاری کے استاد ابن راہویہ نے صاف کہا کہ کوئی حدیث معاویہ کی تعریف میں ثابت نہیں۔ اور امام احمد بن حنبل نے بھی یہی رائے دی۔ مگر عوام نے ان بزرگوں اور ان جیسے دوسرے متعدد بزرگوں کی رائے کی بھی کوئی پروا نہیں کی۔

امام نسائی کی موت کا باعث یہ ہی قضیہ ہوا۔ وہ مسجد میں حضرت علیؑ کی منقبت میں تقریر کر رہے تھے۔ اور احادیث پیش کر رہے تھے تو معاویہ کے پرستاروں نے سوال کیا کہ معاویہ کی منقبت میں بھی کوئی حدیث سنائیے۔ اول تو امام نسائی نے ٹالنے کی کوشش کی مگر صحابیت کے دلدادوں نے ان کو جب مجبور ہی کر دیا تو آخر انھیں کہنا ہی پڑا کہ

Marfat.com

معاویہ کی منقبت میں مجھے کوئی حدیث نہیں معلوم۔ صرف ایک حدیث ہے جس میں رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ بڑا کھانے والا ہوگا۔ اور اس کا پیٹ زیادہ کھانے سے بھی نہیں بھرا کرے گا۔

اس پر معاویہ کی صحابیت کے پرستاروں نے امام نسائی پر حملہ کردیا۔ اس سے جو چوٹ آئی وہ ہی جان لیوا ثابت ہوئی۔

اس "جلیل القدر" صحابی کے کھانے کے متعلق بہت واضح حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عباس کو بھیجتے ہیں کہ معاویہ کو بلا لاؤ۔ وہ واپس آکر جواب دیتے ہیں کہ کھانا کھا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ابن عباس کو بھیجا جاتا ہے کہ معاویہ کو بلا لاؤ۔ وہ پھر واپس جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیتے ہیں کہ وہ ابھی تک کھانا کھا رہے ہیں۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس بڑے کھانے والے کا پیٹ کبھی نہ بھرے گا۔

یہ بددعا آپ کی پوری ہوئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ معاویہ کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے دسترخوان پر آتے تھے اور وہ بہت کھاتے تھے مگر ان کی نیت کبھی نہ بھرتی تھی۔

ان کا پیٹ ظاہر میں بھی اتنا بڑا ہوگیا تھا کہ وہ کھڑے ہوکر خطبہ نہیں دے سکتے تھے۔ اُن کے اولین بدعات کی بھی طویل فہرست ہے اس میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے بیٹھ کر خطبہ دینے کی رسم نکالی۔ رسول اللہ اور ان کے بعد چاروں خلفاء کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے۔ مگر معاویہ کا بڑا پیٹ مانع تھا۔ اور یہ رسول اللہ کی بددعا کا اثر تھا۔ ان باتوں کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

Marfat.com

بعض صحابہ کے دوزخ میں جانے کا جن احادیث میں ذکر ہے ان کے چند نمونے بخاری سے پیش کئے گئے ہیں لیکن اسی قسم کی احادیث صحیح مسلم ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں بھی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے اس بارے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ محض صحابیت کی بنیاد پر یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ اسے بغیر تحقیقات کے عادل سمجھ لیا جائے۔ اور اس کے اعمال کو تحقیق کی کسوٹی پر نہ جانچا جائے۔ اور اعمال سیئہ کی بنیاد پر اس کی مذمت نہ کی جائے۔

یوں تو صرف اللہ جانتا ہے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی لیکن اگر اندازہ لگانا جائز ہے تو ذیل میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اس قسم کی اکثر مثالیں معاویہ کی جماعت میں ملتی ہیں۔ یہ واقعہ کتاب "معاویہ و یزید" سے پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ایک اموی سردار کا عبرت انگیز واقعہ

فتح مکہ میں جو چند اموی سردار ابوسفیان اور معاویہ وغیرہ کے ساتھ دائرۂ اسلام میں آئے تھے ان میں ایک ولید بن عقبہ بن ابی معیط بھی تھا۔ ایک صحابی کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ پوری طرح اس پر صادق آتی ہے لیکن وہ لوگ جو فرداً فرداً ہر صحابی کی عظمت کرانا چاہتے ہیں اور معاویہ کا اس لئے احترام کرانا چاہتے ہیں ولید بن عقبہ کی بابت کیا کریں گے۔ اس کے واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد ایسے بھیانک ہیں کہ اس صحابی سے یقیناً آج کل کا معمولی مسلمان بہتر ہے۔

مشہور مفسر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Marfat.com

وسلم نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنی مصطلق سے زکوٰۃ لینے بھیجا۔ اس قبیلہ کے لوگوں کو جب یہ خبر ہوئی بہت خوش ہوئے اور رسول اللہ کے قاصد کے استقبال کے لئے تیار ہوئے مگر جب ولید کو معلوم ہوا کہ وہ ملاقات کے لئے آرہے ہیں تو انسے بغیر ملے واپس ہوگیا۔ اور رسول اللہ سے جاکر یہ کہدیا کہ بنو المصطلق نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ اس پر رسول اللہ کو بہت طیش آیا اور وہ یہ سوچنے لگے کہ اس قبیلے کے خلاف لشکر کشی کی جائے کہ اتنے میں اس قبیلہ کا ایک وفد آگیا اور بتایا کہ آپ کا قاصد راہ سے ہی واپس آگیا اسلئے ہم نے سوچا کہیں اللہ اور اس کے رسول خفا نہ ہوجائیں اس لئے ہم حاضر ہوگئے۔ اس واقعہ پر آیت نازل ہوئی یاایھا الذین امنوا اذجاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین (اے ایمان والو جب تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں نقصان پہنچ جائے اور تم کو اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔)

امام رازی نے یہ ہی واقعہ کسی قدر مختلف شکل میں پیش کیا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ جب بنی المصطلق کے لوگ ولید سے ملنے آئے تو ولید کو غلط فہمی ہوئی کہ وہ لڑنے آرہے ہیں۔ اس غلط فہمی میں واپس آکر رسول اللہ کو خبر دی کہ زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ اسی بنا پر امام رازی ولید کے لئے لفظ فاسق کا استعمال صحیح نہیں سمجھتے۔ مگر اس کو کیا کیجیے کہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ آیت میں استعمال کیا ہے اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ولید ہی کے غلط خبر لانے سے آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ کہ اس "صحابی" کے فاسق ہونے کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔ اس کی زندگی شاہد ہے کہ وہ فاسق تھا۔ اسماء الرجال کی کتاب "تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" میں ولید کے متعلق لکھا ہے قال الاصمعی و ابوعبیدہ و ابن الکلبی کان فاسقا شریبا

شاعر (اصمعی، ابو عبیدہ اور ابن کلبی نے کہا ہے کہ وہ فاسق بہت شرابی اور شاعر تھا) اسلام میں شاعری کے متعلق یہ اصول ہے کہ مستحسن بھی ہوتی ہے اور مذموم بھی۔ ولید کی شاعری بھی نہایت مذموم تھی۔ حضرت عثمان نے اسے کوفہ کا عامل بنا دیا تھا تو نماز میں ہی نشہ کی حالت میں بیہودہ اشعار پڑھنے لگا وہ حضرت عثمان کا بھائی تھا اس طرح کہ ماں دونوں کی ایک تھی۔ باپ مختلف تھے اور حضرت عثمان کو اس کے فسق و فجور کے سبب ہی معزول کرنا پڑا تھا۔

سورۃ السجدہ میں بھی اس فاسق "صحابی" اور حضرت علی کی تکرار سے یہ آیت نازل ہوئی

افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستوون اما الذین امنوا وعملوا الصالحات فلھم جنت الماوی نزلا بما کانوا یعملون واما الذین فسقوا فماوٰھم النار الخ	تو کیا وہ جو مومن ہے اسکی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہے۔ دونوں میں برابری نہیں پس جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے انکا ٹھکانا جنت الماویٰ ہے اور جو فاسق ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ...... الخ

اس کی تشریح ابن جریر اور دیگر مفسرین نے یہ ہی کی ہے کہ حضرت علی اور ولید کے درمیان تکرار ہوئی تھی جس کی طرف اشارہ ہے۔ تفسیر حسینی کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

"آوردہ اند کہ ولید بن عقبہ با شیر بیشیۂ مردی در مقام مفاخرت آمدہ گفت اے علی سنان من از سنان تو سخت تر است و زبان من از زبان تو تیز۔ علی فرمود خاموش باش اے فاسق ترا با من چہ زہرۂ معادات و چہ یارائے مجادلات۔ حق سبحانہ تعالیٰ تصدیق امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ در آیت فرستاد"

پس صحابہ بحیثیت مجموعی اس لئے قابل احترام تھے کہ وہ اس سوسائٹی کا نمونہ پیش کرتے تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے پیدا ہوئی تھی۔ لیکن یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ ایک ایک آدمی کو معصوم بنادیا جائے۔ ان میں ولید بن عقبہ جیسے فاسق بھی تھے۔ الحکم جیسے "وزغ ملعون" (حسب ارشاد نبی صلعم) بھی تھے۔ اور ان میں معاویہ و عمرو بن العاص جیسے بھی تھے۔ جن کے لئے افعال قبیحہ اس کتاب میں اہل سنت کے مآخذ سے پیش کئے گئے ہیں۔ اور ان میں ہی وہ بھی تھے جو رسول اللہ کی وفات کے بعد ایسے اعمال کے مرتکب ہوئے کہ فرشتے انھیں دوزخ میں لے جانے لگیں گے تو حضور کو تعجب ہوگا (دیکھو کتاب الحوض)

(کتاب "معاویہ ویزید" کا اقتباس ختم ہوا)

اب یہ سوال طبعاً پیدا ہوتا ہے کہ کچھ صحابہ کے جرائم ثابت ہونے کے بعد بھی ان کی نسبت یہ رائے کیونکر قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ دوزخی تھے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کسی بدترین جرائم پیشہ کی نسبت بھی سوفی صدی دوزخی ہونے کا یقین تو کسی حالت میں بھی ممکن نہیں (سوائے اس کے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اس کا نام لے کر دوزخی ہونے کا اعلان کیا ہو) لیکن انسان قرائن و آثار کی بنیاد پر اپنے دل میں نتائج نکالنے پر مجبور ہوتا ہے۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے اپنی بیوی کے خلاف زنا کا الزام لگایا۔ بیوی کو بلا کر دریافت کیا گیا تو اسے ارتکاب جرم سے انکار تھا۔ گواہ کوئی نہ تھا لہذا قانون اسلامی کے مطابق لعان (قسما قسمی) کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ شوہر نے قسم کھائی کہ اس نے زنا کرایا۔ اور بیوی نے قسم کھائی کہ الزام غلط ہے۔ رسول اللہ نے طلاق دلا کر دونوں کو رخصت کر دیا۔ لیکن ان کے چلے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر بغیر گواہوں کے سنگسار کرنے کی اجازت ہوتی تو میں اس عورت کو سنگسار کرا دیتا۔

کا مطلب یہ تھا کہ حالات کے اعتبار سے حضور کو یقین تھا کہ عورت مجرم
اگرچہ اس کے مجرم ہونے کا فیصلہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ابن عباس نے حضور
کے تبصرہ پر یہ کہا ہے کہ وہ عورت بدچلن تھی۔

پس ہمارے لئے یہ اعلان کرنا تو آسان نہیں کہ یقیناً فلاں فلاں
لوگ دوزخی ہیں۔ لیکن قرائن و آثار سے یہ ہی اندازہ ہوتا ہے کہ معاویہ کے گرد
ایسے "صحابہ" ہو سکتے ہیں جو دوزخی ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

لیکن احتیاط کا ایسا درجہ تو ہو سکتا ہے کہ ان کے سو فی صدی دوزخی
ہونے کا اعلان نہ کیا جائے۔ مگر احتیاط کا ایسا درجہ بالکل تصور میں نہیں آتا
کہ ان کی مذمت تک ان کے صحابی ہونے کی وجہ سے نہ کی جائے۔ ان کے
سنگین جرائم کی تفصیل کو نظر انداز کر کے ان کے لئے " حضرت
رضی اللہ عنہ " لکھا جائے۔

دو ہی چارۂ کار ہیں۔ یا تو صحابی کی تعریف ایسی کی جائے کہ اس
ذیل میں یہ خطاکار صحابہ شامل نہ ہوں۔ یا پھر ان کے اعمال کا بھی جائزہ
لینے میں کوئی پس و پیش نہ کیا جائے۔

مصنفین میں بعض وہ علماء بھی جو صحابۂ کرام کے احترام کے لئے مشہور
ہیں ایسی احادیث و واقعات کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں جن سے صحابیت
کا عام احترام پر حرف آتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے
اقوال اور تاریخی حقائق کون دبا سکتا ہے مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب نے
اپنی کتاب ازالۃ الخفاء میں حضرت ابوبکر صدیق کی وہ وصیت لکھی ہے
جو انہوں نے وفات کے وقت حضرت عمر کو کی تھی۔ اس میں انہوں نے منجملہ
اور باتوں کے ایک بات یہ بھی کہی تھی :-

Marfat.com

احذرکم هؤلاء النفر من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ و سلم الذین قد انتفخت اجوافھم وصمت ابصارھم

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے میں تمھیں اس گروہ سے ہوشیار کرتا ہوں جن کے پیٹ پھول چکے اور جن کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے

حضرت ابوبکر صدیق کی اس نصیحت میں صاف صاف ایسے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے جن سے وہ متنبہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر کے نزدیک بھی سب صحابہ قابل احترام نہیں تھے۔ ان میں ایسے خطرناک اور مفسدہ پرداز بھی تھے جن سے ہوشیار رہنے کی ضرورت تھی۔

ان میں سے بعض کے فسق و فجور میں پڑنے کے لئے لسانِ رسول گو...

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الکلام لست اخشیٰ علیکم ان تشرکوا ولکن اخشی علیکم ان تنافسوا فیھا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گفتگو کے بعد کہ میں اس سے نہیں ڈرتا ہوں کہ تم مشرک ہو جاؤ گے لیکن اس کا ڈر ہے کہ تم فسق و فجور میں مبتلا ہو...

بخاری کی یہ حدیث بھی قابل توجہ ہے :-

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستحرصون علی الامارۃ فانھا ستکون ندامۃ یوم القیٰمۃ (بخاری)

ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلد امارت کی حرص میں ایسے پڑو گے کہ قیامت کے دن اس کے باعث ندامت اٹھانا پڑے۔

ایک اور حدیث پر غور کیجئے

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف سے پوچھا کہ تم پر فارس اور روم کے خزانے کھل جائیں گے تو تم کون سی قوم ہو گے؟ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ ہم اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرتے ہوں گے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ اس کے خلاف ہو گا بلکہ تم نفسانیت میں مبتلا ہو گے پھر حسد کرو گے پھر مرتد ہو گے، پھر بغض کرو گے اور اسی طرح کی حرکتیں کرو گے اور پھر غریب مہاجرین کو بعض کو بعض کی گردنوں پر سوار کرو گے۔"

یہ تمام احادیث ایک ہی نتیجہ پر پہنچاتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بنی امیہ کی ایک جماعت نے دین اسلام کو اپنے ذاتی اغراض کے لئے تباہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کے دلوں پر نفسانیت نے قبضہ کر لیا یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ عہد رسالت میں ان کے لئے سازش کا موقع نہ تھا۔ مگر عہد رسالت کے بعد انھوں نے اپنا عمل شروع کر دیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام میں آئے ہی اس نیت سے تھے کہ اسے اپنے اقتدار کا آلۂ کار بنائیں۔

یہ سازش حضرت عثمان کے زمانہ میں مکمل ہو گئی اور حضرت علی اس وقت مسند خلافت پر آئے جب بنی امیہ کے ایجنٹ چاروں طرف پھیل چکے تھے۔ ان ایجنٹوں کی بے عنوانیاں ہی حضرت عثمان کی شہادت کا سبب ہو گئیں حضرت علی نے عثمان کو معاویہ اور دیگر سازش کرنے والوں سے متنبہ بھی کیا مگر حضرت عثمان اقرباپروری کے جذبے سے اتنے مغلوب تھے کہ سازش کرنے والوں کو میدان مل گیا۔ اول حضرت عثمان شہید ہوئے۔ پھر انھوں نے ان کی شہادت کے واقعہ

Marfat.com

کو اپنے اقتدار کی جنگ میں استعمال کیا۔

اہل تشیع کا تو ذکر ہی کیا مگر اہل سنت کے اہل علم اس بات پر متفق
کہ حضرت علی کی زندگی نقائص سے پاک تھی۔ امام حنبل نے فرمایا ہے کہ ح
علی کے دشمنوں نے اول تو ان کی زندگی میں عیب تلاش کئے مگر جب کوئی
ملا تو معاویہ کی تعریف میں جو اُن کے مخالف تھے من گھڑت افسانے پیش کرنے لگے

وہ صحابہ اسی جماعت میں تھے جن کے دوزخی ہونے کی خبر رسول
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔

بعض لوگوں نے ان احادیث میں "اصحاب نبی" سے مراد منافقین لی
اگر اصحاب کی یہ تعبیر مان لی جائے تو نتائج کے اعتبار سے کو
خاص فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ یہی صحابہ جن میں معاویہ لیڈر ت
منافقین کے زمرہ میں شمار ہوں گے۔ الفاظ کے الٹ پھیر سے ان سازش
پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا جو معاویہ اور ان کے رفیقوں نے کیں۔

مسند امام احمد بن حنبل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ
ہے انّ فی اصحابی منافقین (میرے اصحاب میں منافقین بھی ہیں

ان تمام شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ صحابیت عدل
بارے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ دعویٰ کرے کہ الص
کلھم عدول تو یقیناً یہ دعویٰ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

★ ★

Marfat.com

۵

قرآن و حدیث پر صحابہ کا اختلاف

صحابہ کے وہ اختلافات تو الگ رہے جن کے نتیجہ میں قتل و قمع کا بازار گرم ہوا لیکن عقائد و عبادات، قرآن و حدیث، اخلاق و معاشرت اور دیگر غیر سیاسی مسائل پر بھی اگر ہم ان کی روایتوں کو بے چون و چرا تسلیم کرنے لگیں تو بڑا فتنہ پھیل جائے گا۔ جلیل القدر صحابہ اور "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَار" کی زندگیوں کے بھی بعض ایسے پہلو ہیں جو تنقید کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ چونکہ ان کا مرتبہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس لئے ان کی شخصیت کا احترام ضروری ہے۔ لیکن ان کے بھی بعض غلط اعمال و آراء سے اختلاف کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔

یہ واضح رہے کہ یہ معصوم نہیں تھے۔ انسان کی حیثیت سے ہر وقت غلطیاں ممکن تھیں۔ رسول اللہ بھی انسان تھے مگر رسول و صحابہ میں اس لحاظ سے فرق یہ تھا کہ دینی مسائل میں اگر رسول سے لغزش کی صورت پیدا ہوتی تھی تو اللہ فوراً اس کی اصلاح کر دیتا تھا لہٰذا رسول اللہ کی صرف وہ غلطیاں بتائی جاسکتی ہیں جو خالصتہً دنیاوی معاملات میں ہوں لیکن کسی دینی معاملہ میں وہ غلطی نہیں کرسکتے تھے ایسی کوئی غلطی کرتے تو نبوت کی نفی ہو جاتی۔ ان کی زندگی سراپا ہدایت تھی۔ اسی لئے اللہ نے قرآن میں لَقَدْ کَانَ لَکُمْ

فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی قابل تقلید نمونہ ہے۔) دنیوی معاملات میں غلطی کی مثال کھیتی باڑی کے طریقہ میں وہ مشورہ ہے جو حضور نے دیا تھا اور وہ غلط ثابت ہوا۔ اس پر ایک حدیث کی رو سے آپ نے فرمایا تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ فِی اُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ (اپنی دنیا کے معاملات میں تم بہتر جانتے ہو۔)

رسول اور صحابی میں فرق یہی تھا کہ دنیا تو الگ رہی دین کے معاملہ میں بھی ان کے فیصلہ کی صحت کی کوئی ضمانت نہیں۔ ان سے ایک انسان کی حیثیت سے ہر قسم کی غلطیاں ہوتی تھیں اور ان میں سے بعض کی اصلاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیتے تھے۔ اور بعض خود عہد رسالت میں بھی بغیر اصلاح کے رہ جاتی تھیں۔ یہ لازمی نہیں تھا کہ ہر صحابی کی ہر غلطی آپ کی نظر میں آ ہی جاتی ان میں سے بعض غلطیوں کی رسول اللہ کی وفات کے بعد نشر و اشاعت ہوئی۔

بعض غلطیاں ایسی بھی تھیں جو رسول اللہ کی وفات کے بعد ہوئیں اور ان کی اصلاح بعد میں صرف اجماعِ امت کے ذریعہ ہی ہوئی۔ لیکن اگر ہم صحابہ کا وہ درجہ تسلیم کرنے لگیں جو بعض لوگ تسلیم کرانا چاہتے ہیں تو یہ غلطیاں بھی "ہدایت" قرار پا جائیں۔ ان میں بعض غلطیاں تو اتنی خطرناک ہیں کہ اگر ہم محض اس لئے انھیں مان لیں کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی کی پر مبنی ہیں تو ہمیں اسلام کی بعض بنیادی باتوں کو بدلنا پڑے گا اور بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی۔ مثلاً ہم اس تذبذب میں پڑ جائیں گے کہ اللہ کی کتاب کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔

جو لوگ صحابیت کے مرتبہ کو حدود سے آگے بڑھا دینا چاہتے ہیں حسب ذیل مثال پر غور کریں:۔

Marfat.com

عبداللہ ابن مسعود کا قرآن

عبداللہ ابن مسعود جلیل القدر صحابی ہیں۔ انھوں نے کعبہ میں سب سے پہلے پبلک طریقہ پر قرآن سنایا اور اس کے صلے میں دشمنان اسلام کی مار کھائی۔ وہ السابقون الاولون میں بھی ہیں۔ اور اصحاب بدر میں بھی شامل ہیں۔ لیکن ان کی سب سے زیادہ شہرت قرآن دانی کے متعلق ہے۔ بخاری کی ایک حدیث میں وہ خود بڑے فخر کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ تمام اصحاب رسول اللہ جانتے ہیں کہ میں ان میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا عالم ہوں۔

لیکن اب کتاب اللہ کے سب سے بڑے عالم" کا یہ اعلان سنئے کہ معوذتین کتاب اللہ میں شامل نہیں (انھما لیستا من کتاب اللہ) اب فرمائیے کہ اتنے بڑے صحابی کی یہ بات آپ مان لیں گے؟ آپ اول تو حیرت میں رہ جائیں گے اور پھر یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ عبداللہ ابن مسعود نے غلطی کی ہے۔

کتاب التفسیر میں بخاری نے آخری حدیث میں یہ بتایا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود کا یہ قول ابی بن کعب کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ سے پوچھ چکا ہوں۔ رسول اللہ مجھے خبر دے چکے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کا جزو ہیں۔

عبداللہ ابن مسعود کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ بخاری کی حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قرآن چار آدمیوں سے یاد کرو عبداللہ ابن مسعود، سالم، معاذ اور ابی بن کعب" اب صحابیت کا غلط تصور قائم کرنے والے بتائیں کہ وہ قرآن سے معوذتین کو نکال دیں گے؟

Marfat.com

ابیّ ابن کعب کا قرآن

ابی بن کعب بھی بڑے درجہ کے صحابی مانے جاتے ہیں عقبہ ثانیہ میں ایمان لائے اور بدر سے طائف تک تمام غزوات میں شریک رہے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چند صحابہ کی قرآن دانی کا اعتراف کیا ہے ان میں سے ایک ابی بن کعب ہیں۔ ایک روایت میں تو ان کو "قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا" کہا گیا ہے۔ عبداللہ ابن مسعود کے دعوے کی اس طرح تردید ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ میں صحابہ میں قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ اس روایت میں یہ بھی تھا کہ جب عبداللہ ابن مسعود منبر پر خطبہ میں یہ دعویٰ کر رہے تھے تو کسی نے ان کی تردید نہیں کی یعنی تمام صحابہ نے جو اس وقت موجود تھے اپنے سکوت سے عبداللہ ابن مسعود کے دعوے کی تصدیق کر دی۔

ابی ابن کعب کے مرتبہ قرآن دانی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ قرآن کا ورد کیا کرتے تھے۔ روایت تو یہاں تک ہے کہ وفات سے قبل جبریل کی ہدایت پر حضور نے ابی بن کعب کو قرآن سنایا تھا۔ بہر حال قرآن کے بارے میں ان کا مرتبہ بہت اعلیٰ تھا۔

لیکن عبداللہ ابن مسعود کے معوذتین کے متعلق عجیب تخیل کی طرح ابی بن کعب کا ایک عجیب تصور تھا۔ وہ موجودہ قرآن سے کچھ زیادہ پڑھا کرتے تھے۔ مسند احمد جلد ۵ میں ایک روایت اس طرح ہے:-

ابی کی قرأت ان کے مرتبہ کے لحاظ سے ساری دنیا میں رائج ہونی چاہئے تھی لیکن اس وقت تک بہت زیادہ نہ پھیل سکی۔ اس کی

وجہ یہ تھی کہ متعدد منسوخ آیات اس میں شامل تھیں۔ حضرت عمر نے بار بار کہا کہ ہم میں ابی بن کعب کا علم قرآن کی نسبت سب سے زیادہ ہے پھر بھی بعض مواقع پر ہمیں اُن سے اختلاف کرنا پڑتا ہے ان کو اصرار ہے کہ انہوں نے جو کچھ سیکھا رسول اللہ سے سیکھا اور یہ سچ ہے لیکن حال یہ ہے کہ متعدد آیات منسوخ ہو چکی ہیں جن کا اُن کو علم نہیں ہے پھر ہم اُن کی قرات پر کیسے قائم رہ سکتے ہیں۔"

اُبی بن کعب کی ان منسوخ التلاوہ آیتوں کا جھگڑا اس وقت بھی نکلا تھا جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن کو "جمع" کیا گیا تھا۔ اُس وقت ان "منسوخ التلاوہ" آیتوں کو نکال دیا گیا اور پھر ان کی قرات تمام عالم اسلامی میں مقبول ہو گئی۔

اس وقت سے پہلے جب ان سے کہا جاتا کہ ان آیات کو کیوں شامل کرتے ہیں تو وہ اصرار کرتے تھے کہ میں نے جن آیات کو رسول اللہ کی زبان سے سُنا ہے انہیں کیوں کر نکال دوں۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں دوسرے صحابہ کے سمجھانے سے راضی ہو گئے تھے کیونکہ جمع قرآن کے فرائض جن کے سپرد کئے گئے تھے اُن کا صدر ان کو ہی بنایا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

کہا جاتا ہے کہ آج جو قرآن رائج ہے وہ ابی بن کعب کی ہی قرات کے مطابق ہے۔

بہرکیف عبداللہ ابن مسعود کے بعد دوسرے جلیل القدر صحابی کے تسوّرات کا اندازہ بھی ہوا۔ کیا ایسے واقعات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابی کے قول کو پتھر کی لکیر سمجھا جائے۔

Marfat.com

قرآن جمع کرنے کے بارے میں بھی جو اقوال صحابہ کے ہیں اُن میں اختلاف ہے۔ انس ایک حدیث بخاری میں فرماتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور قرآن کو نہیں جمع کیا مگر صرف چار آدمیوں نے۔ ابوالدرداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابوزید"

بخاری کی دوسری حدیث میں ہے۔

"قتادہؓ نے کہا کہ میں نے انس بن مالک سے دریافت کیا کہ رسول اللہ کے زمانہ میں قرآن کس نے جمع کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ چار آدمیوں نے اور چاروں انصاریوں میں سے ہیں ابی بن کعب، معاویہ بن جبل، زید بن ثابت، اور ابوزید"

غور کیجئے کہ اس حدیث میں ابی بن کعب ہیں اور پہلی میں ابوالدرداء ہیں۔ اور حدیثیں دونوں بخاری کی ہیں جن کو "صحیح" ہونے کا سرٹیفکٹ دیا جاتا ہے صاف ظاہر ہے کہ ایک حدیث واقعاتی اعتبار سے صحیح ہے۔ اور دوسری غلط ہے لیکن قتادہ اور انس دونوں صحابی ہیں مگر قرآن کے متعلق دو مختلف بیانات اُن کی طرف منسوب ہیں۔ صحابیت کو تنقید سے بالاتر سمجھنے والوں کے لئے یہ احادیث چیستاں بن جاتی ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو بخاری کی احادیث اور صحابہ کی روایات کو درایت کی روشنی میں جانچنے کے حق سے محروم نہیں ہیں حالات کا جائزہ لے کر کسی قابل اطمینان نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

ہم ابھی تو یہ دکھا رہے ہیں کہ قرآن جیسی اہم چیز کے بارے میں صحابہ کرام میں کتنے اختلافات ہیں۔

Marfat.com

منسوخ التلاوہ آیتوں میں ایک آیت ایسی بتائی جاتی ہے جسے حضرت عمرؓ قرآن میں لکھوانا چاہتے تھے مگر قرآن جمع کرنے والوں نے اس لئے وہ آیت نہیں شامل کی کہ اس کے لئے حضرت عمرؓ کے سوا کوئی شہادت نہ تھی۔ اور یہ اصول جمع قرآن کے وقت طے پا گیا تھا کہ جب تک دو شہادتیں نہ ہوں کوئی آیت قرآن میں نہ شامل کی جائے۔ صرف ابو خزیمہؓ انصاری کی لائی ہوئی آیت اس بنیاد پر شامل کر دی گئی کہ رسول اللہ نے اُن کی شہادت دو شہادتوں کے برابر تسلیم کی ہے۔

حضرت عمر کی لائی ہوئی اس آیت کے رد کئے جانے سے کئی قسم کے نتائج سامنے آتے ہیں جو صحابیت کے مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں

ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ تک بھی قرآن کے بارے میں سو فیصدی قابل اعتماد نہیں تھے۔ وفات رسول کے بعد تک بھی حضرت عمرؓ جیسے صحابی ایک آیت لاتے ہیں مگر اُن کو کوئی گواہ نہیں ملتا۔ یہ آیت تھی الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتہ (بوڑھا اور بوڑھی اگر زنا کریں تو اُن کو ضرور سنگسار کر دو)

اگر یہ کہا جائے کہ یہ منسوخ التلاوہ آیت تھی اس لئے اسے قرآن میں نہیں شامل کیا گیا تو یہ کوئی اطمینان بخش توضیح نہیں ہوئی کیونکہ حضرت عمر کو قرآن جمع کرنے کی تحریک کے مالہ وما علیہ کا علم تھا دراصل جمع قرآن کے محرک اوّل خود اُن کی ہی ذات تھی۔ اُن کو یہ معلوم ہونا چاہئے تھا کہ آیا قرآن کی کوئی آیت منسوخ التلاوہ ہو بھی سکتی ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو کیا اسے قرآن میں لکھا جائیگا یا نہیں۔ وہ جب آیت لائے تو ظاہر ہے کہ قرآن میں درج ہونے کے لئے ہی لائے تھے۔ مگر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اسے اس لئے لکھنے سے انکار کر دیا کہ دوسری کوئی شہادت اُس کی تائید میں نہیں تھی۔ نہ ابو بکر صدیقؓ

نے شہادت دی اور نہ زید بن ثابت جو رسول اللہ کے کاتب اور حافظ قرآن تھے انہوں نے ہی شہادت دی تھی۔

اگر بات یہیں تک رہتی تو نتیجہ نکلتا کہ آیت مذکور دراصل وحی نہیں تھی بلکہ رسول اللہ کے کسی قول کو حضرت عمر نے غلط فہمی سے قرآن سمجھ لیا تھا اور جب وہ لائے تو حضرت ابوبکرؓ نے بغیر دوسری شہادت کے لکھنے کی ممانعت کردی اور زید بن ثابت نے اُسے نہیں لکھا۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ صحیح احادیث سے اس آیت کی تائید میں شہادت ملتی ہے۔ بخاری و مسلم دونوں میں یہ حدیث ہے کہ حضرت عمرؓ نے برسر منبر خطبہ میں اس آیت کی موجودگی کا تذکرہ کیا اور صحابہ میں سے کسی نے چوں وچرا نہ کی جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُن کے سکوت نے حضرت عمرؓ کے قول کی تصدیق کردی۔ یہ ایک طرح اجماع صحابہ ہے۔

حدیث بخاری و مسلم میں اس طرح ہے۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر کو خطبہ میں یہ کہتے سنا۔

اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی تو ان چیزوں میں سے جو اللہ نے نازل فرمائیں رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے اس کو پڑھا، یاد رکھا اور سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطابق سنگسار کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا۔ مجھے ڈر ہے کہ جب زیادہ زمانہ گزر جائے تو کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کی آیت کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے پھر وہ لوگ اس فرض کو ترک کرکے گمراہ ہوں گے جس کو خدا نے نازل فرمایا ہے۔ اور رجم کتاب اللہ میں حق ہے شادی شدہ پر مردوں اور عورتوں سے جب دلیل ہو جائے یا حمل رہ گیا ہو یا اُن کو اقرار ہو

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن جیسی بنیادی چیز میں صحابہ کی سوسائٹی میں جمع قرآن سے پہلے کافی گڑبڑ تھی اور پورے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جمع قرآن سے پہلے صحابہ کافی اختلاف کے ساتھ تلاوت کرتے تھے

بخاری میں ایک حدیث کتاب التفسیر میں یہ ہے۔

عن ابن ابی ملیکہ قال ابن الزبیر قلت لعثمان بن عفان والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا قال قد نسختھا الآیۃ الاخری فلم تکتبھا قال یا ابن اخی لا اغیر شیئا منہ من مکانہ	ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے ابن زبیر نے کہا میں نے عثمان بن عفان سے کہا کہ آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے پس اس کو کیوں لکھتے ہو۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے اس میں کسی چیز کو اس کی جگہ سے تبدیل نہیں کروں گا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ تک عبداللہ ابن زبیر جو قرآن پڑھتے تھے اس میں یہ آیت شامل کرتے تھے یا نہیں۔ بخاری کی اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کو قرآن میں شامل نہیں سمجھتے تھے بلکہ جو دلیل اس آیت کو نکال دینے کی انہوں نے دی اس سے واضح ہوتا ہے قرآن کی اور بھی متعدد ایسی آیتوں کو جن کا حکم منسوخ تھا یا ہے عبداللہ ابن زبیر اس قابل نہیں نہیں سمجھتے ہوں گے کہ ان کو مصحف میں لکھا جائے

یہ مثالیں اس لئے دی جا رہی ہیں کہ صحابیت کے متعلق یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ جہاں کسی مذہبی بات کی نسبت صحابی کی رائے معلوم ہوئی اور سر تسلیم خم کر دیا گیا۔ اگر صحابیت کا ایسا غلط معیار قائم کیا جائیگا تو اور چیزیں تو درکنار خود قرآن تک کی تعین مشکل ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ بخاری، مسلم یا

Marfat.com

کسی بھی اور محدث کا کسی حدیث کو صرف اس بنا پر "صحیح" قرار دینا کہ "صحابی" کی سند حاصل ہے اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ حدیث واقعاتی اعتبار سے بھی صحیح ہے۔

بخاری کی حدیث مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے عبداللہ ابن زبیر کے اس خیال کی تردید نہیں کی کہ آیت زیر بحث منسوخ الحکم ہے انہوں نے صرف یہ جواب دیا کہ آیت مذکور مصحف میں موجود ہے میں اُس کی جگہ سے اُسے نکال نہیں سکتا۔ چونکہ حضرت عثمان قرآن کو اُس معنی میں جمع نہیں کر رہے تھے جس معنی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں منتشر اجزا سے جمع کیا گیا تھا بلکہ صرف قراتوں کا اختلاف دور کرنا پیش نظر تھا اس لئے خلیفۂ اوّل کے زمانہ کے اتنے عرصہ کے بعد ابن زبیر کا یہ مشورہ نہایت عجیب ہے۔

مطلب یہ کہ صحابہ کے اختلافات ہمیں دعوت تقلید نہیں بلکہ دعوت فکر دیتے ہیں۔ امت کو ان صحابہ کے سامنے بے چون وچرا جھکا دینا خطرناک ہوگا۔

قرآن کے جمع کرنے کے بارے میں ایک اور بھی پہلو قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ متعدد صحابہ نے تفسیری جملوں کو قرآن میں شامل کر لیا تھا۔ جب کافی شہادت نہ ملنے کے باعث ان کی آیات قرآن میں نہ شامل کی گئی تو بعض نے قبول کر لیا اور بعض اپنی مزعومہ آیتوں کے قرآن ہونے پر اصرار ہی کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صحابہ قرآن غلط پڑھتے ہوں گے۔ اب بتائیے کہ کیا اُن کی "صحابیت" کے باعث آج بھی قرآن کو مختلف طریقوں سے پڑھا جائے؟ ظاہر ہے کہ صحابی کی ہر رائے نہیں مان لی جائیگی بلکہ غور و فکر سے کام لینا پڑیگا۔

Marfat.com

ایک اور مسئلہ بھی سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب قرآن جمع کیا جانے لگا تو مصحف عثمانی کی ترتیب کے کام میں بعض ایسے خاص صحابہ کو شامل نہیں کیا گیا جو بہترین رائے دے سکتے تھے۔ مثلاً حضرت علیؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ اس کام میں شریک نہ تھے۔ متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن جمع کیا تھا۔ عبداللہ ابن مسعود نے بھی ترتیب نزول کا لحاظ کیا تھا۔

ان جلیل القدر صحابہ نے قرآن جمع کرنے میں حصہ لیا وہ بیشک قرآن کے ماہر تھے اور اُن کے مرتبۂ عالی سے انکار کا سوال نہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام لوگ انصاری ہونے کے سبب قرآن کی ان آیات کے نزول کے وقت رسول اللہ کے ساتھ نہیں تھے جو مکہ میں نازل ہوئی تھیں۔ اس لئے قرآن کے نزول کا جہاں تک تعلق ہے حضرت علیؓ سے بہتر علم کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ زید بن ثابت کاتب وحی تھے، حضور کی معیت بھی اُن کو حاصل تھی۔ قرآن سے اُن کو بچپن سے ہی خاص شغف تھا۔ یہ سب کچھ سہی مگر وہ مکی زندگی سے نابلد تھے اور ہجرت کے بعد کی زندگی میں بھی جنگ احد تک بچپن تھا۔ جنگ بدر میں اس لئے شریک نہیں کئے گئے کہ نو عمر (۱۳ برس کے) تھے۔ جنگ احد میں بھی بعض نے اُن کی شرکت تسلیم کی ہے اور بعض نے نہیں قرآن سے اُن کے شغف کی مثال میں یہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اس لڑکے کو انصار نے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس کو قرآن کی سترہ سورتیں یاد ہیں۔ یہ سورتیں اس لڑکے (زید بن ثابت) نے مصعبؓ بن عمیر سے سیکھی تھیں جو ہجرت سے قبل قرآن سکھانے اور تبلیغ کرنے کے لئے مدینہ بھیجے گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس لڑکے کو اس تعارف کے ساتھ پیش کیا گیا تو حضور بہت خوش ہوئے۔ ان تمام باتوں سے

Marfat.com

زید بن ثابت کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جمع قرآن کے لئے ایک اور وجہ بھی درکار تھا کہ مکہ میں نازل شدہ قرآن کے حالات سے اس طرح واقف ہو جس طرح حضرت علیؓ واقف تھے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیقؓ بے شک واقف تھے اور اُن کے ہی حکم سے اُن کے زیر اقتدار قرآن جمع کیا گیا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود جب جمع قرآن کی تفصیلات سامنے آتی ہیں تو حضرت علیؓ کا نام جمع کرنے والوں کی فہرست میں نہ پاکر حیرت بھی ہوتی ہے اور طرح طرح کے خیالات بھی دماغ میں آتے ہیں۔

یہ حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے جبکہ ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد حضرت علی نے فیصلہ کیا تھا کہ سوائے نماز کے چادر اُس وقت تک نہ اوڑھیں گے جب تک قرآن کو جمع نہ کرلیں چنانچہ انہوں نے قرآن جمع کر لیا۔ اگر حضرت علیؓ کا یہ عزم صمیم وفاتِ رسول کے فوراً بعد ہوا اور اُس پر اتنے ذوق و شوق سے عمل کیا گیا تو ظاہر ہے کہ یہ قرآن زیدؓ بن ثابت کے جمع کردہ قرآن سے پہلے ہی جمع ہو گیا ہوگا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کا جمع کردہ قرآن تنزیلی ترتیب کے ساتھ تھا۔ اور غالباً اسی لئے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن جمع کرنے والی کمیٹی میں اُن کو نہیں شریک کیا گیا۔ اور عبداللہ ابن مسعود کو بھی اسی لئے نہیں شریک کیا تھا کہ وہ اپنے قرآن کی ترتیب بدلنے کے لئے تیار نہ تھے

حضرت علیؓ کے قرآن جمع کرنے کی جو روایت ہے محدثین نے اُس کی صحت پر شبہ کیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ کی زندگی ہی میں قرآن جمع کر چکے تھے" اتفاق" میں ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی نے سارا قرآن حفظ یاد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

حضرت علیؓ کا مصحف اب نایاب ہے اگرچہ بعض مصاحف کے دعوے کئے جاتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کے تحریر کردہ ہیں۔ ابن سیرین کا بیان

Marfat.com

ہے کہ انہوں نے بہت جستجو کی مگر یہ مصحف مل نہ سکا۔ عالمگیر جنگ کے زمانہ میں امانات مقدسہ مدینہ سے استانبول بھیجی تھیں اُن میں حضرت علی کے لکھے ہوئے قرآن کا بھی ذکر ہے مگر مزید تفصیل نہ مل سکی۔[1]

دہلی کی جامع مسجد کے میوزیم میں بھی ایک قرآن خط کوفی میں لکھا ہوا حضرت علی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی بابت بھی دعوٰی کیا جاتا ہے کہ مدینہ سے استانبول اور وہاں سے مغل بادشاہوں کے پاس دہلی آیا۔ ایک مغل بادشاہ نے اسے جامع مسجد دہلی میں میوزیم میں رکھوا دیا۔ راقم الحروف نے اس قرآن کا بغور مطالعہ کیا اور بعض اہل علم کو بھی دکھایا لیکن ابھی تک تحقیق ایسے درجہ پر نہیں پہنچ سکی کہ کوئی قطعی رائے ظاہر کر سکوں۔ سرسری جائزہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں" کہ میوزیم کے منتظمین کے دعوٰی کی تائید میں کافی ثبوت نہیں ہیں۔ اس تحقیقات میں اہل فن کے تعاون کی ضرورت ہے۔

قرآن جیسی اہم چیز کے متعلق صحابہ میں جب اتنے اختلافات ہوں تو بغیر تنقید و تحقیق کے ان کی پیروی کیوں کر کی جا سکتی ہے۔ اور اصحابی کالنجوم کا سوال ہی نہیں رہتا۔

یہ اُن صحابہ کا حال ہے جو واقعی جلیل القدر تھے لیکن معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ جیسے صحابیوں کا تو ذکر ہی کیا کیونکہ یہ ایسے صحابہ تھے جن کے لئے اسلامی مفاد کو ذاتی اقتدار پر قربان کر دینا آسان تھا۔ ایسے حالات میں صحابیت کا جو معیار اکثر لوگوں نے قائم کر لیا ہے غلط ہے۔

---

[1] راقم الحروف اُس زمانہ میں روزنامہ خلافت کا مدیر تھا۔ یہ اطلاع ترکی اخبارات پر مبنی ہے واللہ اعلم بالصواب۔ روزنامہ خلافت سے ہندوستانی مصنفین نے یہ خبر لی ہے

مذکورہ بالا بحث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موجودہ قرآن کے جمع و ترتیب میں کوئی نقص رہ گیا ہے۔ اتنی بات عیاں ہے کہ موجودہ قرآن وہ ہے جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوا اور صحابہ کی کثیر تعداد نے اُسے اسی حیثیت سے قبول کیا لیکن اگر حضرت علی کا نزولی ترتیب والا قرآن بھی مل جاتا تو اسلامی انقلاب کی تاریخ سمجھنے میں بڑی آسانی ہوتی جیسا ذیل مثال سے یہ بات عیاں ہو جائیگی۔

سورۂ بقرہ میں ایک آیت یہ ہے وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۔ ۔ ۔ ۔ بِالْمَعْرُوفِ (تم سے جو اپنی بیویاں چھوڑ کر مرجائیں تو وہ چار ماہ دس دن انتظار کریں جب یہ مدت پوری ہو جائے ۔ ۔ ۔ ۔ نکاح کرلیں قاعدہ کے مطابق)

چند آیات کے بعد قرآن میں یہ آیت ہے۔ والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجاً وصیۃ لازواجھم متاعاً الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف (اور جو تم میں سے بیویاں چھوڑ کر مرجائیں اُن کو لازم ہے کہ وصیت کریں اُن کے لئے اتنی متاع کہ وہ ایک سال تک بغیر باہر جائے رہ سکیں پس اگر وہ چلی جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر وہ اپنے دل کی بات کا جائز طور سے عمل کریں۔)

ابن زبیرؓ نے ان میں ایک کو منسوخ اور دوسری کو ناسخ قرار دے کر ایک کو قرآن میں لکھنے سے منع کیا تھا حضرت عثمان نے ان کا مشورہ قبول نہیں کیا لیکن بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس آیت کو ناسخ کہا جاتا ہے وہ پہلے اتری اور منسوخ بعد میں نازل ہوئی جو ناممکن ہے۔ پھر بعض نے کہا ان میں کوئی ناسخ منسوخ نہیں اور توجیہات کرکے بات کو درست کرنے کی کوشش کی۔ یہاں نہ ناسخ و منسوخ کی بحث منظور ہے اور نہ یہ کہ کون سی آیت پہلے اور کون سی بعد میں

نازل ہوئی۔ صرف اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اگر حضرت علیؑ کا نزولی ترتیب والا قرآن محفوظ رہ جاتا تو یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو جاتا کہ کون سی آیت پہلے اور کون سی بعد میں نازل ہوئی کیونکہ پہلے نازل ہونے والی آیت صرف منسوخ الحکم ہو سکتی ہے اور دوسری آیت صرف ناسخ ہو سکتی ہے (بشرطیکہ ناسخ و منسوخ کی بحث میں یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قرآن میں نسخ ہو سکتا ہے)

پھر قرآن میں صحابہ میں سے بعض ایسی آیتوں کے وجود کے قائل تھے جو نہ صرف منسوخ الحکم ہیں بلکہ منسوخ التلاوہ والحکم آیتوں کے بھی قائل تھے۔ یعنی ان آیتوں کی تلاوت بھی منسوخ اور حکم بھی منسوخ ہے۔ ایسی آیتوں کی مثال تو نہیں ہے مگر یہ خیال بعض لوگوں کا ہے کہ قرآن میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ما ننسخ من آیۃ او ننسھا ..... (ہم نہیں منسوخ کرتے یا بھلاتے کوئی آیت مگر اس سے بہتر لاتے ہیں) تو "بھلانے والی" آیات کو ہی منسوخ التلاوہ ماننا چاہیے۔

مختصر یہ ہے کہ منسوخ التلاوہ والحکم کی بحث خواہ غیر مستند روایات پر ہی مبنی کیوں نہ ہو دوسرے مذکورہ مباحث میں معتبر احادیث آتی ہیں اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر صحابیت کے درجہ کو ہم اتنا بلند کر دیں کہ بغیر تنقید صحابہ کے بیانات اور راویوں کو تسلیم کرنے لگ جائیں تو بڑی مصیبت میں پڑ جائیں گے۔

صحیح بات یہ ہے کہ صحابہ کا سماج بحیثیت مجموعی نمونہ کا سماج تھا مگر انفرادی طور سے صحابہ میں منافق، فسادی، ضدی، بے عقل، خود پسند، اقتدار پرست مکار، اور سب ہی قسم کے لوگ پائے جاتے تھے۔ ان میں سب سے خطرناک وہ تھے جو اندر آ کر اسلامی شیرازہ کو بکھیرتے تھے۔ ان کی غلطیاں اجتہادی نہیں تھیں بلکہ شرارت پر مبنی تھیں۔ ان مفسدہ پردازوں کی حرکات اسی صورت سے بے نقاب ہو سکتی ہیں جبکہ ہم صحابیت کے تصور میں اصلاح کریں۔

Marfat.com

(۶)

صحابہ اور حدیث

قرآن کے بارے میں یہ ثابت ہو گیا کہ صحابہ کی عظیم الشان خدمت کے باوجود ہمیں تصویر کے روشن رُخ کے ساتھ تاریک رُخ پر ایک نظر ڈالنی ہے اگر صحابیت کا وہ غلط معیار تسلیم کر لیا جائے جو بعض لوگ خصوصاً معاویہ کے حامی چاہتے ہیں تو بڑی الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔

اب حدیث کے بارے میں جو مشکلات پیدا ہوتی ہیں اُن پر غور فرمائیے۔

بی بی عائشہ رض اور زید بن ثابت کی شخصیتیں مشہور ہیں۔ لیکن مسند میں ایک واقعہ موجود ہے جس میں زید بن ثابت نے بی بی عائشہ کو ایک غلط مسئلہ بتانے پر بہت ڈانٹا ہے۔ روایت یوں ہے کہ بی بی عائشہ نے زبیر کی اولاد کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد میرے گھر میں دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ زبیر کی اولاد نے سنت رسول سمجھ کر نماز عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنی شروع کر دیں زید بن ثابت کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے غصہ فرمایا اور کہا اللہ عائشہ کی مغفرت کرے انہوں نے غلط بات بتائی ہیں اُن سے زیادہ جانتا ہوں۔ واقعہ کی نوعیت یہ تھی کہ ظہر کی نماز کے بعد ایک وفد ملنے آ گیا تھا جس سے آپ گفتگو میں مشغول رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا اور آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی اور گھر جا کر یاد آیا کہ ظہر کی نماز کے بعد سنتیں نہیں پڑھیں۔ لہٰذا وہ سنتیں رسول اللہ نے ادا کر لی تھیں ور

Marfat.com

عصر کی نماز کے بعد آپ نے کوئی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔

غور کیجئے کہ بی بی عائشہ رض کا اہلِ سنت میں بحیثیت راوی کتنا بلند مرتبہ ہے وہ بات تو سچی کہہ رہی ہیں مگر واقعہ کا پورا علم نہ ہونے کے باعث واقعہ کے بعض نہایت اہم پہلو ایسے رہ جاتے ہیں کہ اُن کے ظاہر نہ ہونے سے مسئلہ کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اس خاص حدیث کی تو زید بن ثابت نے اصلاح کر دی لیکن یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ بعض غلط مسائل حدیث کی شکل میں ایسے بھی غلط فہمی سے بیان ہو گئے ہوں جن کی اصلاح کا موقع نہ ملا ہو۔ لیکن چونکہ بی بی عائشہ کی روایت ہے اس لئے اُسے "صحیح" قرار دیا جائے گا اور کسی اسلامی مسئلہ پر بالکل غلط رہنمائی ہو جائے گی۔

خود بی بی عائشہ نے بعض صحابہ کی روایت کو جھٹلایا ہے اور جب اُن سے کہا گیا کہ آپ رسول کے صحابیوں کو جھٹلاتی ہیں تو بی بی عائشہ نے فرمایا یہ لوگ جھوٹ نہیں بول رہے ہیں بلکہ ان کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔

یہ دونوں واقعات تو ایسے ہیں جن میں بی بی عائشہ جھٹلاتی ہیں اور جھٹلائی جاتی ہیں۔ حالانکہ محدثین ان ہی بی بی عائشہ سے متعدد احادیث بے چون و چرا قبول کرتے ہیں۔ مگر حضرت عمر رض کو لیجئے۔ اُن کے سامنے ایک صحابیہ فاطمہ بنت قیس ایک حدیث بیان کرتی ہیں جس میں خود اپنے اوپر گزرا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ جب اُن کے شوہر نے اُن کو طلاق بائن دی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئی تھیں اور اُن سے پوچھا تھا کہ مجھے نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں تو رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ "نہیں"

علامہ شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں:۔

فاطمہ نے یہ روایت حضرت عمر کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رض نے

نے کہا لانترک کتاب اللہ بقول امرءۃ لاندری حفظت

اونسیت یعنی ہم قرآن ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ

سکتے معلوم نہیں اُس کو حدیث یاد رہی یا نہیں۔

(الفاروق جلد دوم صفحہ ۱۷۹)

قرآن کی جس آیت کی طرف حضرت عمر کا اشارہ ہے وہ ہے اسکنو ھن من حیث سکنتم۔ حضرت عمر کے اس فیصلہ پر کافی اختلاف ہے لیکن حضرت ایوب کے جواب میں ایک بات یہ قابل توجہ ہے کہ وہ روایت حدیث میں عورت کو اگرچہ صحابیہ ہے کم درجہ دے رہے ہیں اور اُس کے حفظ و نسیان کو محض عورت ہونے کے باعث بحث میں لا رہے ہیں حالانکہ حدیث کا تعلق خاص عورتوں کے مسائل سے ہے

الفاروق میں ایک اور واقعہ نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں سے بعض نہ صرف گناہ کبیرہ کرتے تھے بلکہ اُس کی بیچ میں قرآن کی آیات تک استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہے۔

"ایک دفعہ مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں ماخوذ ہو کر حضرت عمر کے سامنے آئے حضرت عمر نے سزا دینی چاہی انہوں نے کہا قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پہ سزا کے مستوجب نہیں ہو سکتے" پھر یہ آیت لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا (یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کئے انہوں نے جو کچھ کھایا پیا اُن پر الزام نہیں) استدلال میں پیش کر کے کہا کہ "میں بدر، حدیبیہ، خندق اور دیگر غزوات میں آں حضرت کے ساتھ رہا ہوں اس لئے میں اُن لوگوں میں داخل ہوں جن

نے اچھے کام کئے۔ حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ بن عباس بولے کہ یہ معانی پچھلے زمانہ کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے شراب پی اُن کے اگر اعمال صالح ہیں تو اُن پر کچھ الزام نہیں اُس کے بعد یہ آیت پڑھی جس میں شراب کی ممانعت کا صریح حکم ہے یاایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ

(الفاروق جلد دوم ۲۲۳ بحوالہ ازالۃ الخفا)

اگرچہ اس روایت کو قبول کرنے میں دل پس وپیش کرتا ہے کیونکہ بدری صحابہ کا عالی مرتبہ ہونا ثابت ہے اور اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بدر کے بعد بھی غالباً ان کی شراب نوشی کا سلسلہ جاری رہا کیونکہ قرآن کی ایک آیت سے انہوں نے وجہ جواز بھی پیدا کرلی تھی لیکن یہ واضح رہے کہ صاحب ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ اور علامہ شبلی دونوں پر یہ الزام نہیں آسکتا کہ صحابہ کی تنقیص کے لئے کسی شیعہ ماخذ سے یہ روایت لے لی ہوگی۔ یہ دونوں بزرگ شیعہ مسلک خیال کے سخت مخالف تھے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حاکم سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ ایسے اسناد کے باعث ہم اس واقعہ کو لکھنے پر مجبور ہوئے

علاوہ بریں ایک اور بدری صحابی مسطح بھی تو تھے جنہوں نے رسول اللہ کی پیاری بیوی عائشہ پر تہمت لگائی تھی۔ اور واقعہ بخاری و مسلم کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔

اوپر کے واقعہ سے ایک اور بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جب ایک بدری صحابی قرآن کی آیت کو مے نوشی کے جرم کی تائید میں استعمال

کر سکتا ہے تو اُسے جھوٹی حدیث بیان کرنے میں کیا باک ہو سکتا ہے۔ اور جب ایک بدری صحابی بی بی عائشہ پر تہمت لگا سکتا ہے تو اُسے رسول اللہ کی جھوٹی حدیث بیان کرنے میں کیا پس وپیش ہو سکتا ہے۔

اگرچہ معاویہ پر ایک مستقل باب آگے آئے گا مگر یہاں انکا اشارہ کرنا ضروری ہے کہ یہ واقعات مستند کتابوں سے اُن صحابہ کے پیش کئے جا رہے ہیں جو جلیل القدر تھے مگر معاویہ جیسے صحابی کی تو یہ حالت تھی کہ رسول اللہ کے درجنوں اولوالعزم اور جلیل القدر صحابہ کے واقعات زندگی میں بتایا گیا ہے کہ جب اُن کو اقتدار پرست حاکم کی بدعات وخرافات کے مقابلہ میں جرأت مندانہ تبلیغ کی ضرورت ہوتی تھی تو دمشق جا کر معاویہ کو زجر و توبیخ کرتے تھے کیونکہ اس "صحابی" کے ہاں جرائم کی کوئی کمی نہیں تھی۔ صحابیت کا پست ترین درجہ معاویہ کی زندگی میں نظر آتا تھا۔ مگر یہ واقعات آگے آئیں گے۔

اب ہم ایک ایسے صحابی کی مثال پیش کرتے ہیں جس نے دوسرے صحابی پر زنا کا الزام لگایا اور چونکہ شہادت آئینی حیثیت سے مکمل نہ ہو سکی اس لئے یہ صحابی شریعت کی اصطلاح میں قاذف قرار پایا۔ اُسے قذف کے قانون اسلامی کے تحت کوڑوں کی سزا دی گئی مگر چونکہ اس نے رجوع نہیں کیا بلکہ زنا کے متعلق اپنے بیان پر مصر رہا لہذا قانون اسلامی کی رو سے اس کی شہادت آئندہ قابل قبول نہیں رہی۔ لیکن ابوبکرہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا اصلی نام نفیع الثقفی تھا۔ تہذیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں بتایا گیا ہے کہ ابوبکرہ سے ایک سو بتیس احادیث مروی ہیں۔ آٹھ ایسی ہیں جن پر بخاری و مسلم دونوں نے اتفاق کیا ہے اور پانچ پر صرف بخاری نے اتفاق کیا ہے مسلم نے بھی دوسری لی ہیں۔ ۵۱ھ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

Marfat.com

اب غور فرمائیے کہ ایک طرف تو ان کو معزز صحابی قرار دیا جاتا ہے۔ ان سے محدثین احادیث روایت کرتے ہیں اور ابن حجر عسقلانی کے بقول :-
"ابو بکرہ وھو نفیع الثقفی الصحابی مشہور" ہیں۔ دوسری طرف ان کی شہادت مغیرہ کے زنا کے مقدمہ میں ناکام ہو جاتی ہے تو حضرت عمران کو کوڑے مارنے کے بعد کہتے ہیں کہ آئندہ تمہاری شہادت صرف اس حالت میں قبول کی جائے گی جب کہ تم یہ اقرار کرو کہ تم نے اس مقدمہ میں جھوٹ بولا۔ اور توبہ کرو۔

قال لھم من اکذب نفسہ قبلت شہادتہ فی مایستقبل ومن لم یفعل لم اجز شہادتہ فاکذب شبل نفسہ ونافع وابی ابکرہ ان یفعل
(فتح الباری۔ کتاب الشہادت

(عمر نے) کہا جس نے اپنے قول کو جھٹلایا تو مستقبل میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی اور جس نے ایسا نہیں کیا تو اسکی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی تو شبل اور نافع نے تو اپنی شہادت کو جھٹلا دیا۔ مگر ابو بکرہ نے انکار کر دیا۔

ہم محدثوں کی اس بحث پر تبصرہ بخوف طوالت نہیں کرنا چاہتے کہ ایک آدمی کی شہادت جب قابل قبول نہیں تو اس سے حدیث کی روایت کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اور بخاری نے ابو بکرہ کے قاذف ہونے کے باوجود ان کی متعدد روایات احادیث کیوں قبول کیں۔ اتنا لکھنا کافی ہے کہ بعض محدثین نے بخاری کے اس طریق کار پر تعجب کیا ہے اور بعض کو بخاری کے طرز عمل کی تاویل کرنی پڑی ہے۔

اس واقعہ میں چار صحابہ کے کیریکٹر کا سوال ہے اور یہ طے کرنا ہے کہ کیا ان صحابہ سے روایات احادیث لی جا سکتی ہیں اور کیا ان جیسے صحابہ کو حدیث کے بارے میں بغیر تنقید قبول کیا جا سکتا ہے۔ یہ چار صحابہ

ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ۔ (جن پر الزام تھا کہ انہوں نے زنا کیا) ابوبکرہ۔نافع بن الحرث اور شبل بن معبد۔ پانچواں آدمی اس مقدمہ میں زیاد (ابن سمیہ) تھا مغیرہ حضرت عمر کے زمانہ میں بصرہ کا گورنر تھا۔ اس کے زنا کا واقعہ مختلف ذرائع سے حدیث و تاریخ کی کتابوں میں آیا ہے۔ المستدرک اور بعض دیگر کتابوں میں پوری تفصیل ہے۔ مختصر واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جس عورت کے ساتھ زنا کا الزام ہے وہ ابوبکرہ کے ہمسایہ میں رہتی تھی۔ ابوبکرہ اور چند دیگر آدمی رات کو بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ انھوں نے مغیرہ کو دیوار کی آڑ میں چھپتے ہوئے جاتے دیکھا۔ ان لوگوں کو تعجب ہوا اور ٹوک کر پوچھا کہ آپ اسوقت کہاں چلے مغیرہ نے جو جواب دیا وہ ان لوگوں کے لئے تسلی بخش نہ تھا پھر جس مکان میں مغیرہ گھسا اس میں ابوبکرہ کی معلومات کے مطابق تنہا عورت تھی ابوبکرہ نے ایک آدمی سے کہا کہ تو ذرا دیوار پر چڑھ کے کھڑکی سے دیکھ کہ اندر کیا معاملہ ہے۔ اس نے بتایا کہ مغیرہ عورت کے ساتھ زنا کر رہے ہیں۔ ابوبکرہ، نافع، شبل اور زیاد نے بھی دیکھا۔ ابوبکرہ نے جب حضرت عمرؓ کو اطلاع بھیجی تو انہوں نے ابوموسیٰ اشعری کو بھیجا کہ مغیرہ کو معزول کر کے مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیں اور ابوبکرہ اور دوسرے گواہوں کو بھی بھیجیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ مدینہ آئے اور مقدمہ شروع ہوا۔ ابوبکرہ، نافع اور شبل نے زنا کی مکمل گواہی دی (واضح رہے کہ زنا کی مکمل گواہی شریعت میں اس وقت ہوتی ہے جبکہ گواہ یہ کہہ سکے کہ میں نے اپنی آنکھ سے مرد و عورت کو اس حالت میں دیکھا کہ...... داخل تھا) اگر وہ دخول کی چشم دید شہادت نہیں دے سکتا تو شہادت ناقص ہے اور ایسی گواہی کی بنیاد پر مجرم پر حد نہیں لگائی جا سکتی۔ اس مقدمے میں تین شہادتیں مکمل تھیں۔ لیکن زیاد نے صرف اتنی شہادت دی:

رأيت منظرا قبيحا وما ادری اخالطها

ام لا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا رأیتھما فی لحاف وسمعت نفسا عالیا ولا ادری ما وراء ذلک (یعنی میں نے ان کو ایک کپڑے میں دیکھا اور یہ سنا کہ کپڑے کے اندر ان کے سانس زور زور سے چل رہے تھے آگے میں نہیں جانتا کیا ہو رہا تھا۔

تاریخوں میں یہ بات موجود ہے کہ زیاد اور مغیرہ میں دوستی تھی۔ اس نے دوست کو بچانے کے لئے ایسی گول مول بات کہہ دی کہ چوتھی شہادت "مکمل" نہ ہو سکی۔ بلکہ ادھوری رہ گئی اور قانون کے مطابق یا صحیح تر، یوں کہنا چاہئے کہ قانون کے الفاظ کے مطابق مغیرہ کو بری کر دیا گیا۔ اور ابوبکرہ، نافع اور شبل کو جھوٹی "گواہی کے لئے کوڑے لگوائے گئے۔

ظاہر ہے کہ قانون کے تقاضے پورے ہو گئے۔ مگر مغیرہ کی صحابیت کے باوجود ایک غیر جانبدار مورخ یا طالب علم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہے گا کہ مغیرہ نے زنا کیا۔ اور ابوبکرہ، نافع اور شبل بے گناہ تھے۔

حضرت عمر کے زمانہ کے بعد مغیرہ کے جو جرائم دنیا نے دیکھے ان سے ابوبکرہ کی بے گناہی کی اور بھی تصدیق ہوتی ہے اس واقعہ کے بعد ابوبکرہ گوشہ نشین ہو گئے۔ اور مغیرہ کھل کھیلے۔

یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مغیرہ کے کیریکٹر میں جہاں اور جرائم تھے وہاں عورت کے بارے میں اس کی کمزوری مورخین کی اس شہادت سے ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں ایک ہزار عورتوں کے ساتھ نکاح کئے تھے۔ تاریخ تو در کنار اسماء الرجال کی کتابوں تک میں لکھا ہے قیل احصن الف امراۃ (کہا گیا ہے کہ اس نے ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا تھا۔) (تذھیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال)

Marfat.com

لیکن اسی مغیرہ سے ایک سو چھتیس احادیث مروی ہیں۔ اور بخاری و مسلم تک اس کی روایت آئی ہے۔

یہی وہ شخص تھا جس نے معاویہ کو یزید کی ولی عہدی کے لئے تیار کیا اور بقول بعض مورخین یہ کہا تھا کہ میں نے معاویہ کو ایسے گڑھے میں ڈھکیل دیا کہ اس سے کبھی نہ نکل سکے گا۔

سوال یہ ہے کہ کیا ایسے "صحابی" کی حدیث پر اعتماد کرنا جائز ہوگا کیا مقدمۂ زنا میں اس کے مجرم ہونے میں کسی بھی صاحب عقل و خرد کو ذرا بھی تکلّف ہو سکتا ہے ؟

مغیرہ کا ذکر اور حیثیتوں سے آگے آئے گا مگر یہاں اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ بے شک رسول کی صحبت بڑی نعمت تھی مگر اس صحبت میں بعض ایسے لوگ گھس آئے تھے جو صحابیت کے مرتبۂ عظیم کو بدنام کرنے والے تھے۔ یہ توڑ پھوڑ اور رخنہ اندازی کے لئے صحابی بن گئے تھے۔ ان کی روایت کی ہوئی احادیث کو قبول کرنا نہایت عجیب بات ہے۔

اس نے اگر ایک ہزار عورتوں سے نکاح کیا تو کتنی لونڈیوں کے ساتھ ہم صحبت ہوا ہوگا۔ اور کتنی عورتوں کی عصمت پر ڈاکے ڈالے ہوں گے فاعتبروا یا اولی الابصار

معاویہ کی سرگرمیوں میں جتنے بھی صحابہ مددگار تھے ان سب کا بلا استثناء یہی حال تھا۔ ان سے کسی حدیث کو لینا اسلام پر ظلم کرنا ہے۔

اب ذرا چوتھے گواہ زیاد کے حالات پر نظر ڈالیے۔

نوٹ:
اس واقعہ میں شبل کو صحابی بتایا گیا لیکن اسکے صحابی ہونے میں اختلاف ہے [illegible]

Marfat.com

مغیرہ کے مقدمۂ زنا میں زیاد کی اختلافی شہادت کی بنیاد پر ابوبکرہ جیسے صحابی کی شہادت اور دوسرے دو صحابیوں کی تائیدی شہادت کو رد کر دینا قانون کے الفاظ کی بنا پر ضرور ایک معنی رکھتا ہے مگر مغیرہ جیسے صحابی کی روایت حدیث کو تسلیم کرانے اور اسے صحابیت کی بنا پر عادل قرار دینے کے خلاف ہے۔ اگر ہم کھینچ تان کے حضرت عمر کے فیصلہ کو صرف رجم نہ کرنے کی حد تک صحیح بھی مان لیں تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ انھوں نے نافع، شبل اور ابوبکرہ کو اپنی شہادت کو جھٹلانے پر کیوں مجبور کیا۔ اور مزید حیرت اس پر ہے کہ ان تین[3] صحابیوں میں سے دو[2] نے اپنی شہادت کو واپس لے کر عمر کے مطالبہ کو کیسے پورا کیا۔ اگر واقعی ان لوگوں نے جھوٹی گواہی دی تھی تو ایسے صحابیوں کی روایت کردہ حدیث پر کیونکر اعتبار کیا جا سکتا ہے نیز یہ کہ ابوبکرہ نے اپنی شہادت کی تکذیب نہیں کی تو ان کی شہادت کسی معاملہ میں بھی کیونکر قبول کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ قرآن نے صاف اعلان کر دیا ہے۔

والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یاتوا باربعۃ شھدآء فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا واولٰئک ھم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذٰلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم

(سورۃ النور)

اور جو لوگ پاکباز عورتوں پر زنا کا الزام لگائیں اور چار گواہ نہ لا سکیں تو ان کے اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ وہ فاسق ہیں سوائے ان کے جو بعد میں توبہ کر لیں اور اصلاح کریں تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔

فتح الباری میں ابن حجر نے بخاری کی حدیث کی شرح میں شہادت قذف کی بحث میں حضرت عمر کے اس فیصلہ کا ذکر قرآن کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی میں ہی کیا ہے۔ اس آیت کی رو سے ابوبکرہ فاسق ٹھہرتے ہیں۔ وہ نہ صرف فاسق

Marfat.com

قرار پاتے ہیں بلکہ ایسے فاسق جن کو اپنے فسق پر اصرار تھا اور حضرت عمرؓ کے مشورہ
بلکہ تاکید کے باوجود ان کو اپنی شہادت پر اصرار رہا۔ لیکن ایسے فاسق صحابی کی
ایک سو تیس احادیث موجود ہیں۔ اور اگر ابوبکرہ سے احادیث کی روایت جائز
قرار دی جائے تو مغیرہ سے بھی ساتھ ہی روایت کیونکر جائز قرار دی جا سکتی ہے
مگر مغیرہ سے بھی ۱۶۳۔ احادیث مروی ہیں۔

معاملہ فہمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ زیاد کی شہادت پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی جائے کیونکہ جہاں تک حدیث کی روایت کا تعلق ہے ان سب گواہوں کی وہ زندگی بھی قابل غور ہے جو مقدمۂ زنا کے بعد گزری۔ زیاد کی ابتدائی زندگی بہت اچھی گزری اگرچہ وہ حرام کی اولاد تھا۔ مگر اسلام کی نظر میں سب بچے بطن مادر سے معصوم اور قرآن کے الفاظ میں "احسن تقویم" کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اسلام نے زیاد کے لئے ترقی کے راستے کھول دیے تھے۔ وہ ذہین و مستعد آدمی تھا اس لئے اسے حضرت عمرؓ اور حضرت علی دونوں نے موقع دیا۔ مگر معاویہ نے اسکے لئے مکر و خدع کا جال بچھایا۔ اور اس کے دماغ میں یہ خناس پیدا کر دیا کہ وہ بجائے زیاد بن سمیہؓ کے زیاد بن ابی سفیان کہلائے۔ معاویہ کا یہ اقدام دونوں کے لئے ذلت و بدنامی کا باعث تھا۔ زیاد کے لئے اس لئے کہ اس کی ماں کے لئے زانیہ ہونے کی شہرت ہوتی تھی اور معاویہ کے لئے اس لئے کہ اس کے باپ کے زانی ہونے کی تشہیر ہوتی تھی۔ لیکن زیاد نسلی امتیاز کا بھوکا تھا۔ اور معاویہ پر اقتدار پرستی کا بھوت سوار تھا۔ دونوں نے اپنے اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لئے سازش کی۔ اور اسلام کی تاریخ میں "استلحاق" کے شرمناک باب کا اضافہ کر دیا خانۂ خدا میں ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں اس امر کی شہادتیں لی گئیں کہ جس نطفہ سے زیاد پیدا ہوا ہے وہ معاویہ کے باپ ابوسفیان ہی کا نطفہ تھا۔ اس لئے زیاد ابوسفیان کا بیٹا اور معاویہ کا بھائی ہے۔ اہل سنت کے تمام

Marfat.com

محدثین و مورخین اس بات پر احتجاج کرتے ہیں۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک فیصلہ کن اصول قائم کر گئے ہیں کہ الولد للفراش والعاھر حجر" (بچہ اس کا ہوتا ہے جو قانوناً شوہر ہو۔ اور زانی کے لئے پتھر ہے) اس خاص معاملہ میں بجائے پتھر کے زانی کی طرف بیٹے کی نسبت کی جا رہی ہے۔

یہ بات نہیں ہے کہ زیاد کا اس شرمناک مجلس کے انعقاد سے کوئی مطلب نہ تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ شہادتوں کے وقت وہ خود مجلس میں موجود تھا۔ کیونکہ ایک شہادت میں جب گواہ نے بیان کیا کہ ابی سفیان نے عورت کی خواہش ظاہر کی تو سمیہ کو پیش کیا گیا۔ جب وہ زنا کر چکا اور سمیہ باہر نکلی تو اس کے شرم کے مقامات سے منی ٹپک رہی تھی۔ جب گواہ نے یہ بات بیان میں کہی تو زیاد چلا اٹھا کم بخت گواہی دیتا ہے یا گالیاں دیتا ہے۔

یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ اس زمانہ کی عرب سوسائٹی میں تمدن ایسا تھا کہ اس قسم کی پبلک شہادتوں سے ابوسفیان کے بیٹے معاویہ اور سمیہ کے بیٹے زیاد کی توہین نہیں ہوتی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو معاویہ کا چچا عبدالرحمٰن وہ اشعار نہیں کہتا جن میں ایک شعر یہ ہے :-

اتغضب ان یقال ابوک عفٌ ۔۔۔ وترضیٰ ان یقال ابوک زانٍ

[ترجمہ: کیا تو اس پر غصہ میں آجاتا ہے کہ تیرے باپ کو صاحب عفت کہا جائے اور اس پر راضی ہوتا ہے کہ تیرے باپ کو زانی کہا جائے ؟]

تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ اکثر صحابہ جو اس وقت زندہ تھے "استلحاق" کی اس مجلس کو اصول اسلام کے خلاف سمجھتے تھے اور اس بارے میں انھوں نے اپنی رائے کو پوشیدہ بھی نہ رکھا تھا۔ لیکن معاویہ نے اقتدار کا جال ایسا پھیلایا ....

تھا کہ کم از کم شام میں ایسی فضا ہو گئی تھی کہ معاویہ کے مقابلہ میں کسی کو منظم مقابلہ کی ہمت نہ تھی۔ طبری میں معاویہ کا ایک پیام ہے جو معاویہ نے حضرت علیؑ کو بھیجا تھا اس میں بڑے فخر کے ساتھ کہا تھا "علی سے کہدینا میں نے اپنے مقلدین کی ایسی جماعت پیدا کر لی ہے جو میرے کہنے پر بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھنے کو تیار ہو جائیں گے"

بہرکیف استلحاق کا یہ شرمناک مظاہرہ معاویہ نے کرایا اور صرف اس لئے کرایا کہ زیاد کو حضرت علی کی جماعت سے توڑ کر اپنی طرف لانا مقصود تھا معاویہ کا مقصد اس مجلس استلحاق منعقد کرنے سے کیا تھا اس بارے میں مورخین یا محدثین میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اہل تشیع تو درکنار اہل سنت میں بھی کوئی محدث یا مورخ ایسا نہیں ملا جو معاویہ کے اس فعل کی تائید کرتا ہو۔ لیکن صحابیت کے اس غلط تصور کے باعث معاویہ کی روایت کردہ احادیث قبول کر لی جاتی ہیں۔ یہ کہہ کر کہ صحابی تھا جرائم کی طویل فہرست پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور بعض جرائم کی تاویل بھی اسی جذبہ کے تحت کی جاتی ہے کہ معاویہ صحابی تھے۔ اور صحابی کی روایت اس کے چال چلن کی تحقیق کے بغیر قبول کر لینی چاہئے۔

رسول اللہ کے فرمان "الولد للفراش" کے خلاف خود کو ابوسفیان کا بیٹا ظاہر کرنے کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ اس نے بی بی عائشہ کو اس بارے میں فریب دے کر اپنے مقصد کی تائید میں ایک سرٹیفکیٹ لینے کی کوشش کی۔ یہ واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ عربوں میں رواج ہے کہ خط لکھتے وقت اوپر یہ لکھتے ہیں من فلاں ابن فلاں الی فلاں ابن فلاں (یہ خط ہے فلاں ابن فلاں کی طرف سے فلاں ابن فلاں نام) زیاد نے ایک خط بی بی عائشہ کو لکھا۔ بظاہر اس میں اس کی ولدیت کا کوئی ذکر نہ تھا۔ اور نہ کوئی رائے طلب کی گئی تھی۔ صرف خط میں رواج کے مطابق اتنا تھا کہ "یہ خط ہے زیاد ابن ابی سفیان کی طرف سے ام المومنین عائشہ کے نام"

Marfat.com

زیاد کو امید تھی کہ بغیر کچھ غور و فکر کے وہ جواب میں رواج کے مطابق لکھ دیں گی "یہ خط ہے عائشہ ام المومنین کی طرف سے زیاد بن ابی سفیان کے نام " اور پھر اس خط کو سرٹیفکیٹ کے طور پر استعمال کیا جا سکے گا۔ اور ہر ایک سے کہا جا سکے گا کہ ام المومنین عائشہ بھی زیاد کو " ابن ابی سفیان " سمجھتی ہیں۔ لیکن بی بی عائشہ اس فریب کو سمجھ گئیں اور انھوں نے جواب دیتے ہوئے لکھا " یہ خط ہے عائشہ ام المومنین کی طرف سے اپنے بیٹے زیاد کے نام "۔ چونکہ وہ " ام المومنین " تھیں اور زیاد نے بھی اپنے خط میں اُن کے اس منصب کو نمایاں کیا تھا اس لئے انھوں نے زیاد کی ولدیت کے مسئلہ کی بحث سے بچنے کے لئے ام المومنین کے رشتے کا استعمال کرتے ہوئے لکھ دیا کہ یہ خط " ام المومنین کی طرف سے اپنے بیٹے زیاد کے نام ہے "۔ جب یہ جواب بی بی عائشہ کی طرف سے زیاد کے پاس پہنچا اور اس نے اپنے مقصد کو فوت ہوتے پایا تو بہت غضبناک ہوا۔ اس کے بھائی نے سمجھایا بھی کہ تیرے لئے کیا یہ کم عزت ہے کہ ام المومنین عائشہ تجھے اپنا بیٹا لکھ رہی ہیں۔؟

مختصر یہ کہ زیاد نے حضرت علی کا ساتھ چھوڑ کر معاویہ کے کیمپ میں داخلہ قبول کر لیا۔ حضرت علی نے زیاد کو متنبہ بھی کر دیا تھا کہ معاویہ مختلف طریقے اختیار کرے گا مگر زیاد کے سر پر اقتدار اور شرارت کا بھوت سوار ہو چکا تھا اس نے زندگی کا نیا ورق الٹا۔ معاویہ کے کیمپ میں آنے کے بعد اس نے اہل بیت کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ اور یہی مفسدانہ پالیسی ورثہ میں اس کے بیٹے ابن زیاد کو ملی تھی۔

یہ بحث اپنی جگہ آئے گی۔ یہاں تو صرف یہ بتانا منظور رہا ہے کہ جن صحابہ کی زندگی میں ایسے شرمناک واقعات ہوں ان کی احادیث کو محض صحابیت کی بنا پر قبول کر لینا احتیاط کے خلاف ہے۔ مطلب یہ کہ معاویہ اور مغیرہ جیسے صحابیوں کی

Marfat.com

روایت کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اور ابو بکرہ کا طرز عمل اگرچہ تاریخی واقعات کی روشنی میں بالکل قابل اعتراض نہیں۔ لیکن اصطلاحی و فنی نقطۂ نظر سے ان کی روایت کردہ احادیث کو بھی رد کرنا پڑے گا کیونکہ وہ قازف ہیں۔ اور انھوں نے توبہ کرنے اور اپنے بیان کو جھٹلانے سے انکار کردیا قرآن کی رو سے ان کی شہادت کبھی نہیں قبول کی جاسکتی اور وہ فاسق قرار پاگئے۔ اب بتلائیے کہ محض صحابیت کی بنا پر کیسے کوئی حدیث قبول کی جاسکتی ہے اسکے متعلقہ حالات پر بھی تو غور و فکر کی ضرورت ہے۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ صحابیت کے پہلو کو بالکل نظر انداز کردیا جائے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ تمام صحابہ عدول ہیں۔ اور اس کا تو سوال ہی نہیں کہ صحابہ میں سے جس کی بھی اقتدا کرلو ہدایت پا جاؤگے۔

حدیثوں کی روایت کے علاوہ حدیثوں کے مطلب و تعبیر میں جلیل القدر صحابہ میں اتنا اختلاف ہے کہ ایک مسلمان محض صحابیت کی بنیاد پر کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا جنگ صفین کے متعلق صحابہ میں کئی گروہ پائے جاتے ہیں۔

پہلا گروہ وہ تھا جو حضرت علی کو خلیفہ برحق سمجھتا ہوا ان کی طرف سے معاویہ کے مقابلہ میں جنگ کرتا تھا صحابہ کی بہت بڑی اکثریت اسی خیال کی تھی۔ اور انصار تو عموماً معاویہ کے مخالف ہی تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق صرف ایک۔ اور بعض کے مطابق دو انصار معاویہ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور یہ بھی حق و ناحق کے اصول پر نہیں۔ بلکہ ذاتی تعلقات کی بنا پر شریک ہوئے تھے۔

دوسرا گروہ صحابہ کا وہ تھا جو جنگ صفین میں معاویہ کا طرفدار تھا اس گروہ کی تعداد کم سہی تاہم چند صحابہ کا ذکر خاص طور سے آتا ہے۔

تیسرا گروہ وہ تھا جو اس جنگ سے اس دلیل سے الگ رہنا چاہتا تھا کہ رسول کی احادیث کے مطابق جب مسلمانوں میں باہمی جنگ ہو تو اس سے علیحدہ رہنا

Marfat.com

ضروری ہے۔ حدیث کے مطابق اپنی تلوار لکڑی کی بنا لینی چاہیئے۔

چوتھا گروہ صحابہ کا وہ تھا جو جنگ صفین کی ابتدا میں تو جنگ سے علیحدہ رہنے میں احادیث رسول کی پیروی سمجھتا تھا۔ مگر دوران جنگ میں، خصوصاً عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد لکڑی کی تلوار والی حدیث کو چھوڑ کر حضرت علی کی طرف سے اسلئے میدان جنگ میں آگیا کہ حدیث رسول کے مطابق عمار بن یاسر والی جماعت حق پر تھی۔ اور مخالف جماعت باطل پر تھی۔

مثلاً ایک جلیل القدر صحابی خزیمہ بن ثابت پہلے جنگ سے الگ رہے لیکن عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد میدان جنگ میں حضرت علیؑ کی طرف سے یہ اشعار پڑھتے ہوئے آگئے:۔

اذا نحن بایعنا علیا فحسبنا ؎ ابو حسن مما نخاف من الفتن

جب ہم نے علی سے بیعت کرلی تو وہ بالکل کافی ہے اب ہم کسی فتنہ سے نہیں ڈرتے

وفیہ الذی فیھم من الخیر کلہ ؎ وما فیھم بعض الذی فیہ من حسن

علی میں مخالفوں کی تمام خوبیاں ہیں اور مخالفوں میں علی کی خوبیوں میں سے بعض بھی موجود نہیں

انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ عمار بن یاسر کو باغیوں کا گروہ قتل کریگا چنانچہ وہ جنگ میں شریک ہوئے اور قتل ہوئے۔

ان کا اتنا بڑا مرتبہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر قرار دی تھی اسی لئے ذوالشہادتین کہلاتے ہیں۔ اتنے بڑے صحابی نے لکڑی کی تلوار والی حدیث کی تعبیر جنگ صفین کے معاملہ میں غلط کی تھی۔ انھوں نے ابتدا میں یہ نہیں سمجھا کہ حضرت علی حق کے لئے جنگ کر رہے ہیں جب عمار بن یاسر کی شہادت ہوئی تو وہ لوہے کی تلوار لے کر نکلے۔ واضح رہے کہ عمار بن یاسر کی شہادت والی حدیث کی روایت ۲۸ صحابہ سے آئی ہے۔ ان میں ایک خود معاویہ بھی ہے۔

Marfat.com

پانچواں گروہ وہ تھا جو معاویہ و مغیرہ جیسے صحابیوں پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ حضرت علی حق پر ہیں اس کے باوجود ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی نہیں پیدا ہوئی۔ عمار بن یاسر کی شہادت نے بھی معاویہ سے تو یہ نہ کرائی۔ واضح رہے کہ عمار بن یاسر والی شہادت کے متعلق جو حدیث ہے اس کی روایت کرنے والے ۲۸ صحابہ میں سے ایک خود معاویہ بھی ہے۔ اور حدیث میں یہ بات واضح الفاظ میں بتادی گئی ہے کہ عمار بن یاسر والی جماعت جنت کی طرف بلاتی ہوگی اور مخالف جماعت دوزخ کی طرف بلارہی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ دوزخ کی طرف بلانے والی جماعت معاویہ کی تھی۔ اگر معاویہ میں دیانت ہوتی تو رسول اللہ کے اپنے ہی روایت کردہ قول کا احترام کرتے۔ مگر انھوں نے ایسا طرز عمل اختیار جس نے صحابیت کے معیار کو گرادیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان حالات میں معاویہ کی روایت کردہ احادیث کو بے چون وچرا کیونکر مانا جاسکتا ہے۔ ایسے صحابہ کے لئے صرف صحابیت کا معیار کافی نہیں ہے

اب رہے مغیرہ اور عمرو بن العاص تو تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ایسے خیالات کا اظہار کیا جن سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ معاویہ کی جنگ کو ناحق سمجھتے تھے مگر ملک و مال کی ہوس نے ان کو اندھا کردیا تھا۔

ایک چھٹا گروہ اور بھی تھا جو بعض مجبوریوں کے باعث تھا تو معاویہ کے ساتھ مگر اس کا دل جنگ میں نہ تھا۔ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے کہ چونکہ باپ کی اطاعت پر رسول اللہ نے زور دیا تھا اس لئے وہ بھی اپنے باپ کی اطاعت کی خاطر جنگ صفین میں معاویہ کی طرف سے شریک ہوئے لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ حق علی کی طرف ہے تو انھوں نے جنگ میں کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔

اب کوئی بتائے کہ محض صحابیت کی بنا پر ایسے صحابہ کی روایت کردہ حدیث کیونکر قبول کی جاسکتی ہے؟

اہل سنت میں رسول اللہ کے مشہور صحابی زید بن ثابت کا مرتبہ بہت ہی اعلیٰ مانا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہی ان کی عظمت عام طور پر تسلیم کی جا چکی تھی۔ قرآن جمع کرنے کے لئے حضرت ابوبکر نے ان کو ہی مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر کے احباب میں ان کا مرتبہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور حضرت عمر کے گہرے دوستوں میں تھے۔ حضرت عثمان کی رفاقت تو اتنی نمایاں تھی کہ لوگ ان کو عثمانی کا خطاب دیتے تھے۔

جب حضرت عثمان کو ان کے مخالفوں نے گھیر لیا تھا تو زید بن ثابت نے ان کی (یعنی حضرت عثمان کی) حمایت میں بہت جوش دکھایا اور ایک روز تقریر کرنے کھڑے ہو گئے۔ وہ انصار کو حضرت عثمان کی حمایت کا مشورہ دیتے ہوئے جوش میں بولے۔

یامعاشر الانصار کونوا انصار اللہ مرتین (اے قوم انصار اللہ کے انصار دوبارہ بن جاؤ) مطلب یہ تھا کہ جس طرح اللہ کے لئے ایک بار تم نے اللہ کے رسول کی مدد کی تھی اسی طرح اب دوسری بار اللہ کے لئے رسول کے خلیفہ کی مدد کرو۔ لیکن چونکہ حضرت عثمان کی اقربا پروری اور ان کے اموی رفیقوں کی اسلام آزار حرکتوں کے باعث مدینہ کے انصار میں ایک گروہ مخالفین کا پیدا ہو گیا تھا اس نے نہ صرف یہ کیا کہ زید بن ثابت جیسے صحابی کے مشورہ کو رد کر دیا بلکہ ان پر نہایت قبیح الزام لگایا کہ تم اس لئے عثمان کی حمایت کر رہے ہو کہ انھوں نے تم کو بہت سے اونٹ دیدئے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ زید بن ثابت جیسے صحابی پر یہ الزام لگانے میں پیش پیش ابوایوب انصاری تھے جو اہل سنت میں اتنے ہی جلیل القدر سمجھے جاتے ہیں جتنے زید بن ثابت۔

ابوایوب انصاری مدینہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلے میزبان

تھے۔ حضرت ابو ایوب کی تعریف میں بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر اتنا ہی اشارہ کافی ہے کہ رسول اللہ کی اونٹنی حکم خدا سے ان کے مکان کے سامنے رُکی تھی اور تمام مسلمانان مدینہ کے مقابلے میں اللہ نے اپنے رسول کی مہمان داری کے لئے ان کے گھر کو ہی منتخب کیا۔ یہی ابو ایوب انصاری زید بن ثابت جیسے جلیل القدر صحابی کی نیت پر حملہ کرتے ہیں۔ اور یہ الزام لگاتے ہیں کہ بہت سے غلام لے کر حضرت عثمان کی حمایت کر رہے ہو۔

چونکہ اس روایت میں بعض لوگوں کے نزدیک تشیع کام کر رہا ہے اس لئے یہ بہتر ہے کہ ایسی کتاب سے عبارت نقل کر دی جائے جو مخالفین شیعہ کی شائع کردہ ہے۔ دار المصنفین اعظم گڑھ نے اسلام کی ان شخصیتوں کی حمایت میں بڑی بڑی کتابیں شائع کی ہیں۔ اسی دار المصنفین کی ایک کتاب "سیر انصار" حصہ اول ہے اس کے صفحہ ۳۳۸ پر زید بن ثابت کے حالات میں لکھا ہے :۔

"حضرت زید بن ثابت بارگاہ خلافت کے مقربین خاص میں تھے حضرت عمر کے احباب میں ان کا ممتاز درجہ تھا۔ حضرت عثمان کے وہ معتمد خاص تھے۔ خلافت عثمانی میں آتش فتنہ و فساد مشتعل ہوئی تو وہ علانیہ خلیفۂ وقت کے طرفدار تھے۔

باغیوں کا مجمع مدینہ میں بڑھتا جاتا تھا۔ حضرت عثمان کے معزول کرنے کی سازشیں جابجا نشوونما پا رہی تھیں انقلاب پسند گروہ انقلاب کے لئے بالکل آمادہ و تیار تھا۔ یہ سب بلائیں سر پر تھیں دار الخلافہ خطرہ میں تھا۔ حرم نبوی کی توہین ہو رہی تھی۔ تاہم سرور عالم کا عظیم الشان خلیفہ ہنوز خون ریزی سے دامن بچا رہا تھا۔

حضرت زید بن ثابت نے امیر المومنین کے ہولناک مصائب

دیکھ کر ایک روز تقریر کی جس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا
یا معاشر الانصار کونوا انصار اللہ مرتین یعنی اے انصا
خدا کے دو مرتبہ انصار بنو۔ بدقسمتی سے صحابۂ کرام کا بعض طبقہ
حضرت عثمان سے بدظن تھا۔ حضرت ابوایوب انصاری نے کہا کہ تم
عثمان کی مدد پر صرف اسوجہ سے لوگوں کو آمادہ کرتے ہو کہ انھوں نے تم کو
بہت سے غلام دیدئے ہیں۔ صحابہ کی عام رائے پر حضرت زید کیونکر غالب آسکتے
تھے خاموشی کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔ تقریر ختم کی اور بیٹھ گئے۔"

(سیر الصحابہ حصہ اول صفحہ ۳۳۸)

اس اقتباس سے کئی باتوں کا اندازہ ہوتا ہے (۱) یہ کہ صحابہ کی عام.....
..... رائے حضرت عثمان کے خلاف ہوگئی تھی (۲) ابو ایوب انصاری جیسے صحابی
بھی بغاوت کرکے مخالفین میں شامل تھے (۳) ابوایوب انصاری کے نزدیک زید بن ثابت
جیسے صحابی کا کیریکٹر اتنا پست تھا کہ وہ حضرت عثمان کی حمایت حق کی خاطر نہیں بلکہ انعام
واکرام کی خاطر کر رہے تھے (۴) زید بن ثابت عام مخالفت دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ زید بن ثابت اور ابوایوب انصاری کے مرتبہ کی
تنقیص کی جائے۔ ان دونوں کی شان ارفع و اعلیٰ ہے لیکن خدا کے لئے ان کو رسول
کے درجہ پر نہ پہنچائیے۔ اور یہ نہ کہئے کہ چونکہ صحابی ہیں لہذا عادل ہیں اور روایت
میں ان سے غلطی ممکن نہیں۔ چونکہ اللہ نے رسول کے متعلق فرمادیا ہے کہ لقد
کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (رسول کی زندگی میں تمھارے
لئے قابل تقلید نمونہ ہے) اسلئے اگر رسول اللہ کسی بات میں غلطی کی طرف قدم
بڑھانا چاہتے تھے تو اللہ ان کو وحی متلو یا غیر متلو کے ذریعہ روک دیتا تھا۔ لیکن
یہ صرف رسول کی شان تھی۔ صحابہ اس تعریف میں نہیں آتے۔ ان سے ہر قسم کی

Marfat.com

کمزوریوں کا امکان تھا۔ یہ کمزوریاں اخلاقی ہوں یا دینی۔ اس لئے صحابیت کا کوئی ایسا معیار قائم نہیں کیا جا سکتا کہ جس کی وجہ سے ہر روایت ان سے بغیر غور و فکر اور بلا چون و چرا قبول کر لی جائے اور ان کے اعمال کو تنقید سے بالاتر قرار دیا جائے

ایک بار رسول اللہ کے ایک ممتاز صحابی حنظلہ نے محسوس کیا کہ ان کی دل کی حالت میں تبدیلی ہوتی ہے۔ جب تک رسول اللہ کی صحبت میں رہتے ہیں تو دل کی حالت اور ہوتی ہے اور جب بال بچوں میں اور دنیا کے کاموں میں الجھے رہتے ہیں دل کی حالت بدل جاتی ہے اور ایمان کا معیار گر جاتا ہے۔ ان کو بڑی فکر ہوئی اور گھبرائے گھبرائے لوگوں کے پاس جا کر کہنے لگے نافق حنظلة (حنظلہ منافق ہو گیا) حنظلہ جیسے فداکار جوشیلے مسلم ان کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ گھبرائے اور ان کے ساتھ رسول اللہ کی خدمت میں آکر حنظلہ کا معاملہ پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب حدیث میں موجود ہے اس جواب میں خاص جملہ یہ ہے "اے حنظلہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے (یا حنظلة ساعة وساعة) یعنی انسان کا دل کسی وقت کسی حالت میں ہوتا ہے اور کسی وقت کسی حالت میں۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک نیکی کا ہمزاد اور ایک بدی کا ہمزاد پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی بدی کا ہمزاد ہے حضور نے فرمایا میرے ساتھ بھی پیدا تو ہوا ہے مگر اللہ نے اسے مجھ سے بالکل مغلوب کرا دیا ہے۔ وہ مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

مطلب یہ کہ صحابہ کے دلوں پر بدی کا ہمزاد اپنا کام کرتا رہتا ہے بسا اوقات وہ نیکی کے ہمزاد سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی وہ غالب بھی آتا ہے اور صحابہ

ے ایسی حرکات کا ارتکاب کرا دیتا ہے جو صحابیت کی شان کے منافی ہوتی ہیں۔
یہ ان صحابہ کا ذکر ہے جو اسلام کے ترجمان اور فدا کار تھے اور جنکی لغزشیں
نسانی طبیعت کے ایسے مقتضیات کے تحت تھیں جن سے اللہ کے نیک بندے بھی
سوائے رسول) بالاتر نہیں تھے۔ ان صحابہ کی اس قسم کی غلطیاں بہت کم ہیں
ندنہ عمومی طور سے ان کی زندگیاں قابل رشک تھیں لیکن یہ ان "صحابہ" کا ذکر
ہیلہے جو مجسمہ جرائم تھے۔ جیسے معاویہ، مغیرہ وغیرہ۔ ان کا وجود تاریخ میں
عابیت کے لئے ذلت کا باعث ہے۔ ان کے معاملہ میں بدی کا ہمزاد نیکی کے ہمزاد
ر غالب آچکا تھا۔ قدم قدم پر جرائم کا ارتکاب کرتے تھے انھوں نے اسلامی نظام
تہ و بالا کردیا۔ ان کی صحابیت کیا اور ان کا اسلام کیا۔! انھوں نے اسلام کو
س اقتدار کا آلہ کار بنایا تھا۔ رسول اللہ کی تعلیمات کا نظام درہم برہم کرکے
کھ دیا تھا۔

اس باب میں "صحابہ اور حدیث" ہے۔ واقعہ کے دیگر پہلوؤں سے
ع نظر کرکے روایت حدیث کے مسئلہ پر غور کرنا ہے۔ ابوایوب انصاری کا
زام اگر زید بن ثابت پر صحیح ہے تو زید کی حیثیت مجروح ہوجاتی ہے۔ اور اگر غلط ہے
ود ابوایوب کی حیثیت مجروح ہوتی ہے۔ رسول اللہ کے ایک جلیل القدر
حابی پر بغیر ثبوت کے اس قسم کا حملہ کرنا حد درجہ قابل اعتراض ہے۔ ابوایوب
نصاری کو کیونکر معلوم ہوا کہ زید بن ثابت کے دل میں کیا محرکات کام کر رہے تھے۔
ی ایسے ہی موقع پر رسول اللہ نے غضبناک ہو کر فرمایا تھا کہ کیا
نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا (هل شققت قلبه)۔
اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ زید بن ثابت یا ابوایوب انصاری کی روایت
دیث کے قابل نہیں رہے۔ لیکن یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ حدیث کی روایت کسی صحابی سے بھی

Marfat.com

ہو اس کے مالہ وما علیہ پر ہر زاویہ سے غور کرنا ضروری ہے۔

"صحابہ اور حدیث" کے باب میں اور بھی چند واقعات قابل ذکر ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ بھی قول رسول کے متعلق غلط بیانی کر سکتے ہیں خواہ اس میں بدنیتی شامل نہ ہو۔

مسند میں ایک واقعہ یہ ہے کہ رافع بن خدیج نے یہ حدیث بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیت کرایہ پر اٹھانے کی ممانعت فرمائی ہے۔

جب زید بن ثابت نے یہ سنا تو بہت خفا ہوئے اور کہا خدا رافع کی مغفرت کرے مجھے اس حدیث کی حقیقت اس سے زیادہ معلوم ہے۔ بات یہ تھی کہ ایک کھیت کرایہ پر دو آدمیوں میں جھگڑا ہو رہا تھا حضور نے اس جھگڑے کو دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا کہ یہی حالت ہے تو کھیتوں کو کرایہ پر نہیں اٹھانا چاہیئے۔ زید بن ثابت نے کہا رافع نے آخری حصہ سن لیا ہے۔

حدیث کی روایت میں اس قسم کی اور کتنی غلطیاں صحابہ سے ہوئی ہیں ان کا اندازہ اسی حالت میں ممکن ہے کہ کسی صحابی کے نام سے مرعوب ہو کر حدیث کی چھان بین کو گناہ نہ سمجھنے لگیں۔

ایک اور واقعہ پڑھیئے جس سے اندازہ ہوگا کہ بعض اوقات بڑے بڑے صحابہ وہ بھی جن کی جرأت وبہادری کے چرچے تھے خوف جان کے باعث گمراہی پر بیعت کرنے کو مجبور ہو جاتے تھے۔ جابر نہایت ممتاز صحابی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت کے متعدد واقعات ان کی زندگی میں ہیں۔ ۱۹ غزوات میں شرکت فرمائی۔ ۳۷ھ میں حضرت علی کی طرف سے جنگ صفین میں شرکت کی (اسد الغابہ) ۴۰ھ میں جب معاویہ کا عامل بسر بن ارطاۃ حجاز و یمن پر قبضہ کرنے مدینہ آیا تو اس نے اپنے خطبہ میں

بنوسلمہ کو صرف اسی حالت میں امان دی جائیگی کہ جابر میرے پاس حاضر ہو کر معاویہ کی بیعت کریں۔ جابر نے ام المومنین ام سلمہ سے جا کر مشورہ کیا کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ بیعت کر لو۔ اور میں نے اپنے لڑکوں کو بھی بیعت کی رائے دی ہے۔ جابر نے کہا کہ اس طرح تو گمراہی پر بیعت ہوگی۔ بی بی ام سلمہ نے فرمایا مگر کیا کیا جائے مجبوری ہے۔ چنانچہ جابر بسر بن ارطاۃ کے پاس آئے اور معاویہ کی بیعت کر لی۔

اس وقت تو جابر نے گمراہی پر بیعت کر کے گلو خلاصی حاصل کر لی اور اپنے قبیلہ کو بھی قتل عام سے بچا لیا۔ مگر بنو امیہ ان کو چھوڑنے والے کب تھے۔ ۷۴ھ میں جب حجاج مدینہ کا امیر تھا تو اس نے متعدد صحابہ کے جسموں پر مہر لگوائی جابر بھی ان ہی صحابہ میں تھے۔ (اسد الغابہ)

لیکن صحابۂ رسول کے جسموں کو داغ دار کرنے والا یہ بسر بن ارطاۃ بھی چار حدیثوں کا راوی ہے اگرچہ اکثر محدثین کی رائے ہے کہ یہ صحابی نہیں ہے۔
لیکن ایک حدیث اس سے ایسی بھی مروی ہے جس میں ہے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ اور پھر بعض لوگ تو تابعی کا بھی کچھ ایسا ہی مرتبہ سمجھنے لگے ہیں کہ بس صحابیت سے کچھ ہی کم ہوتا ہے۔

بہرکیف معاویہ کے اس رفیق کی نسبت اسماء الرجال کی کتاب تذھیب التہذیب میں ابن معین نے یہ رائے دی ہے کان بسر رجل سوء ولی بسر الیمن لمعاویہ ولہ بھا آثار قبیحہ (بسر برا آدمی تھا۔ یمن میں معاویہ کا عامل تھا جہاں اس کے کارنامۂ اعمال میں نہایت قبیح باتیں ہیں)

(تذھیب تھذیب الکمال)

بسر بن ابی ارطاۃ کو تو ایک طرف چھوڑیے کیونکہ وہ غالباً صحابی نہ تھا اگرچہ

ایک صحابی کا نمائندہ ضرور تھا۔ مگر آپ ام سلمہ اور جابر جیسی جلیل القدر ہستیوں
کی بابت کیا کہیں گے جنھوں نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ معاویہ گمراہ ہے خوف جان کی خاطر
بیعت کرلی۔

یہ مطلب نہیں کہ بی بی ام سلمہ کا مشورہ غلط تھا۔ اور گمراہ معاویہ کی
بیعت جابر کو نہیں کرنی چاہئے تھی۔ غالباً مصلحت کا تقاضا یہی تھا لیکن سوال
یہ ہے کہ ان صحابہ کے عمل کے حسن و قبح پر غور کرنا ضرور پڑے گا۔ یہ کہہ کر تو نہیں ٹال
دیا جا سکتا کہ جابر صحابی تھے اور انھوں نے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ ہو سکتا ہے
کہ کسی حدیث میں جابر کی بیعت کا ضمنی تذکرہ آجائے اور وہ صحابیت کے غلط تصور
کے باعث معاویہ کی خلافت کے جواز پر سند ہو جائے۔

مثلاً ایک حدیث ہے کہ "انسان کے شب و روز کسی امیر کی بیعت میں گذرنے
چاہئیں"۔ مسند میں رسول اللہ کے اس قول کے ساتھ ابو سعید خدری کی بیعت
یزید کا ذکر بھی ضمناً آگیا ہے۔ روایت یوں ہے کہ جب ابو سعید خدری نے یزید کی
بیعت کرلی تو عبداللہ ابن عمر اُن کے پاس پہنچے اور کہنے لگے میں نے سنا ہے کہ آپ نے
دو آدمیوں سے بیعت کی ہے۔ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہاں
پہلے تو ابن زبیر سے بیعت کی تھی پھر جب شامی پکڑ لے گئے تو یزید سے بھی بیعت
کرلی۔ عبداللہ ابن عمر نے کہا کہ مجھے اس کا ڈر تھا۔ انھوں نے کہا مجبور تھا کیونکہ
رسول اللہ نے فرمایا تھا انسان کے شب و روز کسی امیر کی بیعت میں گذرنے چاہئیں
عبداللہ ابن عمر نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو بجا ہے مگر میں دو امیروں کی بیعت
پسند نہیں کرتا۔

اس حدیث میں مسائل کا کتنا خلط ملط ہے اور دو جلیل القدر صحابیوں کے
طرز عمل اور تبصرہ سے کتنی غلط فہمیاں پھیل سکتی ہیں اس کا اندازہ آسان نہیں ہے

اس حدیث میں عبداللہ ابن عمر اور ابو سعید خدری کے معیار خلافت یا امارت کے متعلق مختلف ہیں اور عجیب ہیں جہاں تک حدیث نبوی کا تعلق ہے صرف اتنا اس حدیث سے ثابت ہے کہ شب و روز ایسی حالت میں گذریں کہ کسی امیر کی بیعت گردن میں ہو لیکن عبداللہ ابن عمر نے فرمان رسول کو اور زاویہ نظر سے دیکھا اور ابو سعید خدری نے دوسرے زاویہ سے ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ہی صحیح زاویہ سے نہیں دیکھا ۔ ایسے بھی صحابہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ کی حدیث کی بالکل ہی مختلف تعبیر کی تھی ۔ مثلاً جب یزید کو معلوم ہوا تھا کہ عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر کی بیعت کرنے سے انکار کر رہے ہیں تو اس نے ان کو خط لکھا جس میں عبداللہ ابن عباس) کو بیعت کی دعوت دی ۔ اور ابن زبیر کے مقابلہ میں تعاون کی درخواست کی تو طبری اور دوسری تاریخوں میں جو جواب ابن عباس کا چھپا ہے اس میں نہایت سخت الفاظ میں انکار کیا ہے ۔ اس میں انھوں نے منجملہ اور باتوں کے لکھا ہے کہ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تمھاری تلواروں سے حسین کا خون ٹپک رہا ہے اور تم مجھ سے تعاون کی توقع کرتے ہو ۔ یہ وہ وقت تھا جب امام حسین شہید ہو گئے تھے عبداللہ ابن زبیر کی بیعت سے ابن عباس انکار کر چکے تھے ۔ اور یزید کی بیعت سے اس خط میں انکار کر دیا نیز وہ خود بھی خلافت یا امام کے منصب کے لئے امیدوار نہ تھے تو ظاہر ہے کہ شب روز کسی امیر کی بیعت بغیر گزرنے والی حدیث کی تعبیر ان کی نظر میں وہ نہ تھی جو عبداللہ بن عمر یا ابو سعید خدری نے کی تھی ۔ ان تینوں کا تصور مختلف تھا اور اس بارے میں صحابہ میں اختلاف کے مختلف درجے پائے جاتے ہیں ۔

یہ تو خلافت و امامت کا معاملہ ہے ۔ کسی لشکر کی عارضی امارت کے متعلق بھی اختلافات ہو جاتے تھے اور ان کا تعلق اصول اسلام سے ہوتا تھا ۔ مثلاً خالد، ابو قتادہ، عمر اور ابو بکر صدیق میں ایک مسئلہ پر ایسا اختلاف

Marfat.com

ہوا کہ اس کا اثر بعض مسائل پر گہرا پڑا۔ واقعات مختصراً یہ ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق نے خالد کو فتنہ ارتداد دبانے کی مہم پر مالک بن نویرہ کی طرف بھیجا تھا۔ مالک بن نویرہ کو زکوٰۃ ادا کرنے کے صرف طریقہ سے اختلاف تھا اور وہ دار الخلافہ جاکر یہ اختلاف رفع کرنے کو تیار تھے مگر خالد نے قضیہ کو ایک خاص شکل دے کر مالک بن نویرہ کو قتل کر ڈالا۔ خالد پر الزام یہ تھا کہ وہ مالک بن نویرہ کی بیوی پر عاشق ہو گئے تھے۔ چنانچہ مالک بن نویرہ کو راستہ سے ہٹا کر اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ نکاح کرنے میں اتنی عجلت کی کہ بعض ضروری امور کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اس واقعہ پر کافی ہنگامہ ہوا تھا۔ حضرت عمر تو اتنا بگڑے تھے کہ خالد کو رجم کرنے کا مشورہ دے رہے تھے جیسے ہی خالد مدینہ واپس آئے تو حضرت عمر نے ان کی پگڑی سے امتیازی نشانات اتار لئے۔ خالد تو سمجھے تھے کہ حضرت ابوبکر کے جذبات بھی وہی ہوں گے جو حضرت عمر کے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر نے خالد کو قتل یا رجم کرنا تو درکنار معزول تک بھی نہ کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ جس تلوار کو اللہ نے کافروں کے لئے برہنہ کیا ہے میں اسے نیام میں نہیں ڈال سکتا۔

ابوقتادہ بھی عمر سے اتفاق کرتے تھے۔ ابوقتادہ اُس مہم میں خالد کے ساتھ تھے۔ اور انھوں نے مالک بن نویرہ کے قتل پر احتجاج بھی کیا تھا۔ حضرت ابوبکر کے فیصلہ کے خلاف یہ دونوں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم ابوقتادہ کو جب حضرت ابوبکر نے ایک اور مہم پر خالد کی قیادت میں بھیجنا چاہا تو انھوں نے خالد کی قیادت میں یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا تھا۔

حضرت عمر جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے خالد کو شام کے لشکروں کی قیادت سے محروم کر دیا۔ مورخ ابن اثیر نے ان واقعات کو نہایت شرح و

بسط سے لکھا ہے جہاں تک خالد کی معزولی کے اسباب کا تعلق ہے شبلی نے "الفاروق" میں ابن اثیر کے بیان کی تردید میں دلائل دینے کی کوشش کی ہے لیکن معزولی کے اسباب کچھ بھی ہوں اتنی بات میں کسی مورخ کو اختلاف نہیں ہے کہ مالک بن نویرہ کے قتل اور اس کی بیوی سے نکاح کرنے پر حضرت عمر کو طیش آیا تھا اگر اس وقت حضرت عمر خلیفہ ہوتے تو خالد کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے۔

ہماری بحث میں غور طلب بات یہ ہے کہ ابو قتادہ جیسے صحابی اپنے خلیفہ امام یا امیر کی اطاعت سے انکار کرتے ہوئے خالد کی قیادت سے انکار کرتے ہیں ایسا آدمی تو واجب القتل ہوا۔ السمع و الطاعۃ کے اصول کی انھوں نے علانیہ خلاف ورزی کی۔ اور خالد نے کتنا بڑا گناہ کیا۔ قرآن نے بے گناہ انسان کے قتل کو فکانما قتل النّاس جمیعاً کے الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ یعنی اس قسم کے قتل کا گناہ ایسا ہے گویا کہ ساری نسل انسانیت کو قتل کر ڈالا۔ حفظ نفس کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ابو قتادہ کے سامنے خالد کسی حدیث کی روایت کرتے تو ابو قتادہ اسے قبول کرتے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ جس آدمی کو قتل عمد کا مجرم قرار دیتے تھے اُس کی حدیث یہ کہہ کر نہیں مان لیتے کہ خالد صحابی ہیں اور حدیث کے معاملہ میں سب عدول ہیں اور حضرت عمر کا رویہ ایسی حدیث کے بارے میں کیا ہوتا۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خالد حدیث کی روایت کے قابل نہیں مطلب تو صرف اتنا ہے کہ کوئی بھی صحابی ہو اسکی حدیث کو آنکھ بند کر کے صرف اسکی صحابیت کی بنا پر تسلیم کر لینا واقعات کی روشنی میں صحیح نہیں ہے۔ ہمیں صرف حدیث کے مضمون اُسکے سبب ورود، اور روایت کرنے والے صحابی کے عام کیرکٹر پر بھی گہری نظر ڈالنی پڑیگی۔ نیز یہ دیکھنا پڑیگا کہ حدیث کے مضمون کی تعین میں اس صحابی کے کسی

Marfat.com

ذاتی جذبہ کو تو دخل نہیں ہے۔

ایک اور واقعہ پر غور فرمائیے۔ حضرت عمر ایک شخص سے ایک آیت سنتے ہیں آیت حضرت عمر کو اس طرح نہیں معلوم تھی۔ پوچھا تجھے کس نے بتائی جواب ملا ابی ابن کعب نے۔ ابی ابن کعب قرآن دانی کے لئے مشہور تھے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و ان کی تعریف کر چکے تھے۔ حضرت عمر ابیؓ کے پاس آئے اور پوچھا کیا یہ آیت اس طرح آپ نے رسول اللہ کی زبان سے سُنی تھی۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے رسول اللہ سے ایسے ہی سیکھی ہے۔ عمر نے پھر پوچھا کہ کیا واقعی آپ نے رسول اللہ کی زبان سے یوں ہی سیکھی ہے۔ ابی ابن کعب نے پھر وہی جواب دیا کہ ہاں میں نے خود رسول کی زبان سے اسی طرح سیکھی ہے۔ حضرت عمر نے تیسری بار پھر وہی سوال کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ کی زبان سے یہ آیت اس طرح سیکھی ہے۔ اس طرح حضرت عمر کے بار بار پوچھنے سے ابی بن کعب کو طیش آگیا۔ اور کنز العمال میں ابی بن کعب کے یہ الفاظ ہیں "واللہ یہ آیت اللہ نے جبریل کے ذریعہ قلب محمدؐ پر نازل کی تھی اس میں خطاب (عمر کے باپ) اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا تھا۔ عمر نے کانوں پر ہاتھ دھر اور تکبیر کہتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عمر جیسے صحابی کو قرآن کی ایک آیت کے بارے میں اتنا شبہ تھا کہ پہلے جواب سے تسکین نہیں ہوئی۔ دوسری بار ابی ابن کعب نے یقین دلایا تو پھر بھی شبہ باقی رہا۔ اور تیسری بار پوچھنے کی ضرورت محسوس کی۔ اگر ابی ابن کعب تیسری بار شدید رویہ نہ اختیار کرتے تو شاید وہ ابھی اور بھی کئی بار یہ پوچھتے کہ کیا واقعی آپ نے یہ آیت اس طرح رسول اللہ سے سیکھی ہے۔

مطلب یہ کہ جلیل القدر صحابہ کا علم بھی متعدد پہلوؤں سے رسول کی تعلیمات کے متعلق اتنا ناقص تھا کہ ان سے بے چون و چرا کوئی حدیث لے لینا صحیح نہ ہوگا

Marfat.com

یہ بھی واضح رہے کہ رسول اللہ کی وفات کے فوراً بعد سے اسلام میں بعض خرابیاں شروع ہو گئی تھیں خصوصاً حضرت عثمان کے دور کے آخری حصے میں تو بنی امیہ نے اسلام کی تعلیمات کو تو بالکل مسخ کرنا شروع کر دیا تھا۔ حضرت عثمان کے بعد حضرت علی نے اسلام کے نظام کو کتاب وسنت پر لانے کی کوشش کی۔ مگر معاویہ اور ان کے رفقائے حضرت علی کی کامیابی میں ایسی مشکلات پیدا کر دیں کہ اصلاح کے لئے حضرت علی کو وقت درکار تھا۔ مگر مشیتِ ایزدی یہ ہی تھی کہ اصلاح کی تکمیل سے قبل ان کی شہادت ہو جائے حضرت علی کی شہادت کے بعد تو حالات نہایت تیزی سے خراب تر ہوتے گئے۔ بنی امیہ نے خلافت کو ملوکیت سے بدل دیا۔ اس ملوکیت کے مظاہروں پر اسلامی پھٹے ضرور لگے ہوئے تھے مگر ان کی روح اسلامی نہیں تھی۔ یہ حالات صرف سیاسی مسائل میں ہی نہ تھے۔ بلکہ عبادات میں بھی یہی حال تھا۔

نماز کو لیجئے۔ رسول اللہ کے عہد میں اور عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ دنوں بعد بھی نماز میں امامت کے لئے معیار یہ تھا کہ جو قرآن بہتر جانتا ہو اور نماز کو سنت رسول کے مطابق پڑھا سکے وہ امامت کرے۔ لیکن بنو امیہ کے زمانہ میں انھوں نے یہ سلسلہ شروع کیا کہ خاندانی "شہزادوں" کو یہ اور دوسرے اہم منصب دیے جانے لگے چنانچہ یزید کو قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے لشکر کا معاویہ نے اسی بنیاد پر امیر بنایا تھا لیکن اس سلسلہ میں عمر ابن عبدالعزیز کا واقعہ ہماری بحث میں خاص طور سے قابل ذکر ہے ان کو اس لئے مدینہ کا گورنر بنا دیا تھا کہ یہ خاندان خلافت (شاہی) کے شاہزادہ تھے۔ عمر بن عبدالعزیز بعد میں علم دین کے علمبردار ثابت ہوئے لیکن جب وہ مدینہ کے گورنر بنائے گئے تھے تو ان کی تعریف میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ شہزادہ تھے۔ وہ نماز بھی قواعد اور شرائط کے مطابق نہیں پڑھتے تھے۔ مگر بنی امیہ نے اس قاعدہ کو رواج دیا تھا کہ ان کا گورنر ہی نماز کی قیادت

Marfat.com

بھی کرے۔ بڑے بڑے صحابہ بھی ہوتے تھے تو اُن کو امامت کی اجازت نہیں تھی۔
یزید کے لشکر میں بھی ابو ایوب انصاری جیسے چند صحابہ تھے مگران میں سے کسی کو
امیر لشکر نہیں بنایا گیا تھا۔ اسی طرح مدینہ میں بعض صحابہ نہایت جلیل القدر موجود
تھے۔ مگران کو چاروناچار تو عمر شہزادہ عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے نماز ادا کرنی پڑتی
تھی۔ اسکے لڑکے کے پیچھے حضرت انس بن مالک جیسے صحابی بھی مقتدیوں میں ہوتے تھے
حضرت انس رسول اللہ کے ان صحابہ میں تھے جو سفر و حضر میں ساتھ رہتے تھے
کتاب و سنت کے بہترین ماہرین میں سے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ عمر بن عبدالعزیز نماز
میں قواعد و احکام کا لحاظ نہیں کرتے تو وہ اکثر ٹوکا کرتے تھے۔ آخر عمر بن عبدالعزیز
نے دق ہو کر انس سے کہا کہ آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں ہمیشہ ٹوکتے ہی رہتے ہیں
انس نے جواب دیا کہ اگر تم نماز قاعدہ کے مطابق نہ پڑھاؤ گے تو ٹوکتا رہوں گا اور
پھر مجبوراً تمھارے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دوں گا۔

عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ کے ان چند افراد میں ایک تھے جنکے دلوں میں
اللہ نے تقویٰ کی صلاحیت دی تھی انھوں نے انس سے ہی نماز کے آداب سیکھنے شروع
کئے۔ اور پھر ایسی اچھی نماز پڑھنے لگے کہ وہی انس جو ٹوکا کرتے تھے یہ کہنے لگے کہ اس
لڑکے کی نماز رسول اللہ کی نماز سے بہت مشابہ ہے۔

اس واقعہ کے اس پہلو پر بھی توجہ فرمائیے کہ کیسے کیسے عالی مرتبہ صحابہ اقتدار
کے باعث کتنے دب گئے تھے کہ نماز تک میں ایسے لڑکوں کی امامت برداشت کرتے تھے
جو نماز پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ انس بن مالک وہ صحابی ہیں جو علم و فضل کے
ساتھ ہی اپنی جرات کے لئے بھی مشہور تھے۔ لیکن جب ان کی یہ حالت تھی تو اور
صحابہ کا تو ذکر ہی کیا۔

عبید اللہ بن زیاد کے سامنے جب امام حسین کا سر لایا گیا تو وہ ملعون

آنکھ پر چھڑی مارتا۔ اور امام حسین کے حسن کی مذمت کر رہا تھا۔ اتفاق سے حضرت انس بن مالک وہاں موجود تھے۔ اقتدار حکومت سے مجبور تھے اور کچھ تو نہ کر سکے یہ کہہ کر چلے گئے کہ "جس چہرہ کی مذمت کی جا رہی ہے وہ رسول اللہ کے چہرہ سے مشابہ ہے" انس کی یہ بھی بڑی جرأت تھی کہ وہ اتنا کہہ سکے۔

عبداللہ ابن عمر اور ابوسعید خدری کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح انھوں نے چاروناچار دب کر بیعت کی تھی۔

انس بن مالک، عبداللہ بن عمر اور ابوسعید خدری جیسے جلیل القدر صحابہ اقتدار کے سامنے جب اس طرح جھک جاتے تھے تو اور معمولی درجہ کے صحابہ کا تو ذکر ہی کیا! بس جب ہم کسی صحابی سے حدیث لیں تو ان صحابہ کے عالی مرتبہ کے باوجود حدیث کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا پڑے گا یہ صحابہ انسان تھے اور ان سے انسانی فروگزاشتیں اور کمزوریاں ممکن تھیں۔

ان فروگزاشتوں اور کمزوریوں کے باوجود بحیثیت مجموعی ان کی سوسائٹی نمونہ تھی جس کا جواب تاریخ میں نہیں ملتا۔ اور اسلام کو اس سوسائٹی پر ہمیشہ فخر رہے گا۔

اگر معاویہ اور ان کے دوسرے فرماں روایان بنی امیہ اس سماج کو نہ بگاڑ دیتے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا اس نمونہ کے سماج کو دیکھ کر دائرۂ اسلام میں اس طرح آجاتی کہ کوئی قوم ایسی نہ رہتی جو اور کسی مذہب رہ جاتی۔ مگر جب نمونہ ہٹ گیا تو اسلام کی تبلیغی حیثیت کمزور ہوگئی۔ زبان وقلم کی تبلیغ رہ گئی۔ مگر کوئی نمونہ پیش کرنے کے لئے نہیں رہا۔ اسی لئے مبلغین اسلام کی تلقین میں زیادہ اثر نہیں رہا۔

Marfat.com

۷

معاویہ اور صحابیت

صحابیت کی بحث میں معاویہ کی شخصیت اسلئے ایک مستقل باب چاہتی ہے کہ اسلام میں تخریبی رول کے یہ قائد اعظم تھے۔ اور متعدد صحابہ سے غلطیاں ہوئیں۔ لیکن معاویہ اور ان کی غلطیوں میں فرق یہ ہے کہ معاویہ کی نیت خراب تھی اس لئے ان غلطیوں کو اجتہادی غلطیوں سے نہیں تعبیر کیا جا سکتا۔ معاویہ کے نامۂ اعمال میں دو چار یا دس غلطیاں نہیں ہیں کہ ان کی توجیہات کر کے معاملہ ختم کر دیا جائے۔ اور ان کو اجتہادی غلطیاں تسلیم کر کے معاویہ کی صحابیت کا بھرم رکھ لیا جائے۔

اگر دو ایک غلطیاں ہوتیں تو صحابیت کی خاطر ان کو بغیر کسی توجیہ کے بھی نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ کہا جا سکتا تھا کہ الحاق یا دشمنی کے باعث تاریخ و حدیث میں بعض روایات داخل کر دی گئی ہیں۔ لیکن معاویہ کے خلاف اتنی شہادتیں ہیں کہ ان کے مقابلہ میں کوئی دفاع ممکن نہیں۔ ایک طویل فرد جرم ہے۔ آخر کس کس جرم کی صفائی پیش کی جا سکتی ہے؟

جو لوگ صحابیت کے غلط تصورات میں مبتلا ہیں انھوں نے صفائی کے لئے صفحات کے صفحات سیاہ کئے ہیں۔ مگر جیسا کہ اس باب کے مطالعہ سے ثابت ہوگا وہ بالکل ناکام رہے ہیں۔ معاویہ کے دامن سے اتنی غلاظت لپٹی ہوئی ہے کہ اسے صاف کر دینا ناممکن ہے۔

Marfat.com

معاویہ کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں سب سے زیادہ مشکل
ان لوگوں کو ہونی چاہیئے جو صحابیت کے احترام میں حدود سے تجاوز کرتے ہیں
کیونکہ معاویہ کے زمانہ میں جو صحابہ کرام حیات تھے اُن میں سے اکثر نے معاویہ کی
مخالفت کی ہے - اور ایک بہت بڑی تعداد نے جنگ صفین میں معاویہ کا مقابلہ
اس عقیدہ کی بنیاد پر کیا تھا کہ معاویہ باطل پر ہے اور حضرت علی حق پر ہیں -
صحابیت کے یہ عجیب پرستار ہیں (ان کے لئے پرستار سے بہتر اور کوئی
لفظ نہیں استعمال کیا جا سکتا -) کہ جس صحابی کے خلاف سینکڑوں صحابہ نے شمشیر
بے نیام کی اسی کو صحابیت کا نام لے کر اپنا ممدوح بناتے ہیں - اس کا مطلب
یہ ہوا کہ یہ صحابہ کے پرستار دراصل صحابہ کو بھی نہیں مانتے - یہ محض اپنے جہل
کا مظاہرہ کرتے ہیں -

انصار اور معاویہ

معاویہ کے متعلق صحابہ میں انصار کے رویہ پر ایک نظر ڈالئے تو معلوم
ہوتا ہے کہ عام مخالفت تھی - جنگ صفین میں صرف ایک یا دو انصاری معاویہ کے
ساتھ تھے - اور وہ بھی حق و باطل کے معیار پر ساتھ نہیں دے رہے تھے - بلکہ
دوسرے محرکات ان کی شرکت کا باعث تھے -
انصار سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو محبت تھی اس کا ثبوت حدیث
صحیح اور سیرت سے ملتا ہے آپ نے فرمایا تھا کہ " انسانوں میں مجھے سب سے زیادہ
محبت انصار سے ہے " اور انصار تو درکنار رسول نے انصار کے " اتباع " یعنی ان
کے تابعین سے بھی محبت کی تاکید فرمائی ہے - یہ احادیث خود بخاری اور

مسلم میں بھی موجود ہیں۔ اور چونکہ یہاں معاویہ سے بحث ہو رہی ہے اسلئے اس دا
کی یاد دہانی بر وقت ہوگی۔ جب حضور نے فرمایا تھا کہ اے انصار کیا تم
کو یہ پسند نہیں کہ لوگ مال و دولت لے جائیں اور تم رسول اللہ کو لے جاؤ۔
یہ بات حضور نے اس وقت فرمائی تھی جب آپ ابوسفیان، معاویہ وغیرہ
کو جنگ حُنین کے مال غنیمت میں سے اس لئے زیادہ حصہ دے رہے تھے کہ ان
کے ایمان میں پختگی آجائے۔ یہ لوگ فتح مکہ کے وقت مغلوب ہو کر چار و ناچار مسلمان
ہو گئے تھے۔ نیز ان کو اسلئے بھی مال و دولت سے نوازا جا رہا تھا کہ یہ اس کے بھوکے تھے اور
مصلحتوں کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو فتنہ پردازی سے باز رکھنے کے لئے خوش کیا جا
مال و دولت کے لئے ان کی طلب کا اندازہ کرنے کے لئے ابن قیم کی زاد المعاد
میں جنگ حنین کے حالات پڑھئے اس میں لکھا ہے کہ جب ابوسفیان کو حضور
تالیف قلوب کے تحت چالیس اوقیہ اور سو اونٹ دیے تو ابوسفیان نے کہا کہ
رسول اللہ" اور میرے بیٹے زید کو" حضور نے حکم دیا "اسے بھی چالیس اوقیہ
اور ایک سو اونٹ دو" پھر ابوسفیان بولا "اور میرے بیٹے معاویہ کو" حضور نے
حکم دیا اسے بھی چالیس اوقیہ اور سو اونٹ دو"۔ مکہ کے ان نومسلموں کے ساتھ
رسول اللہ نے ایسی فیاضی کا برتاؤ کیا۔ اور انصار کو مال و دولت نہیں دیا
اُس وقت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی
انصار کو بڑی شکایت ہے کہ آپ نے اپنے قرابت داروں کو تو اتنا زیادہ
مال دے دیا اور انصار کو جنھوں نے اتنی جاں نثاری کا ثبوت دیا ہے نظر
انداز کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت انصار کو جمع کر کے اُن کے
سامنے جو تقریر فرمائی اور پھر انصار نے جو جواب دیا یہ اسلامی تاریخ کے روشن

Marfat.com

روشن ترین بابوں میں سے ایک باب ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ "اے قوم انصار کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ یہ لوگ مال اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو لے جاؤ۔ اگر میں مہاجرین سے نہ ہوتا تو انصار میں سے ہوتا۔ اور اب بھی اگر دنیا کے لوگ ایک راستہ پر چلیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں انصار کے ساتھ ان کے ہی راستہ پر چلوں گا..... اے اللہ تو انصار پر رحم کر اُن کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر بھی۔"

رسول اللہ کی جس تقریر کے یہ چند جملے دئے ہیں وہ اتنی روح پرور ہے کہ اسے پڑھ کر دل کی گہرائیوں میں محبت کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ انصار کے جذبات کا کیا ٹھکانا تھا۔ وہ لوگ رسول اللہ کے سامنے رونے لگے۔ اور بڑے فخر کے ساتھ مال و دولت معاویہ و ابوسفیان کے لئے چھوڑ کر رسول اللہ کو لے کر چلے گئے۔

بخاری کی ایک حدیث کے باب کا عنوان ہی ہے "حب الانصار من الایمان"

بخاری کا ایک اور باب ہے "قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتم احب الناس الیّ"

ان احادیث سے ثابت ہے کہ انصار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا دلی تعلق تھا۔

لیکن واضح رہے کہ ان حدیثوں سے یہ مطلب ہرگز نہ لینا چاہیئے کہ انصار میں سے ہر متنفس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حدیثوں کا اطلاق ہوتا ہے دراصل مطلب ان حدیثوں کا اسی قدر ہے کہ انصار بحیثیت مجموعی ان حدیثوں کے مصداق تھے۔ جس طرح صحابہ بحیثیت مجموعی قابل احترام ہیں نہ کہ فرداً فرداً۔ جب ہم کسی صحابی یا انصاری کے کیریکٹر یا کسی خاص طرز عمل پر فیصلہ کرنا چاہیں گے تو محض یہ کہہ کر معاملہ کو ختم نہیں کر دیں گے کہ وہ شخص صحابی یا انصاری ہے اس لئے رسول اللہ کی حدیث کے لحاظ سے قابل احترام ہے بلکہ اسلام کے اصول

کی روشنی میں اس کے اعمال کا جائزہ لیں گے۔

لیکن معاویہ کا مقدمہ اتنا خراب ہے کہ انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں سے وہ قابل ملامت ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ جنگ صفین میں انصار بحیثیت مجموعی معاویہ کے خلاف تھے۔ صرف ایک دو انصاری کسی خاص وجہ سے ساتھ تھے تو ان کو مستثنیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ اگر تمام دنیا کے لوگ ایک راستہ پر چلیں اور انصار دوسرے راستے پر تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انصار بحیثیت مجموعی جس راستہ پر ہوں گے وہ صداقت کا راستہ ہوگا اور اسی لئے بہترین راستہ ہوگا لہٰذا جنگ صفین میں حضرت علی کا راستہ جو بہ حیثیت مجموعی انصار کا بھی راستہ تھا بہترین راستہ تھا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ سنت نبوی کا راستہ تھا۔

انصار اور معاویہ کے درمیان جو اختلافات ہوئے ان کا مظاہرہ صرف جنگ صفین میں ہی نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اختلاف سارے اسلامی معاشرہ پر اثر انداز تھا اس کی تشریح ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب "ادب الجاہلی" کے حسب ذیل اقتباس سے ہوگی جو ذرا طویل تو ہے اگر حالات کا صحیح نقشہ پیش کرتا ہے:۔

"شہادت عمر کے بعد جب خلافت کی زمام بڑی مشکلوں کے بعد عثمان کے ہاتھوں میں آئی تو ابوسفیان کا وہ قدیم سیاسی نظریہ جس کو روبکار لانے میں وہ شروع سے منہمک تھا ایک قدم اور آگے بڑھا اب خلافت قریش کے لئے بلکہ صرف بنی امیہ کے لئے مخصوص ہوگئی تھی اب قریشیوں اور امویوں کے درمیان عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی اور عربوں کی وہ تمام عصبیتیں کروٹ بدلنے لگیں جو خاموش کی جا چکی تھیں فتوحات اسلامی کا سیلاب تھم گیا۔ عرب آپس میں مصروف کارزار

Marfat.com

اور اس طرز سیاست کے جو نتائج برآمد ہوئے ۔۔۔ عثمان کی شہادت
شیرازے کی پراگندگی اور خانہ جنگیوں کے بعد بالآخر پورے طور پر بنی امیہ
ار اور تسلط ۔۔۔ وہ اسلامی تاریخ کی واضح حقیقتیں ہیں
اب وہ وقت آگیا تھا جب خلیفہ کی سیاسی پالیسی میں تبدیلی ہوگئی۔ زیادہ گہرے
میں یوں کہئے کہ وُہ پالیسی جو عمر رضؓ نے اختیار کی تھی بے کار کردی گئی اور ئے
ی کا منھ دیکھنا پڑا۔

یعنی اُن عداوتوں اور کینوں کو یاد دلانے کی شدید روک تمام جو قبل اسلام
باتی تھی ۔۔۔ اب عربی قوم انہی بدترین عداوتوں کی طرف پھر لوٹ آئی جو عہد
ت میں اُن کے ساتھ تھیں، مقابلہ، موازنہ، مفاخرت اور ہجویات کی وبا پوری
ی دنیا میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئی۔

اس سلسلہ میں امیر معاویہ اور یزید بن معاویہ کے حضور شعرائے انصار
دیگر شعرائے عرب کے درمیان جو رقابتیں رونما ہوئی تھیں اُن کا تذکرہ کردینا
اندازہ کرنے کے لئے کافی ہوگا کہ عربی قوم کس حد تک اپنی قدیم عصبیت کی طرف
ی آچکی تھی

شاید آپ کی نظر سے وہ روایت گزری ہوگی جو ہمیں خبر دیتی ہے کہ حسان
بت کے بیٹے عبدالرحمن نے بنوامیہ کو رسوا اور ذلیل کرنے کیلئے امیر معاویہ

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب "ادب الجاہلی" کا موضوع اگرچہ ادبیات سے متعلق ہے
اس لئے پیرایۂ بحث بعض مقامات پر سیاسی و دینی مسائل کو تشنۂ تشریح چھوڑ
ہے۔ بعض مقامات پر ہمیں اختلاف بھی ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی اُن کی کتاب کا یہ
والے موضوع پر روشنی ڈالتا ہے اس لئے اُن کی کتاب کے کئی صفحات نقل کرتے ہیں

کی بیٹی برئلہ کا نام لے کر تشبیب کے اشعار کہے (یعنی اس کو اپنی جنسی خواہش کا مقصود ٹھہرایا)

امیر معاویہ نے تو اپنی عادت کے موافق درگزر سے کام لیتے ہوئے سے صرف اتنا کہا، اس کی دوسری بہن ہند سے اور تم سے کوئی یاد اللہ نہیں۔

لیکن یزید بن معاویہ جو پورا پورا اپنے دادا ابوسفیان کے اوپر پڑا تھا عصبیت، اقتدار کی ہوس، بے باکی، اور اسلام کے اصول و قواعد سے اس کی فطرت کے جوہر خصوصی تھے وہ کہاں برداشت کر سکتا تھا؟ اس بن جعیل کو انصاریوں کی ہجو کرنے پر ابھارا۔ کعب بن جعیل نے یہ انکار کر دیا کہ کیا تو پھر مجھے کفر کی طرف واپس لوٹانا چاہتا ہے؟ پھر یزید نے سے کہا۔ مذہباً عیسائی ہونے کی وجہ سے اخطل نے اس کی خواہش قبول کر انصار کی شدید ترین ہجو کہہ ڈالی جو آناً فاناً مشہور ہوگئی۔

میں نے کہا تھا، یزید اپنے دادا ابوسفیان کی ہو بہو تصویر تھا اور ہر کو عصبیت کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی تھا، یہ ایسا دعوٰے ہے جس میں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کیا آپ انکار کر سکتے ہیں کہ یزید ہی وہ شخص جس کی بدولت "حرہ" (حوالی مدینہ) کا وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا میں حرم رسول کے اندر انصار رسول کی بے حرمتیاں کی گئی تھیں؟ حر قریش نے چن چن کر انہی انصاریوں سے انتقام لیا تھا جنہوں نے جنگ میں قریش کے خلاف داد شجاعت دی تھی؟ اس واقعہ کے بعد انصا سیاسی وقعت بھی ختم ہوگئی اور پھر اُن کا سیاسی وقار دوبارہ قائم نہ ہو سکا۔ اگر غلط ہے تو پھر کیا وجہ ہے واقعہ حرہ کی تفصیل میں عام طور پر کا کہنا ہے کہ اس واقعہ میں اسی کے قریب وہ انصاری قتل کئے

Marfat.com

نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی یعنی جنہوں نے قریش کو اُس دن نیچا دکھایا تھا
نہیں ذلیل شکست دی تھی۔

"اس کے بعد اس واقعہ کی تفصیلات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہمارے
عمرو بن العاص کی اُس ذہنیت کی ترجمانی کرتا ہے کہ وہ انصار سے اس حد
تنگدل اور دل برداشتہ تھے کہ انصار کے لفظ تک سے انہیں نفرت تھی۔ ایک
انہوں نے معاویہ سے اس کی خواہش بھی کی تھی کہ انصار کا خطاب چھین لیا
اور جس کے جواب میں نعمان بن بشیر جو قبیلۂ انصار میں سے یکہ و تنہا بنی
کے طرفدار تھے مجبور ہو کر یہ اشعار کہنے پڑے۔

یا سعد لا تجب الدعاء
لنا نسب نجیب به سوی الانصار
تخیره الاله لقومنا اثقل
نسب على الكفار ان الذين
ببدر منكم يوم القليب هم
وقود النار

اے سعد پکارنے والے کا جواب دو
اس لئے کہ ہمارا اور کوئی نسب سوائے
انصار کے نہیں ہے۔ یہ نسب اللہ نے
ہمارے لئے منتخب فرمایا ہے۔ دیکھو تو
کافروں پر کس قدر گراں ہے ہمارا یہ نسب!
لوگ بدر کے میدان میں جو کنویں کی لڑائی
دن تم میں سے موجود تھے وہ سب جہنم کے ایندھن ہیں

"یہ اشعار سن کر معاویہ نے عمرو بن العاص کو برا بھلا کہا۔ ان کی عجلت پسندی
رف! ویسے وہ خود انصار سے نفرت اور قریش کے بارے میں تعصب
رکھنے میں اپنے مشیر عمرو بن العاص اور اپنے ولیعہد یزید سے کسی طرح کم نہیں تھے

یہ ضرور تھا کہ قریشی عصبیت رکھنے والے، کمی اور زیادتی کے اعتبار سے
مختلف درجوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ حد سے گزرے ہوئے تھے جیسے یزید

Marfat.com

بن معاویہ، کچھ لوگ اعتدال پسند تھے جیسے معاویہ بن ابی سفیان، اور
حضرات ایسے بھی تھے جو عصبیت میں اعتدال سے گزر کر ایسی چیز پر مائل
انصار کے حق میں ترس اور مہربانی کی شکل رکھتی تھی اور شاید زبیر بن العوا
قبیل میں تھے جو انصار پر شفقت کرتے، ترس کھاتے، اُن کے مرتبہ کا خیا
رکھتے اور ان ارشادات کا پاس کیا کرتے تھے جو پیغمبر اسلام نے انص
کے بارے میں وقتاً فوقتاً فرمائے تھے۔

"راویوں کا بیان ہے کہ 'ایک دفعہ زبیر بن العوام، مسلمانوں کی
ایسی ٹولی کے پاس سے گزرے جس میں حسان بن ثابت بیٹھے اشعار سنا
رہے تھے اور حاضرین بے پروائی کے ساتھ سُن رہے تھے۔ زبیر
ان لوگوں کا جھڑکا اور حسان بن ثابت کے اشعار کی جو وقعت پیغمبر اسلا
نظر میں تھی اس کو یاد دلایا........"

"اس جگہ ایک اور ضمنی بات کر دینا بے جا نہ ہوگا اس لئے کہ اس
بھی وہی بات ثابت ہوتی ہے جو ہمارا مقصود ہے۔ اخطل نے یزید کے
پر انصار کی جو سخت ترین ہجو کہی تھی اس کا بیان ہو چکا ہے۔ اس سلسلہ میں
کا کہنا ہے کہ 'نعمان بن بشیر انصاری (جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے) اس ہجو سے
برہم ہوئے اور معاویہ کے روبرو حسب ذیل اشعار انہوں نے سنا ڈ
آپ ان اشعار میں عصبیت کے وہی نشان پائیں گے جس کی ایک جھلک
بن ثابت کے اشعار میں آپ نے دیکھی ہے۔

"وہی عصبیت جو شعراء کی طرف ایسی چیزیں منسوب کر دیتی ہے جو ا
نے نہیں کہی ہیں۔ نعمان بن بشیر انصار میں تنہا فرد تھے جو قریش اور بنی امیہ
طرفدار تھے یا یوں کہو کہ ذاتی اغراض کے لئے اُن کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ لوگو

یہاں تک بیان کیا ہے کہ وہی تنہا انصاری تھے جو جنگ صفین میں معاویہ کے ساتھ تھے۔ اسی طرح زبیر بن العوام اُن معدودے چند قریشیوں میں سے تھے جو عہد رسالت کو یاد کر کے یا کسی ضرورت کے وقت کے لئے اُن کی دوستی کو کام میں لانے کی غرض سے انصار سے شفقت آمیز محبت کیا کرتے تھے۔"

"نعمان بن بشیر نے معاویہ کو خطاب کرتے ہوئے حسب ذیل اشعار سنائیے۔

معاویۃ الا تعطنا الحق تعترف لحی	اے معاویہ اگر تو ہمارا حق نہیں دیگا تو نعمان
الازد مشدوداً علیہا العمائم	لیگا بنو ازد کے جیڑوں کو جن پر عمامے بندھے ہونگے
ایشتمنا عبد الارقم ضلۃ	کیا عبد الارقم گمراہی سے ہم کو گالیاں دیتا ہے
وماذا الذی تجدی علیک الاراقم	اور یہ ارقم تجھ کو کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں؟ میرا
فمالی ثار دون قطع لسانہ	انتقام یہی ہے کہ تو اُن کی زبان کاٹ دے
فدونک من ترضیہ عنک	تو گرفت کر اس شخص کی جس کو تیرے
الدراہم	لئے درہم راضی کر سکتے ہیں۔
فان کنت لم تشہد ببدر وقیعۃ	اگر تو نے بدر میں وہ واقعہ نہیں دیکھا
اذلت قریشیا والانوف رواغم	جس نے قریش کو ذلیل کیا تھا اور اونچی
الم تتبدر یوم بدر سیوفنا	ناکیں ذلیل تھیں کیا تم کو بدر میں ہماری
ولیلک عما تاب قومک قاتم	تلواروں نے نہیں جھپٹا اور رات تیری قوم
ضربناکم حتی تفرق جمعکم	پر سیاہ تھی۔ ہم کو تم نے اتنا پیٹا کہ تمہاری
وطارت اکف منکم وجماجم	جمعیت پراگندہ ہوگئی اور تمہارے ہاتھ اور

کھوپڑیاں ہوا میں اڑنے لگیں۔

Marfat.com

فما انت والامر الذی لست اهله
ولکن اولی الحق والامر ہاشم
الیهم یصیر الامر بعد شتات
فمن لک بالامر الذی هو لازم
بهم شرع الله الهدی واهتدی
لهم منهم له هادا امام وخاتم

تجھ کو اس امر سے کیا سروکار جس کا تو اہل نہیں صداقت و امارت کے وارث بنی ہاشم ہی ہو سکتے ہیں اُن ہی کی طرف انتشار کے بعد معاملہ لوٹیگا کون ہے تیرا مددگار جو اس معاملہ میں تجھ سے چھپا ہوا ہے ان ہی کے ذریعہ اللہ نے ہدایت کو جاری کیا اور ان ہی میں شرع کے ہادی امام اور خاتم ہیں۔

بالکل ظاہر ہے کہ از کم آخری تین شعر ضرور نعمان بن بشیر کے کہے ہوئے نہیں ہیں بلکہ اُن کے سر منڈھ دئے گئے ہیں۔ اور شیعوں نے یہ اشعار اُن کے سر منڈھے ہیں [۱]۔"

"باوجودیکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب انصار کے ہاتھوں میں آنے کے بجائے حکومت قریش کے ہاتھ میں چلی گئی تو انصار کے دل میں قریش کی طرف سے ایک قسم کی کدورت پیدا ہو گئی تھی اور اس کے بعد وہ اپنے سیاسی موقف کی وجہ سے اس جماعت کی طرف جھک گئے تھے جو امویوں کے خلاف تھی اور علیؓ کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن نعمان بن بشیر کے متعلق ہم

---

[۱] ڈاکٹر طہٰ حسین کی یہ رائے کسی شہادت پر مبنی نہیں اور صرف اس بنا پر دی گئی ہے کہ نعمان بن بشیر انصاری معاویہ کے حامی ہوتے ہوئے بنی ہاشم کی امارت کے حق میں اور معاویہ کی امارت کے خلاف اشعار کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ استدلال غلط ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ معاویہ کے اکثر رفقاء اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ عقیدہ چھپائے ہوئے تھے کہ معاویہ کا مسلک غلط اور بنی ہاشم کا صحیح ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خود معاویہ بھی یہ بات جانتے تھے۔ نعمان بن بشیر کے جذبات بحیثیت انصار مجروح ہوئے تو دل کی بات زبان پر آگئی (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اُن کے انصاری ہونیکے باعث یہ نہیں مان سکتے کہ وہ ہاشمی المذہب یا علوی الرائے تھے۔ وہ خالص اموی تھے بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ خالص سفیانی تھے اسی لئے جب انہوں نے محسوس کیا کہ آل سفیان کے ہاتھوں سے طاقت مروان بن الحکم کی طرف ملتوی ہو رہی ہے تو وہ امویوں کی بجائے عبداللہ بن زبیر سے آکر مل گئے اور ان ہی کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے "

"آپ نے دیکھ لیا کہ کس انتہا تک انصار و قریش کی عصبیت پہنچی ہوئی تھی اور کس قدر شعر و شعراء اس سے متاثر تھے۔ دونوں مذکورہ ضمنی واقعات سے آپ نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ کس طرح زبیری اور ہاشمی نے حسان بن ثابت اور نعمان ابن بشیر الانصاری کے اشعار سے اپنے حریفوں کے مقابلہ میں کام لیا ہے

گزشتہ صفحہ کے حاشیہ کے نوٹ کا سلسلہ، خود ڈاکٹر طٰہٰ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نعمان بن بشیر کے ذاتی تعلقات آل سفیان سے ایسے تھے کہ وہ ان تعلقات کے اثر سے معاویہ و یزید کے ساتھ تھے۔ اُن کی حمایت اس بنیاد پر نہیں تھی کہ وہ معاویہ یا یزید کو برسرِ حق سمجھتے ہوں۔ ایک انصاری کی حیثیت سے اُن کے جذبات اور تھے۔ جب وہ کسی اموی سے انصار کے خلاف اشعار سنتے تھے یا جب کوئی اموی انصار کی مذمت کا جملہ ادا کرتا تھا تو اُن کے دلی جذبات میں ہلچل پیدا ہو جاتی تھی۔ ان جذبات کے تحت وہ ایسے اشعار کہہ سکتے تھے جن میں بنی ہاشم کے برسرِ حق ہونے کا اعتراف ہو۔ خود معاویہ کو معلوم تھا کہ وہ برسرِ حق نہیں بعض مواقع پر معاویہ نے اعتراف بھی کیا ہے اور عمار بن یاسر کی شہادت والی حدیث کے راویوں میں سے ایک معاویہ بھی ہیں جس سے حضرت علی کا برسرِ حق ہونا اور معاویہ کا باطل پر ہونا ثابت ہے (یہ بحث آئندہ ایک مستقل باب میں آئے گی)

{اس کے بعد ڈاکٹر طٰہٰ نے عبد الرحمٰن بن حسان اور عبد الرحمٰن بن الحکم کی شاعرانہ جنگ کا حال لکھ کر انصار اور بنی امیہ کی عداوت کا تذکرہ اس طرح جاری رکھا ہے:-}

"یہ معاملہ معاویہ تک جا پہنچا۔ انہوں نے سعید بن العاص کو جو اُس زمانے میں اُن کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے لکھا کہ دونوں شاعروں کو سو سو کوڑے لگائے جائیں۔ سعید بن العاص معاویہ کے زمانے میں انصار پر اسی طرح مہربان تھے جس طرح عمر بن الخطاب کے زمانہ میں زبیر بن العوام۔ نیز عبد الرحمٰن بن حسان سے سعید بن العاص کی دوستی بھی تھی اس لئے وہ عبد الرحمٰن بن حسان کو مارنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اور قریشی عبد الرحمٰن بن الحکم کو مارنا بھی انہیں ناپسند تھا۔ انہوں نے معاویہ کے حکم کو ٹالے رکھا۔ مگر فوراً ہی انہیں مدینہ کی گورنری مروان بن الحکم کے لئے چھوڑنا پڑی اور مروان نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن بن الحکم کی طرفداری میں عبد الرحمٰن[1] بن حسان کو تو کوڑے لگوا دیئے مگر ابن حکم کو کوئی سزا نہیں دی"

"عبد الرحمٰن بن حسان کو یاد آیا کہ انصاریوں کا ایک نمائندہ (سفیر) شام میں موجود ہے۔ یعنی نعمان بن بشیر۔ ابن حسان نے ان کو لکھا:-

(ترجمہ) کاش میں جانتا کہ میرے دوست نعمان! تم شام میں موجود نہیں ہو یا اگر ہو تو سو رہے ہو۔ جو کچھ بھی ہو غائب بھی کسی دن لوٹ آتا ہے اور سویا ہوا بھی جگا دیا جاتا ہے۔ بے شک ہمارے باپ دادا عمر اور حرام ہمیشہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ کیا وہ لوگ تم کو روکتے ہیں یا کاتبوں کی کمی ہے۔

---

[1] عبد الرحمٰن بن حسان بعض کے نزدیک صحابی ہیں۔ نیز اُن کے ثقہ ہونے کے محدثین قائل ہیں اور اُن سے احادیث بھی مروی ہیں۔ یہ شاعر دربار نبوت حسان کے بیٹے تھے اور انصاری۔

Marfat.com

یا تم مجھ سے ناراض و خفا ہو۔ یا مجھ سے پھر گئے ہو یا کاغذ تمہیں نہیں ملتا۔ یا میرا معاملہ تم کو بالکل معمولی نظر آتا ہے۔ جس دن تم کو خبر دی گئی کہ میری پنڈلی کچل دی گئی اور سواروں نے تمہیں یہ خبر پہنچائی۔ پھر انہوں نے تم سے کہا کہ تمہارا چچازاد بھائی مختلف مصیبتوں میں ہے جن کو زمانہ کے حوادث لائے ہیں، تم نے نسبی علاقے محبت اور صحبت سبھی کو ان حوادث میں بھلا دیا۔ سمجھ لو کہ نیزہ ایک معمولی چھڑ یا لکڑی ہے اگر اس میں بھال نہ ہو"

"کہتے ہیں کہ نعمان بن بشیر انصاری امیر معاویہ کے پاس گئے اور ان کو بتایا کہ سعید بن العاص نے تو ان کے حکم کو ٹالے رکھا تھا مگر مروان نے صرف انصاری پر اُسے نافذ کیا ہے۔ معاویہ نے پوچھا، تو تم کیا چاہتے ہو؟'

نعمان نے جواب دیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مروان کو مجبور کرو کہ وہ دونوں پر تمہارا حکم نافذ کرے۔ کہا جاتا ہے کہ اسی بارے میں نعمان نے یہ اشعار کہے تھے۔

(ترجمہ) "اے ابوسفیان کے لڑکے۔ ہم ایسوں پر کبھی بھی بادشاہ یا امیر نے آج تک کسی زیادتی کی جرأت نہیں کی۔ مقام حنو میں ہمارے گھوڑوں کے آنے کو یاد کرو جبکہ تم ہمارے محتاج تھے۔ اور ساعدی کی صبح کو یاد کرو جس میں بشیر نے تمہاری امارت کے لئے ترجیح دی تھی۔ جنگ بدر جیسی لڑائیوں سے ڈرو جبکہ بدر میں تم پر ایک سخت دن گزر چکا ہے۔ بے شک ابن حسان کا ایک انتقام ہے۔ اُس کا حق اسے دے دو تاکہ دل صاف ہو جائیں۔ تمہاری ایسی ہی لڑائیوں نے تمہارے لئے اُس ملک کو ذلیل کر دیا جس میں تمہارا حقیر تھا کیا تم نہیں دیکھتے ہی اور اُن کے متعین کو میرے گرد ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے غصہ کو ضبط کئے ہوئے گھومتے تھے اور شیروں کی طرح ڈکار رہے تھے۔

Marfat.com

میرے ہمراہ اُن کی ایک جماعت حملہ کرتی تھی۔ اگر میں حملہ آور ہوتا تھا تو وہ بھی حملہ کرتے تھے اور میرے مددگار تھے۔ ہم پست نہیں ہو سکتے اس لئے کہ ہماری محفوظ آبرو اور بڑی جماعت ذلت برداشت کرنے سے انکار کرتی ہے۔ اور ایسا عنصر انکار کرتا ہے جس کی عزت کی جڑیں قوم عاد کے زمانہ کی طرح قدیم ہیں جس کے اٹھانے سے پتھر بھی عاجز ہیں"

"مروان کو معاویہ کا حکم پہنچا تو اس نے اپنے بھائی کو پچاس کوڑے لگائے اور بقیہ پچاس کے لئے عبدالرحمٰن بن حسان سے معافی چاہی۔ عبدالرحمٰن بن حسان نے معاف تو کر دیا مگر مدینہ میں یہ پروپیگنڈا کیا کہ مروان نے مجھ پر آزاد مرد کی حد جاری کی اور اپنے بھائی پر غلام کی۔ یہ بات عبدالرحمٰن بن حکم پر بہت گراں گزری۔ وہ اپنے بھائی کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ مجھ پر بھی سو کوڑے پورے کر دو۔ تو بقیہ پچاس کوڑے بھی لگائے گئے اور ہجو گوئی کا سلسلہ دونوں کے درمیان برابر جاری رہا"

"سیاسی مؤرخ چاہے تو قریش و انصار کی عصبیت کے موضوع پر اور اس بیان میں کہ بنو امیہ کے زمانے میں مسلمانوں کی زندگی میں نہ صرف مکہ، مدینہ اور دمشق بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ، مصر، افریقہ، اور اندلس میں بھی اس عصبیت کا کہاں تک دخل ہو گیا تھا ایک مخصوص اور ضخیم کتاب لکھ سکتا ہے۔

"یہ تمام تعصبات شاخ در شاخ ہو کر مختلف سمتوں کی طرف بڑھنا شروع ہوئے اور جس سیاسی و ملکی ماحول نے انہیں گھیر لیا اسی رنگ میں وہ رنگ گئے اور ایک خاص شکل اختیار کر لی، شام میں ایک شکل بن گئی، عراق میں دوسری، خراسان میں تیسری اور اندلس میں چوتھی اور آپ کو اچھی طرح معلوم ہو گا کہ اسی عصبیت نے بنی امیہ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے

Marfat.com

اُس نبوی سیاست کو ترک کر دیا تھا جو ان تعصبات کو مٹانے والی تھی انہوں نے ایک فریق کو چھوڑ کر دوسری فریق کی طرف غیر معمولی توجہ مبذول کر دی تھی۔ انہوں نے عصبیت کو اُبھارا اور اس کو طاقت بخشی مگر اس طاقت نے عصبیت کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ بلکہ عربوں کے ہاتھوں سے نکل کر ایرانیوں کے ہاتھوں جا پہنچی"

(ادب الجاہلی کا اقتباس ختم ہوا)

ڈاکٹر طہٰ نے جو نقشہ پیش کیا ہے اگرچہ اُس سے اُن کا مقصد ادب الجاہلی میں عصبیت کے اثرات ثابت کرنا ہے لیکن اس سے اندازہ ہوگا کہ بنو امیہ کے دور میں وہ عصبیت عود کر آئی تھی جس کو مٹانے کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اور حجۃ الوداع میں فرمایا تھا گو کہ اسلام کا ایک بڑا مقصد اس عصبیت کو ختم کرنا تھا۔ لیکن اس عصبیت کو نیا جنم دینے والے معاویہ تھے۔

اگرچہ اس عصبیت کا مظاہرہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا مگر حضرت عثمان کے زمانہ میں صورت حال یہ تھی کہ معاویہ اور اُن کے خاندان کے دیگر لوگ حضرت عثمان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے تھے لیکن معاویہ کے زمانہ میں اقتدار کا یہ اصول قائم کر کے تمام کارروائیاں کی گئیں کہ بنی امیہ ہی کے قبضہ میں حکومت رہے۔ اور معاویہ کی طاقت کا تمام مدار اسی عصبیت پر تھا انصار حضرت علیؓ یا امام حسینؑ کے اقربا نہیں تھے۔ اُن کی امداد اسلامی جذبات پر مبنی تھی۔ انہوں نے اجتماعی حیثیت سے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اس دور کی عملی زندگی میں سچ ثابت ہوئی کہ ساری دنیا کے مقابلہ میں بھی انصار کے راستہ پر چلونگا۔ اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ حضرت علیؓ

Marfat.com

کا راستہ حق کا راستہ تھا۔

انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مشہور برگزیدہ صحابی محمد بن مسلمہ ہیں۔ انہوں نے کعب بن الاشرف یہودی کو قتل کیا تھا۔ اس قتل کا واقعہ حدیث وسیرت کی تمام ہی قابل ذکر کتابوں میں ہے۔ رسول اللہ نے اس کے قتل کا حکم کیوں دیا تھا اس کی تفصیلات بھی تمام کتابوں میں دی ہوئی ہیں۔ ان سب کتابوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے نزدیک اس کے قتل کی بڑی اہمیت تھی اور آپ نے صحابہ سے اپیل کی تھی کہ کوئی اس دشمن کو قتل کرے تو اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے محمد بن مسلمہ انصاری نے وعدہ کیا تھا کہ یا رسول اللہ اس کام کو میں انجام دونگا۔ حدیث وسیر کی کتابوں میں یہ بھی موجود ہے کہ محمد بن مسلمہ کعب بن الاشرف کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے کچھ روپیہ درکار ہے۔ اُس زمانہ میں مدینہ کے یہودی اہل مدینہ کی عورتوں، بچوں، اور ہر قسم کی دوسری چیزیں گروی رکھ کر روپیہ قرض دیا کرتے تھے۔ کعب نے کہا کہ تم اپنی عورتوں کو گروی رکھ کر رقم لے جاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے جواب دیا کہ تم خوبصورت آدمی ہو ہم اپنی عورتوں کو تمہارے پاس گروی رکھنا خطرناک سمجھتے ہیں۔ کعب نے کہا تو اپنے بیٹوں کو گروی رکھ دو محمد بن مسلمہ نے کہا کہ بیٹوں کو اس لئے نہیں رکھیں گے کہ بعد میں لوگ اُن کو طعنے دیا کریں گے کہ تم وہی ہو جن کو باپ نے تھوڑی رقم پر گروی رکھ دیا تھا۔ مگر ہم اپنے ہتھیار گروی رکھ دینگے۔ کعب اس پر راضی ہوگیا اور محمد بن مسلمہ رات کو ہتھیار لے کر آنے کا وعدہ کر آئے۔

رات کو اور چند آدمیوں کو لے کر محمد بن مسلمہ کعب کے گھر پہنچے۔ اُسے آواز

دی تو بیوی کے ساتھ عیش میں مشغول تھا۔ آواز سن کر نیچے اترا۔ بیوی نے منع بھی کیا کہ اس وقت مت جاؤ میں ڈرتی ہوں کہ یہ موت کی آواز معلوم ہوتی ہے مگر کعب نے اس کی ایک نہ سنی اور نیچے اتر آیا۔ اس کے سر میں اور کپڑوں میں خوشبو لگی تھی۔ محمد بن مسلمہ نے بہت تعریف کی کہ کیا اعلیٰ خوشبو ہے۔ کعب نے جواب دیا کہ میری بیوی خوشبو کا بہترین ذوق رکھتی ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کعب کا سر جھکا کر خوشبو سونگھی۔

محمد بن مسلمہ نے ساتھیوں کو پہلے ہی سکھا رکھا تھا کہ جس وقت میں کعب کو پکڑ کر اشارہ کروں تو تم یکایک حملہ کر کے اسے قتل کر دینا۔ چنانچہ دوسری بار محمد بن مسلمہ نے پھر خوشبو سونگھنے کے بہانے کعب کا سر جھکا دیا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ وہ یکایک حملہ آور ہوئے اور کعب کو قتل کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ اس خبر کے لئے گوش بر آواز انتظار کر رہے تھے جیسے ہی کامیابی کی خبر سنی آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

اس سے اندازہ ہوگا کہ کعب کے قتل کی کتنی اہمیت تھی۔ یہ اہمیت کیوں تھی اس پر بھی احادیث اور تاریخوں میں کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ بتایا گیا ہے کہ کعب بن الاشرف با اثر یہودی سردار تھا اور ایک قلعہ میں رہتا تھا

اس نے رسول اللہ سے معاہدہ کیا تھا جس کے شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ مسلمانوں کے ساتھ دشمنی نہیں کریگا اور ان کے دشمنوں کو مدد نہیں دیگا۔ لیکن جب جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو کعب کی دلی دشمنی ظاہر ہو گئی۔ اس نے معاویہ کے باپ ابوسفیان کو انتقام کے لئے بھڑکانا شروع کیا اور مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف سازش شروع کر دی۔ نیز اس نے رسول اللہ کی شان میں گستاخی شروع کی اور مسلم خواتین کی ہجو لکھنی شروع کی۔ رسول اللہ کے خلاف اس کے اشعار گانے والی لڑکیوں سے

Marfat.com

گوائے گئے۔ غرضکہ اس کی سرگرمیاں اسلام کے لئے ایک مصیبت اور خطرہ بن گئیں مجبور ہو کر رسول اللہ نے صحابہ سے اپیل کی کہ اس دشمن سے کسی طرح بھی نجات دلائی جائے اور جب محمد بن مسلمہ نے کعب کو قبضہ میں لانے کے لئے اُس کو فقرہ دینے اور "جو چاہے کہنے کی" اجازت مانگی تو یہ اجازت دیدی گئی۔

یہ تمام واقعہ "معاویہ اور صحابیت" کے باب میں اس لئے بیان کیا جا رہا ہے کہ معاویہ ایسے "صحابی" تھے جو رسول اللہ کی توہین اپنے دربار میں کراتے تھے اور محمد بن مسلمہ کو اُن کے خلافتی دربار میں اس توہین پر احتجاج کرنا پڑا تھا۔

ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۷۰ پر "قصۃ کعب بن الاشرف" کا باب شروع ہوتا ہے اور بیس صفحات ابن تیمیہ نے اسی بحث پر وقف کر دیئے ہیں۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں کے متعدد حوالے دے کر انہوں نے یہ سمجھایا ہے کہ کعب بن الاشرف کا قتل کیوں ضروری اور حق بجانب تھا۔ ان صفحات میں ہی ابن تیمیہ نے صفحہ ۸۹ پر یہ واقعہ لکھا ہے کہ:-

"ابن وھب نے روایت کیا کہ مجھ سے سفیان بن عیینہ نے کہا اُن کو عمر بن سعید برادر سفیان ابن سعید الثوری نے اُن کو اپنے باپ نے اور اُن کو عبایہ نے بتایا کہ معاویہ کی صحبت میں ابن الاشرف کے قتل کا ذکر ہوا تھا تو ابن یامین نے کہا کہ اُس کا قتل 'غدر' تھا۔ محمد بن مسلمہ نے اس پر کہا کہ اے معاویہ تیری صحبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غدر کا الزام لگایا جاتا ہے اور تُو اُس سے انکار تک نہیں کرتا۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ تیرے ساتھ مکان

آیندہ مجھے کبھی نہیں پایا جائے گا اور میں اس شخص کو قتل کر کے دم لوں گا۔"

محمد بن مسلمہ کے الفاظ ہیں "یا معاویۃ ایغدر عندک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم لا تنکر"

معاویہ کے اس کافرانہ طرز عمل کی جڑ بنیاد سمجھنے کے لئے یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ کعب بن الاشرف نے معاویہ کے باپ ابوسفیان سے ہی جنگ بدر کے بعد سازش کی تھی۔ وہی عصبیت کام کر رہی تھی جس کے تحت ابن یامین کے الزام پر معاویہ نے خاموشی اختیار کی اور محمد بن مسلمہ چونکہ انصاری تھے اور کعب بن الاشرف کے قتل میں ہیرو کا رول ادا کر چکے تھے اور ان کی کامیابی پر رسول اللہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا تھا اس کے لئے انہوں نے احتجاج کیا۔

اس سے بھی اندازہ کیجئے کہ کتنے دیندار مسلمان معاویہ کے اقتدار کے خوف سے اس قسم کی توہین کے اور کتنے ہی مظاہروں پر سکوت اختیار کرتے ہوں گے۔ یہ تھی معاویہ کی صحابیت، جس پر بعض سادہ لوح مسلمان والہ و شیدا ہیں۔ ممکن ہے اس کے مقابلہ میں کوئی ایسا واقعہ معاویہ کا پیش کیا جائے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ معاویہ کو رسول کی عزت کا پاس و لحاظ تھا لیکن یہ واضح رہے کہ معاویہ کا مذہب اقتدار پرستی تھا۔ اگر کسی موقع پر اقتدار کے مقاصد کے لئے محبت رسول کا مظاہرہ مفید معلوم ہوا تو اس سے انکار نہیں تھا اور اگر اقتدار کے مقاصد کی تکمیل رسول کی توہین یا اصول اسلام کی پامالی یا اسلامی تعلیمات پر مضحکہ کرنے سے ہوتی ہو تو ان باتوں سے بھی انکار نہ تھا۔ اقتدار کے مقصد کے لئے گالیاں دینا، گالیاں کھانا، دولت لٹانا، دولت لوٹنا، اگر کسی کو انعام و اکرام اور مسکراہٹوں سے نہیں جیتا جا سکتا تو اس

Marfat.com

کو قتل کرانا، یا زہر کھلا دینا، رسول کی حدیث پر زور دینا اور اس کی حدیث کا مذاق اڑانا سب کچھ معاویہ کے نزدیک جائز تھا۔ اسلام کی کوئی بات اگر اقتدار کے لئے مفید ہے اسے قبول کرنا اور اگر کوئی بات اقتدار کی راہ میں حائل ہے اُسے چھوڑنا اور اس کا مذاق اڑانا معاویہ کے کیریکٹر کا جزو تھا۔

محمد بن مسلمہ کے قتل کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے اور معاویہ کا نام اس قتل کے ساتھ خاص طرح لیا جاتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ محمد بن مسلمہ بڑے درجہ کے صحابی تھے۔ جنگ بدر میں شریک تھے اور اس کے بعد مدینہ کے یہود کے مقابلہ میں ان کا رول بہت نمایاں ہے غزوۂ قینقاع میں یہود کے مال کی وصولی کا کام بھی انھوں نے ہی کیا تھا کعب بن الاشرف نے بدر کے بعد مکہ پہنچ کر جب خاندان بنی امیہ کو جنگ کے لئے تیار کیا اور رسول اللہ کے خلاف ہجو کے اشعار لکھے تو کعب کو محمد بن مسلمہ نے ہی قتل کیا۔ جب محمد بن مسلمہ قتل کے مشن پر گئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی بے چینی سے انتظار کیا تھا کہ آپ سو بھی نہ سکے تھے اور جب کامیابی پر تکبیر کی آوازیں سنیں تو اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔ ۴ھ میں بنی نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ ان یہودیوں نے جب دغا کی اور مسلمانوں کے خلاف سازش کی تو رسول اللہ نے محمد بن مسلمہ کو ہی یہ اعلان کرنے بھیجا تھا کہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ ورنہ پھر جنگ ہو گی اور جب یہود نے منافقین مدینہ کی سازش سے اس الٹی میٹم کو رد کر دیا تو ان سے جنگ ہوئی۔ اور فتح کے بعد محمد بن مسلمہ کے ہی سپرد یہود کو جلا وطن کرنے کا کام ...... کیا گیا تھا۔

غزوۂ خندق کے بعد جب غزوۂ قریظہ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور یہود

Marfat.com

ہتھیار ڈال دیے تو اس وقت بھی رسول اللہ نے محمد بن مسلمہ کو ہی یہ فرض
کام دینے کا حکم دیا تھا کہ یہود کے مردوں کو، عورتوں اور بچوں سے الگ
کے اُن کے ہاتھ باندھ دیں۔

عہد رسالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد غزوات وغیرہ
ان کو ایسے ہی ذمہ داری کے کام سپرد کئے۔ ان کی شجاعت کے بھی متعدد
واقعات ہیں جن کا تذکرہ یہاں غیر ضروری ہے۔

عہد فاروقی میں ان کا نہایت شاندار رول یہ تھا کہ اسلامی صوبوں کے
گورنروں کے اعمال کے احتساب کے لئے بھیجے جاتے تھے اور سعد بن وقاص
اور عمرو بن العاص جیسے با اثر گورنروں کا انھوں نے سختی سے محاسبہ کیا
اور سعد بن وقاص جیسے مرتبہ کے صحابی گورنر کا مکان اس لئے جلا دیا تھا کہ وہ
ضرورت سے زیادہ شاندار تھا۔ اور عمرو بن العاص سے تو نہایت سخت گفتگو
ہوئی تھی۔

یہ تمہید اس لئے لکھی گئی کہ محمد بن مسلمہ صحابی کا رویہ حضرت علی اور
معاویہ کی آویزش میں خاص تھا اور حضرت علی اور معاویہ کے طریق کار کا فرق
اس بارے میں نمایاں ہوتا ہے۔

محمد بن مسلمہ نے حضرت عثمان کی شہادت کے معاملہ میں نہ اُن کا دفاع
کیا اور نہ مخالفین کا ساتھ دیا۔ پھر جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی غیر جانبدار
رہے۔ حضرت علی نے جب اپنے عہد خلافت میں ان سے سوال کیا کہ تم نے جنگ
صفین میں میرا ساتھ کیوں نہیں دیا تو انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مسلمان آپس میں لڑیں تو اپنی تلوار کو اُحد پر
مار کر توڑ ڈالنا۔ چنانچہ محمد بن مسلمہ نے ایک لکڑی کی تلوار بنوالی تھی۔

Marfat.com

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ چند صحابہ ایسے تھے جنہوں نے ان جنگوں میں مذکور بالا حدیث کی بنا پر کسی طرف سے حصہ نہیں لیا تھا۔ اور پھر اس مختصر تعداد میں خزیمہ ذوالشہادتین جیسے دو ایک ایسے بھی تھے جو عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد حضرت علی کی طرف شریک ہو گئے تھے کیونکہ پھر ان پر ثابت ہو گیا کہ حضرت علی حق پر ہیں۔

حضرت علی نے یہ محسوس کر کے کہ ان کا اختلاف محض اجتہادی تھا محمد بن مسلم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ لیکن معاویہ کا کیریکٹر حضرت علی کے کیریکٹر سے بالکل مختلف تھا۔ چنانچہ عہد معاویہ میں .... ایک شامی اُن کے گھر میں گھس گیا۔ اور وہاں انہیں اس جرم میں شہید کر ڈالا کہ معاویہ کی طرف سے جنگ میں کیوں نہیں شریک ہوئے تھے (دیکھو تہذیب التہذیب)

معاویہ کے حامی یہ کہیں گے کہ یہ کیسے ثابت ہوا کہ معاویہ کے حکم سے ایسا ہوا۔ اس کا جواب اس باب میں ملے گا جس میں امام حسن کو زہر خورانی کا مسئلہ پر بحث آگے آنے والی ہے۔ فی الحال "تہذیب التہذیب" کا حوالہ کافی ہے۔ اور جو واقعات محمد بن مسلمہ کی زندگی کے اوپر دئے گئے ہیں وہ طبقات ابن سعد، بخاری، اسد الغابہ اور مسند سے لئے گئے ہیں۔

معاویہ اور ان کے ساتھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ معاویہ کی وفات کے بعد ان کے ساتھیوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ ۷۴ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی نے حضرت انس حضرت جابر اور حضرت سہل بن سعد کے جسموں پر اس لئے داغ لگوائے تھے کہ انھوں نے حضرت عثمان کی مدد نہیں کی تھی۔ سہل بن سعد یہ کہتے رہے کہ میں نے مدد کی تھی مگر ایک شنوائی نہیں ہوئی۔ اور حکم دیدیا گیا کہ یہ جھوٹ کہتا ہے اس کی گردن پر مہر لگا دو۔

Marfat.com

یہ عبدالملک بن مروان کے دور کی بات ہے۔ اس کے دور میں ہر قسم ظلم ہوئے۔ صحابہ بھی ان مظالم کا شکار ہوئے لیکن تعجب ہے کہ امام بخاری "ادب المفرد" میں اس کی .... روایت قبول کی ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا وہ کس طرح مضحکہ اڑاتے تھے۔ اس کا اندازہ "تاریخ الخلفا للسیوطی" کے اقتباس سے ہو سکتا ہے
جب ایک بار معاویہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ کے مشہور صحابی ابو قتادہ سے ملاقات ہوئی۔ معاویہ نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ اور باشندگان مدینہ ملے مگر انصار نہیں آئے۔ ابو قتادہ نے طنزاً کہا کہ ان کے پاس سواریاں نہیں تھیں۔ معاویہ نے سوال کیا کہ ان کی سواریاں کیا ہوئیں۔ اس کا جواب ابو قتادہ نے یہ دیا کہ ان کی سواریاں بدر کے دن تمھاری اور تمھارے باپ کی تلاش میں ضائع ہو گئیں۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد تم یہ زیادتیاں دیکھو گے۔ معاویہ نے پوچھا پھر ایسی حالت میں تمہیں کیا ہدایت دی تھی۔ ابو قتادہ نے کہا ایسی حالت میں صبر کرنے کی تلقین کی تھی۔ اس پر معاویہ نے کہا کہ پس تم صبر کرو۔
اس اقتباس سے ایک طرف تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام میں سے انصار کے جذبات معاویہ کی نسبت کیا تھے۔ اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ کی نظر میں حدیث رسول کا مرتبہ کیا تھا۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ کی حدیث پر عمل کروں گا نہ حدیث کی کوئی ایسی تعبیر پیش کی جس کی روشنی میں معاویہ اپنے طرز عمل کو حق بجانب ثابت کر سکتے بلکہ حدیث کا مضحکہ یہ کہہ کر اڑایا کہ اگر ایسے حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کا مشورہ دیا تھا تو بس صبر کئے جاؤ۔

Marfat.com

معاویہ کے بعض حامیوں نے اس واقعہ کو معاویہ کے حلم و بردبار[ی] کا رنگ دے کر پیش کیا ہے۔ اگر اس کا نام حلم ہے تو مکاری اور توہین حق[...] کس کا نام ہے۔؟

معاویہ کے مدینہ پہنچنے کے وقت وہاں کے لوگوں کو انہوں نے سیم و ز[ر] دے کر اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کی تھی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ معاویہ انص[ار] کے رویہ سے بہت پریشان تھے۔ کیونکہ ان کے عقیدہ پر سیم و زر کا کوئی اثر نہ ہو[تا] تھا۔ جب انہوں نے یہ بات دیکھی کہ انصار کے ایمان کو خریدا نہیں جا سکتا تو [...] خیال ظاہر کیا تھا کہ انصار کو سیم و زر دینا دولت کو ضائع کرنا ہے۔

ابو قتادہ کی اس گفتگو سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انصار اس زمانہ تک یہ ہی عقیدہ رکھتے تھے کہ معاویہ اور اس کے خاندان کے جو جذبات اسلام کے متعلق جنگ بدر میں تھے وہی عہد معاویہ میں تھے۔ معاویہ کے اسلام لا[نے] پر ان کو اعتماد نہ تھا۔

واضح رہے کہ معاویہ اور ابو سفیان کے ایمان لانے کے بعد بھی مدینہ [کے] مسلمان عہد رسالت میں بھی اعتماد نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ حدیثوں میں ہے [کہ] مسلمانان مدینہ ان لوگوں سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور ان کو اپنے ساتھ جہاد میں بھی نہیں لے جاتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ابو سفیان نے رسول اللہ سے درخواست کی تھی کہ اس کو بھی جہاد میں دوسرے مسلمانوں کی طرح شریک کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی تھی کہ میرے بیٹے معاویہ کو کاتب بنا لیا جائے۔ اگرچہ رسول اللہ نے یہ درخواست سن کر "ہاں" کہہ [دیا] تھا لیکن انصار کے دلوں میں ان کے اسلام پر اعتماد نہ تھا۔ معاویہ و یزید کے زمانہ میں اس بے اعتمادی کا پیالہ چھلک گیا۔

Marfat.com

۸

بیعت کے متعلق صحابہ کے نظریات

معاویہ کے زمانہ میں صحابیت کا ایک اور پہلو نمایاں ہوا جس نے امت میں بڑی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں۔ بیعت امیر کے متعلق صحابہ نے الگ الگ نظریات پیش کئے۔ ہر ایک نے اپنے نظریہ کی بنیاد رسول اللہ کی کسی حدیث کو ہی قرار دیا پھر بھی ان نظریات میں اہم اختلافات ہیں اور ان اختلافوں نے عام مسلمانوں کے ذہن و عمل میں بڑا اخلجان پیدا کر دیا۔

مثلاً بعض ممتاز صحابہ نے معاویہ بلکہ یزید تک کی بیعت کی تو صحابیت کے غلط تصور نے یہ تاثرات پیدا کر دئے کہ معاویہ و یزید کی امارت حق بجانب تھی اسی بنیاد پر بعض لوگوں نے یزید کی حمایت کی جسارت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب فلاں اور فلاں نے بیعت کر لی تو اس کے بعد ہمارے لئے چون و چرا کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ اور ہمیں کیا حق ہے کہ معاویہ و یزید کے کیریکٹر اور اعمال پر نکتہ چینی کریں۔

صحابہ کرام ان نظریات کے اختلاف کا جائزہ اسلامی تعلیمات کی وضاحت میں زبردست اہمیت رکھتا ہے۔

صحیح مسلم کی کتاب الامارہ میں حسب ذیل حدیث پڑھئے:۔

"عبدالرحمٰن بن عبدرب کعبہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں گیا تو عبداللہ

Marfat.com

...... بن عمرو بن العاص کو کعبہ کے سائے میں بیٹھا ہوا پایا اور انکے گرد لوگوں کا مجمع دیکھا میں بھی وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ عبداللہ نے کہا ایک سفر میں حضور کے ساتھ تھا ایک منزل پر جا کر اترے تو ہم میں سے بعض لوگ خیموں کو درست کرنے لگے بعض تیر اندازی کرنے لگے اور بعض جانوروں کو چرانے میں مشغول ہو گئے اتنے میں حضور کے منادی نے اعلان کیا کہ نماز تیار ہے ہم سب انکے حضور میں حاضر ہو گئے حضور نے فرمایا جو نبی مجھ سے پہلے ہوئے ہیں انکا فرض یہ تھا کہ وہ اپنی امت کو اس بھلائی سے آگاہ کریں جن سے وہ واقف ہوں اور اس برائی سے ڈرائیں جس سے وہ آگاہ ہوں اور تمہاری امت کی حالت یہ ہے کہ اسکے ابتدائی حصے میں عافیت مقرر کی گئی اور آخری حصہ میں بلائیں اور مصائب اور وہ امور جن کو تم پسند نہ کرو گے اور آخر میں ایک ایسا وقت ظہور پذیر ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے کو خفیف اور کمزور کر دینگے یا جس کا ایک حصہ دوسرے کو رقیق و کمزور کر دیگا مومن اس فتنہ کو دیکھ کر کہے گا کہ یہ مصیبت میرے لئے تباہ کن و ہلاکت خیز ہے۔ پھر یہ فتنہ ہو چکے گا اور دوسرا فتنہ پیدا ہوگا مومن اس کو دیکھ کر بھی کہے گا یہ میرے لئے ہلاکت خیز ہے۔ جو شخص ان فتنوں میں خود کو دوزخ کی آگ سے بچانا اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہو وہ اپنی موت اس حالت میں پائے کہ وہ خدا پر اور آخرت کے دن پر کامل اطمینان رکھتا ہو اور لوگوں کے لئے اسی بات کو پسند کرتا ہو جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جس نے امام کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر بیعت کی ہو۔ اور اپنی اطاعت اس کو دے چکا ہو۔ تو اپنی قوت کے مطابق اسکی اطاعت کرے پھر اگر کوئی اور شخص امامت کے معاملہ میں اس سے جھگڑا کرنے والا پیدا ہو جائے (یعنی اس کے مقابلہ پر امامت کا کوئی اور دعویدار آ جائے) تو تم لوگ اس کی گردن اڑا دو۔"

" عبدالرحمٰن راوی کا بیان ہے کہ یہ حدیث سن کر میں عبداللہ کے قریب

Marfat.com

گیا اور کہا، میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حدیث تم نے حضور سے سُنی ہے، عبداللہ نے اپنے کانوں اور سینہ کو میری طرف اپنے دونوں ہاتھوں سے جھکایا اور کہا "میرے ان دونوں کانوں نے اس حدیث کو سنا ہے اور میرے دل نے اس کو محفوظ رکھا ہے"۔ یہ سن کر میں نے کہا "تمہارا یہ چچازاد بھائی معاویہ ہم کو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق کھانے اور آپس میں خونریزی کرنے کا حکم دیتا ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ہ (اے ایمان والو آپس میں تم ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اس میں مضائقہ نہیں کہ آپس کی رضامندی سے تجارت کرو اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو۔ اللہ تمہارے ساتھ مہربان ہے")

یہ سن کر عبداللہ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا "خدا کی اطاعت میں ان کا حکم مانو اور خدا کی نافرمانی میں ان کا حکم نہ مانو۔

(صحیح مسلم۔ کتاب الامارۃ)

اس حدیث سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک معزز صحابی کا نظریہ یہ تھا کہ امیر کی اطاعت اس حد تک کرو جس حد تک وہ خدا کے حکم سے نہ ٹکرائے اور دوسری باتوں میں اطاعت کرتے رہو۔ عبداللہ بن عمرو ابن العاص کا رویہ زندگی میں یہی تھا۔ جنگ صفین میں وہ معاویہ کے ساتھ اس لئے لڑنے نکلے کہ ان کے باپ عمرو بن العاص کا حکم تھا۔ اور رسول اللہ کی حدیث کی رو سے باپ کی اطاعت ضروری تھی۔ لیکن وہ دل سے حضرت علی کو برسرِ حق سمجھتے تھے پس انھوں نے یہ درمیانی راستہ اختیار کیا تھا کہ صرف نمائش کے لئے معاویہ کے ساتھ رہے مگر قتال میں تلوار نہیں استعمال کی۔

Marfat.com

اس رویہ کی تائید میں زیادہ سے زیادہ دیانت وخلوص کا اعتراف کیا جاسکتا ہے ورنہ یہ بالکل سادہ بات ہے کہ معاویہ کی حمایت کی محض نمائش نے بھی حق کو نقصان پہنچایا اور عبداللہ بن عمرو بن العاص کا اجتہاد غلط تھا اوپر والی حدیث میں انھوں نے سوال کرنے والے کو یہ مشورہ دیا ہے کہ معاویہ کی اُس حد تک اطاعت کرو جس حد تک وہ خدا کے حکم کے خلاف نہ ہو مگر خود انھوں نے حق (خدا کے حکم) کے خلاف ایک برسر باطل امیر اور ایک گمراہی کا حکم دینے والے باپ کی اطاعت کی۔ اگر وہ جنگ صفین میں معاویہ کو برسر حق سمجھتے تو ان کے لشکر میں شریک ہونے کا جواز ہو سکتا تھا لیکن تاریخوں سے ثابت ہے کہ وہ حضرت علی کو برسر حق سمجھتے تھے۔

اوپر والی حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو سوال راوی نے کیا اس کے متعلق عبداللہ کا ذہن صاف نہیں تھا۔ اسی لئے انھوں نے کچھ دیر سوچ کر یہ جواب دیا کہ اللہ کے حکم سے ٹکراؤ پیدا ہو تو اطاعت نہ کرو۔

لیکن راوی نے معاویہ پر نہایت سنگین الزام باطل کا مال کھانے اور جان لینے کا لگایا ہے۔ ایسی حالت میں اس حدیث کا کیا ہوگا جس میں رسول کا حکم ہے کہ "تم میں سے کوئی منکر دیکھے تو اس کی اصلاح ہاتھ سے کرے۔" اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ آخری درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔" سوال یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو ابن العاص جیسے صحابی نے معاویہ کو باطل سے روکنے کے لئے ہاتھ یا زبان سے کون سا جہاد کیا اور کیا بس ان کے لئے بس اتنا ہی رہ گیا تھا کہ دل سے برا جاننے کے "اضعف الایمان" کے درجہ پر قناعت کریں۔ ظاہر ہے کہ ان کے اجتہاد پر باپ کے رشتہ اور جماعتی عصبیت کا اثر پڑ رہا تھا۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت حدیث اور فقہ کے اعتبار سے بہت ہی ممتاز صحابی مانے جاتے ہیں ان سے سات سو احادیث کی روایت ہے جن میں متعدد بخاری و مسلم میں بھی ہیں۔ اسماء الرجال کی کتاب "خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" میں لکھا ہے کہ "وہ اپنے باپ (عمرو بن العاص) کو قتال پر ملامت کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے اور صفین سے کوئی واسطہ نہیں مجھ سے اور قتال سے کوئی تعلق نہیں۔ کاش میں بیس برس پہلے ہی مر چکا ہوتا۔"

ہم یہ دکھا رہے ہیں کہ بڑے بڑے اولو العزم صحابہ پر بھی قرابت، اقتدار اور دوسری باتوں کا اثر پڑتا تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص نے باپ کے رویہ پر تو ادب کے ساتھ احتجاج کیا مگر معاویہ کے سامنے زبان نہیں کھلی۔ اور ان کا رویہ یہ رہا کہ اپنے ضمیر کے خلاف صرف نمائش کے لئے معاویہ کے لشکر میں شریک ہوئے اگرچہ تلوار سے کام نہیں لیا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں انکی عزت تھی انھوں نے اس نمائشی شرکت کا بھی غلط اثر قبول کیا ہوگا اور اس زمانہ کی بات تو الگ رہی موجودہ زمانہ میں جبکہ تیرہ صدیاں گزر چکیں صحابیت کا تصور ایسا عجیب ہو گیا ہے کہ لوگ اس صحابی کے طرز عمل کو مثال قرار دینگے اور معاویہ کے حق میں اس کی بنا پر دلائل قائم کرینگے۔ یہ بہت کم لوگ چاہیں گے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے اجتہاد کی بنیاد کیا تھی اور ان کے اجتہاد میں کس حد تک صحت اور کس حد تک غلطی تھی۔ بس ان کے لئے یہ کافی ہوگا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص جیسے صحابی معاویہ کے ساتھ تھے۔

بعض صحابہ کے اسی قسم کے طرز عمل سے حامیان معاویہ نے یہ گمراہی پھیلائی ہے کہ حضرت علی کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ دلیل میں ان چند صحابہ

کے نام پیش کرتے ہیں جو معاویہ کے ساتھ تھے۔ اس دلیل سے ہی وہ اس حدیث سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کرتے ہیں جس میں ایک خلیفہ کی بیعت کے بعد دوسرے امیدوار کو قتل کرنے کا حکم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ معاویہ اس لئے قابل قتل نہیں تھے کہ تمام ارباب حل وعقد یعنی صحابہ نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی تھی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ صرف چند صحابہ نے دیانتدارانہ مگر غلط اجتہاد کے سبب بیعت سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ بعض نے غلط اجتہاد کے سبب جنگ صفین میں معاویہ کا ساتھ بھی دیا تھا۔ لیکن ان دونوں قسم کے صحابیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ ان معدودے چند صحابہ کے علاوہ کچھ وہ صحابہ تھے جنھوں نے ذاتی اغراض، قبائلی عصبیت یا اقتدار کی خاطر اسلام کے مقدس اصول پامال کرتے ہوئے حضرت علی کی مخالفت کی۔ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت علی کو جو لوگ "خلیفہ راشد" سمجھتے ہیں وہ بھی معاویہ کو واجب القتل قرار دینا تو کجا اُن کو قابل احترام خیال کرتے ہیں یہ لوگ اپنے رویہ کے تضاد و مہلیت کا صرف اس لئے احساس نہیں کرتے کہ اُن کے دماغ میں صحابیت کا بالکل غلط تصور جاگزیں ہوگیا ہے اور چونکہ معاویہ کے زمانہ میں بعض فتوحات ہوئی ہیں۔ اس لئے آج کل کا مسلمان اسلام کے بنیادی اصول میں بھی معاویہ کی صحابیت کی خاطر سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے حالانکہ بات کھلی اور صاف ہے کہ حضرت علی اس کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں اور معاویہ اصول اسلام کی روشنی میں واجب القتل ہے کیونکہ اس نے خلیفہ راشد کے خلاف قتال کا زبردست ترین محاذ قائم کیا۔

واضح رہے کہ معاویہ اور سعد بن عبادہ انصاری کے رویہ میں بڑا فرق ہے۔ سعد بن عبادہ نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت سے صرف انکار کیا تھا اور ان کو خود خلیفہ نے بر بنائے مصلحت ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ انھوں نے

Marfat.com

کوئی محاذ نہیں قائم کیا۔ اور خلیفہ کے خلاف فوج کشی نہیں کی تھی۔

مخالفت اسلام کے تدریجی مظاہرے

معاویہ اور بعض دیگر "صحابہ" عہد رسالت میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ لیکن یا تو ان کے دل میں نفاق تھا یا پھر یہ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد گمراہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے زمانوں میں معاویہ کو فساد انگیزی کا موقع نہیں ملا۔ اگرچہ ایسے واقعات تاریخ میں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان زمانوں میں بھی فساد انگیزی کی سعی کی گئی۔ مثلاً مسند میں عبادہ بن صامت کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ عبادہ بن صامت نے شام میں بیع و شراء کے متعلق خلاف شریعت باتیں دیکھیں تو ایک تقریر میں صحیح احکام بتائے۔ معاویہ نے لوگوں سے کہا عبادہ سے رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ حضرت عبادہ بڑے مرتبہ کے صحابی تھے۔ وہ عقبہ میں مسلمان ہوئے اور تمام غزوات میں شریک رہے۔ بیمار پڑتے تھے تو رسول اللہ انکی عیادت کو جاتے تھے قرآن حدیث اور فقہ کے ممتاز عالم تھے۔ معاویہ کی اس تردید پر بہت بگڑے اور کہنے لگے کہ میں معاویہ کے ساتھ رہنے کی ذرا پرواہ نہیں کرتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی فرمایا تھا۔

حضرت عمر کے عہد میں تو معاویہ عبادہ بن صامت کا کچھ نہ بگاڑ سکے مگر جب حضرت عثمان کا زمانہ آیا تو انھوں نے ان کے خلاف شکایت بھیجی۔

یہاں اُس گفتگو کی یاد دہانی کی ضرورت ہے جو تاریخوں میں حضرت علی اور حضرت عثمان کے درمیان عہد عثمانی میں ہوئی تھی۔ اس گفتگو میں حضرت علی

Marfat.com

نے حضرت عثمان کو جب معاویہ کی حرکات کے خلاف متنبہ کیا تھا تو حضرت عثمان نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ عمر نے بھی تو اُن کو شام کا عامل مقرر کیا تھا حضرت علی نے جواب دیا تھا کہ عمر کے زمانے میں اس کی مجال نہیں تھی کہ حدود سے تجاوز کرسکے مگر تمھارے زمانے میں تو وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ بلکہ تمھارے نام سے احکام جاری کر دیتا ہے۔ اور بعد میں تم کو اطلاع دیتا ہے۔

بہرکیف حضرت عثمان کے پاس معاویہ نے لکھ بھیجا کہ عبادہ بن ثابت نے تمام شام کو خراب کر رکھا ہے۔ یا تو عبادہ کو بلا لیجیے ورنہ میں شام چھوڑ دوں گا قارئین کو یاد ہوگا کہ اسی طرح حضرت ابوذر غفاری کو معاویہ نے حضرت عثمان کے زمانے میں شام سے نکلوایا تھا۔ اور پھر ربذہ میں نظر بند کرا دیا تھا۔

حضرت عثمان نے عبادہ کو شام سے بلوا لیا۔ جب وہ مدینہ میں حضرت عثمان کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا کیا معاملہ ہے۔ اس وقت عبادہ بن صامت نے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ایسے امیر ہوں گے جو معروف کو منکر سے اور منکر کو معروف سے بدل دینگے لیکن معصیت میں اطاعت نہ کرنا اور اس بدی میں آلودہ نہ ہو جانا۔

یہ عبادہ بن صامت ایک صحابی کی رائے معاویہ دوسرے صحابی کے متعلق ہے۔ قرآن مجید میں ائمۃ یدعون الی النار (دوزخ کی طرف بلانے والے اماموں کی یہی صفت بتائی ہے کہ وہ منکر کا حکم دیتے اور معروف سے منع کرتے ہیں۔ (یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف) عبادہ بن صامت کی نظر میں معاویہ ایسے ہی امیر تھے۔ معلوم نہیں صحابیت کے پرستار ان دونوں میں سے کس صحابی کی رائے کو پسند کریں گے۔ یہ کوئی معمولی اجتہادی اختلاف ایسا نہیں ہے کہ اس کو برداشت کر لیا جائے مثلاً بعض صحابہ کا خیال تھا کہ جس

پانی کو آگ پر گرم کر لیا جائے اس کے استعمال سے وضو ضروری ہو جاتا ہے ابوہریرہ سے ایک حدیث ہے توضؤ و مما مست النار۔ لیکن دوسرے متعدد صحابہ اس کے قائل نہ تھے۔ لیکن عبادہ بن صامت نے معاویہ کے متعلق جو شکایت کی وہ کسی معمولی اجتہادی اختلاف کے لئے نہیں تھی بلکہ اسلام کے ایسے بنیادی اصول کے متعلق تھی جس سے ائمۃ الکفر اور ائمۃ الاسلام کا فرق پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ معاویہ معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنا کر اپنے خود ساختہ معروف و منکر کے لئے احکام جاری کرتا ہے۔

جب حضرت عثمان کے سامنے ہی عبادہ بن صامت نے یہ تقریر کی تو ایک جگہ ابوہریرہ نے کچھ مداخلت کی تو عبادہ نے یہ کہہ کر چپ کر دیا کہ جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی تو تمہارا اپتہ بھی نہ تھا۔ ہماری بیعت کے شرائط یہ تھے "...... اچھی باتیں لوگوں کو بتائیں گے۔ اور بری باتوں سے روکیں گے۔ اور سچ کے معاملہ میں کسی سے نہ دبیں گے ...."

عبادہ بن صامت کو کئی بار معاویہ کو ڈانٹنا پڑا تھا۔ کبھی کبھی یہ عجیب صحابی جب دیکھتا کہ زیادہ مخالفت کرنے سے عوام پر برا اثر پڑے گا تو عبادہ کا نقطۂ نظر قبول کر لیتا تھا چنانچہ طاعون کے بارے میں معاویہ کو اعلان کرنا پڑا تھا کہ عبادہ بن صامت کی رائے درست ہے۔ کیوں کہ وہ مجھ سے بہتر فقیہہ ہیں۔ تو ایک بار حضرت عمر کے زمانہ میں جب معاویہ نے رسول اللہ کی حدیث کو جھٹلایا تو عبادہ نے صاف اعلان کر دیا کہ میں اس مقام میں نہیں رہوں گا جس میں تمہارا وجود پایا جائے۔ چنانچہ وہ شام سے مدینہ واپس گئے۔ شام میں ان کا درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا وہ سب چھوڑ کر آگئے تھے حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے اس دلیل کے ساتھ مجبور کیا کہ آپ

Marfat.com

کے واپس آجانے سے برکت اٹھ جائے گی اور عامۃ الناس کو ہدایت نہ مل سکے گی ساتھ ہی معاویہ کو حکم بھیجا کہ عبادہ بن صامت کو اس شرط کے ساتھ بھیجا جارہا ہے کہ وہ تمھارے ماتحت نہیں ہوں گے۔ اور ان پر تمھارا کوئی حکم نہیں چلے گا حضرت عمر کا یہ بالکل عجیب حکم تھا مگر ان کو عبادہ بن صامت کے علم و فضل پر اتنا اعتماد تھا کہ اُن کی شخصیت کو اپنے عامل کی ماتحتی سے مستثنیٰ کر دیا۔

افسوس ہے کہ عبادہ بن صامت حضرت عثمان کی شہادت سے کچھ ہی قبل ۳۴ھ میں انتقال فرما گئے۔ اگر جنگ صفین تک زندہ رہتے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ کیا رنگ لاتا۔ لیکن ہوتا کیا؟ یہی نا کہ حضرت عمار بن یاسر کی طرح قتل کر دیے جاتے۔ بلکہ معاویہ اگلے پچھلے تنازعات کی کسر پوری کر دیتا جس طرح انصار میں عبادہ بن صامت اولین اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اسی طرح عمار بن یاسر بھی مکہ میں اُس وقت اسلام لائے تھے جب معاویہ کی پارٹی اُن کو جلتے انگاروں پر لٹا کر اسلام لانے کی سزا دیتی تھی۔ ان کو معاویہ نے قتل کرایا تو عبادہ بن صامت کی جان کیونکر بچتی۔ ہجرت سے قبل حضرت عبادہ بن مکہ آئے تا کہ رسول اللہ سے ملیں۔ اور مدینہ میں اسلام کو پناہ دینے کے متعلق مشورہ کریں۔ معاویہ کی اُن کے ساتھ آویزش ہی رہی اور اس آویزش کی بنیاد صرف یہ تھی کہ عبادہ بن صامت قال اللہ و قال الرسول پیش کرتے تھے تو معاویہ صرف اس حد تک تسلیم کرتے تھے جس حد تک یہ قال اللہ و قال الرسول اُن کی اقتدار پرستی کی راہ میں حائل نہ ہو۔ معاویہ کا اسلام حصول اقتدار کا ایک آلہ تھا۔

عبادہ بن صامت کے واقعات میں کسی قدر شرح و بسط کی ضرورت کے لئے ہوئی کہ بعض صحابہ ابتدا ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے معا

برہنہ شمشیر تھے لیکن جیسے جیسے حالات بگڑتے گئے صحابہ بھی خوف وخطر کی فضا میں سمجھوتہ کرنے لگے اور ایسے اماموں کی بھی بیعت کرنے لگے جو فاسق وفاجر تھے۔ یہ صحیح ہے کہ ایسے صحابہ کی تعداد زیادہ نہیں تھی بایں ہمہ "صحابیت" کے غلط تصوّر کی نفی کرنے کے لئے ان کی کافی مثالیں موجود ہیں۔

چنانچہ امام حسن کے دعوائے خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد جب قیس رضؓ بن سعدؓ کو اس واقعہ کی خبر میدان جنگ میں ملی تو انہوں نے اپنے رفیقوں سے یہی کہا تھا کہ امام حق تو دستبردار ہو گئے اب جس کا دل چاہے "گمراہ امام" کی بیعت کرلے اور جس کا دل چاہے بغیر امام کے جنگ کرے۔

بیعت امام کے متعلق ممتاز صحابہ کے اجتہادات کی گوناگوں تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ بیعت کے معاملہ میں ان کے فلسفے مختلف اور متعدد تھے اور اتنے درجوں میں بٹے ہوئے تھے کہ ان کی بنا پر کوئی ہمہ گیر اصول قائم کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے بعض نے مجبوری سے یا غلط اجتہاد کی بنا پر یزید بن معاویہ تک سے بیعت کرلی تھی اُس کے بعد یہ بیعت توڑ دی۔

مثلاً ایک معزز صحابی عبد اللہ بن زید بن عاصم تھے۔ سوائے جنگ بدر کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کے لئے ایک شرف یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب کو انہوں نے ہی قتل کیا تھا (اگرچہ اُس کو تیر وحشی نے بھی مارا تھا تیر سے وہ زخمی ہوا تھا کہ حضرت عبد اللہ نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا جس سے وہ مارا گیا) یزید بن معاویہ کی بیعت کرلی تھی مگر جب عبد اللہ بن حنظلہ انصاری نے مدینہ میں یزید کے خلاف بیعت لینی شروع کی اور مدینہ کے انصار نے جوق در جوق حضرت عبد اللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو حضرت عبد اللہ بنؓ زید بن عاصم نے عجیب اجتہاد کا مظاہرہ کیا۔ وہ یزید کے تو مخالف ہو گئے اور کی کرائی

بیعت توڑ دی مگر ابن حنظلہ سے پوچھا کہ تمہاری بیعت کی شرط کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ موت کی بیعت ہے اس پر عبداللہ بن زید نے کہا کہ اس شرط پر تو رسول اللہ کی وفات کے بعد اور کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کر سکتا ہوں (دیکھو بخاری) لیکن ساتھ ہی یہ بھی اجتہادی فیصلہ تھا کہ یزید باطل پر ہے اس لئے یزید کے خلاف میدان جنگ میں اس زور شور سے لڑے کہ خود بھی شہادت پائی اور دو بیٹے بھی اُن کے شہید ہوئے۔

ایک جلیل القدر صحابی کی بیعت کا یہ نیا نمونہ ہے۔ اوّل ایک غلط آدمی کی بیعت کی پھر اُسے توڑا اور ابن حنظلہ کی بیعت سے انکار کیا کہ وہ موت کی شرط پہ بیعت لے رہے تھے مگر انہی ابن حنظلہ کی قیادت میں اپنے سابق امیر کے خلاف جہاد کیا اور شہادت حاصل کی۔

لیکن صحابیت کو بُت بنا کر پوجنے والوں کے درس عبرت کے لئے اب ہم ایک ایسے جلیل القدر صحابی کا واقعہ پیش کرتے ہیں جس کی داڑھی اور مونچھ کے بال تک دوسرے جلیل القدر صحابہ نے اکھیڑ ڈالے اور صرف داڑھی مونچھ ہی نہیں بلکہ ابروؤں اور پلکوں تک کے بال نوچ ڈالے۔ اُن کو ٹھکرایا گیا اور کوڑے مارے گئے۔

چونکہ اس واقعہ میں متعدد ایسے صحابہ کی ذمہ داری ہے جو چوٹی کے صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ذرا شرح و بسط سے کام لیں۔ تاکہ معاملہ کے سب پہلو سامنے آجائیں۔ حسا شا کلّا اس تفصیل سے یہ مطلب نہیں کہ ان صحابہ کے مرتبہ کی تنقیص کی جائے۔ لیکن صحابیت کے جس غلط تصور کا مظاہرہ میری کتاب "معاویہ و یزید" اور "یزید بن معاویہ" کے بارے میں کیا گیا اُس سے اندازہ ہوا کہ بیعت اور دیگر امور میں صحابیت کے تصوّر کی اصلاح بہت

Marfat.com

وری ہے۔سوال یہ ہے کہ جو لوگ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم
تدیتم کے قائل ہیں ریعنی جن کا عقیدہ ہے کہ ارشاد رسول ہے کہ میرے
حاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس کی بھی اقتد کرلو تو ہدایت پاجاؤگے
کو ذیل کے واقعات سے کیا رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف کی زندگی کا عجیب واقعہ

حضرت عثمان بن حنیف کی زندگی کے اس واقعہ کی تفصیلات جاننے سے
ان کے مرتبہ کا کچھ اندازہ کیجئے۔

یہ ممتاز انصار میں سے تھے۔ہجرت سے قبل ہی مسلمان ہو گئے تھے۔
بدر کے متعلق تو اختلاف ہے۔ترمذی کا کہنا ہے کہ بدر میں شریک تھے لیکن
متعدد محدثین اور اہل علم کا خیال ہے کہ بدر کی جنگ کے وقت اتنے نوعمر تھے کہ
یک نہیں کئے گئے لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ غزوہ احد نیز اس کے بعد کے
غزوات میں شریک تھے۔

ان کا علم حدیث و فقہ بھی مشہور ہے لیکن ایک خاص حیثیت سے تمام صحابہ
ممتاز تھے اور وہ تھا ان کا علم المساحت اور بندوبست کا سوال تھا اور حضرت
س کام کے لئے بہت پریشان تھے۔ اس پریشانی کو دفع کرنے کے لئے انہوں
صحابہ کا ایک مشورتی اجتماع کیا تو سب کا اجماع اس پر ہوا کہ اس کام کے لئے عثمان
حنیف سے زیادہ کوئی قابل نہیں۔
عثمانؓ بن حنیف نے اس کام کو نہایت خوبی سے انجام دیا اور بندوبست

Marfat.com

اتنا اچھا قائم کیا کہ ان علاقوں کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوگیا یہ اضافہ اتنا زیادہ ہونے لگا کہ حضرت عمرؓ کو شبہ ہونے لگا کہ کہیں جبر زور سے زیادہ رقم وصول کر کے تو نہیں بھیجدی جاتی اس لئے انہوں نے اس امر کی باقاعدہ تحقیقات کرائی اور اُن علاقوں کے نمائندہ آدمیوں کو بُلاکر اُن کے بیانات لئے۔ معلوم ہوا کہ کوئی جبر نہیں ہے یہ سب نتیجہ ہے عثمانؓ بن حنیف کے حُسن عمل کا کتاب الخراج میں یہ دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ جب عثمانؓ بن حنیف کوفہ سے مدینہ آئے تو حضرت عمر نے پھر شبہ ظاہر کیا اور کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے محصول کی تعین میں زمین پر زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ عثمانؓ بن حنیف کا جواب یہ تھا کہ میں نے تو صرف آدھا وصول کیا ہے اور آدھا چھوڑ دیا ہے اگر آپ چاہیں تو وہ بھی وصول کیا جا سکتا ہے۔

الغرض حضرت عمرؓ نے دوسرے تمام علاقوں میں عراق و کوفہ کے نمونہ کا انتظام جاری کرنے کے احکام صادر کر دے۔ یعقوبی اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج میں وہ تفصیلات بھی دی ہیں جو عثمانؓ بن حنیف کے اپنے وظیفہ کے متعلق ہیں۔ صرف پانچ درہم اور ایک تھیلی آٹا روزانہ لیتے تھے اور جب بکری کٹتی تھی تو اُس کے تین حصے کئے جاتے تھے۔ ایک والی کا، دوسرا قاضی کا اور تیسرا عثمان بن حنیف کا (عثمان بن حنیف ناظم خراج تھے) جو انسان کروروں درہم کا فیصلہ کرنے والا ہو وہ خود صرف ایک تھیلی آٹا اور پانچ درہم یومیہ لے اس سے ذرا "صحابی" معاویہ کی شاہی فیاضیوں کا مقابلہ کیجئے۔ زمین و آسمان کا فرق حضرت عمرؓ نے ان عاملوں سے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے ہم صرف اتنا سکتے ہیں جتنا کہ یتیم کا کفیل یتیم کے مال سے لیتا ہے۔ اس فیصلہ کے پہلے محرک حضرت علیؓ تھے۔ جب حضرت عمرؓ کا کام خلافت کا اتنا بڑھ گیا کہ اپنی ذاتی معاش کے

Marfat.com

باکل وقت نہ نکل سکتا تھا تو انہوں نے اس مسئلہ کو صحابہ کے اجتماع میں پیش کیا۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت علی رض نے یہ رائے دی کہ خلیفہ صرف اتنا لے جتنی آمدنی قوم کے ایک معمولی درجہ کے آدمی کی ہوتی ہے۔ اسی مشورہ کو سب نے قبول کیا۔ حضرت عمر رض کے زمانہ میں اس پر عمل رہا مگر حضرت عثمان رض کے زمانہ میں حالات نے پلٹا کھایا۔ حضرت علی رض نے اس نظام کو پھر قائم کرنے کی کوشش کی مگر معاویہ نے تو بیت المال کو ذاتی جاگیر سمجھ کر ذاتی اغراض کے لئے بادشاہوں کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اور پھر کبھی حضرت عمر رض کے زمانہ کے وہ حالات نہیں پیدا ہوئے جس کا مختصر خاکہ عثمان رض بن حنیف کی زندگی میں اوپر پیش ہوا۔

خلافت عثمانی میں وہ مدینہ آ گئے تھے۔ حضرت علی رض نے اُن کو بصرہ کا حاکم مقرر کیا لیکن ابھی چندماہ ہی ہوئے تھے کہ بصرہ میں طوفان آ گیا یعنی طلحہ رض و زبیر رض اور بی بی عائشہ رض نے بصرہ کو حضرت علی رض کے خلاف بغاوت کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔

اسے بغاوت اس لئے کہا جا رہا ہے کہ جنگ جمل کے بعد بغاوت کے لیڈروں یعنی بی بی عائشہ رض اور طلحہ و زبیر نے یہ تسلیم کر لیا کہ انہوں نے حضرت علی رض کے خلاف خروج کرنے میں غلطی کی تھی۔ ان کے غلطی کے اعتراف نے ہی اہل علم کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا کہ ان کی اجتہادی غلطی ہے۔ جیسے ہی اس غلطی کا احساس ہوا ان تینوں نے حضرت علی رض کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کا مقصد معاویہ کی طرح اقتدار پرستی نہیں تھا کہ اگر کوئی جرم کیا تو اُس کی بیچ میں دو جرم اور کر ڈالے اور اُن دو کی بیچ میں دس اور کئے وعلم جرا۔

بہرکیف حضرت عثمان رض بن حنیف نے اُس سیلاب کو روکنے کی کوشش کی مگر بی بی عائشہ کے اثر نے کوفہ کے مدافعین میں اختلاف پیدا کر دیا۔ ایک گروہ حملہ آوروں کے ساتھ ہو گیا اور دوسرا عثمان بن حنیف کے ساتھ رہا۔ آخر دونوں فریقوں میں ایک صلحنامہ

ہوا جس کے شرائط یہ تھے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ طلحہؓ وزبیر نے حضرت علیؓ کی بیعت جبر کی حالت میں کی تھی تو عثمانؓ بن حنیف کوفہ چھوڑ دیں اور اگر یہ ثابت ہو کہ بغیر جبر کے کی تھی تو طلحہؓ وزبیر کوفہ سے چلے جائیں۔ اس بات کی جانچ کے لئے کعب بن سور ازدی کو مدینہ بھیجا گیا۔ جنہوں نے مسجد نبوی میں مسلمانوں کے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے سوال کیا کہ طلحہ وزبیر نے جبراً بیعت کی تھی۔ اس پر لوگوں نے سکوت اختیار کیا صرف ایک اسامہؓ بن زید نے کہا کہ ہاں جبراً بیعت کی تھی۔ اس پر لوگ اسامہؓ پر اتنے بگڑے کہ اتنے جلیل القدر صحابی پر حملہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوایوب انصاری اور بعض دوسرے اکابر صحابہ نے محسوس کیا کہ یہ لوگ اسامہؓ کو قتل نہ کر دیں لہٰذا وہ بھی کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہاں وہ ٹھیک تو کہہ رہے ہیں ہم بھی گواہی دیتے ہیں۔ کعب ازدی بصرہ کو واپس گئے تاکہ وہاں اس تحقیقات کی رپورٹ دیں

حضرت علیؓ کو جب حالات کا علم ہوا تو انہوں نے عثمانؓ بن حنیف کو لکھا کہ طلحہ وزبیر نے بیعت کی تھی اب وہ میرے سامنے جوابدہ ہیں۔ لیکن اگر وہ یہ کہیں کہ بیعت جبراً تھی اور وہ خلع چاہتے ہیں یا ان کے سامنے کوئی اور تجویز ہے تو اس پر ہمیں مل کر غور کرنا چاہیئے۔ علاوہ بریں اگر اُن پر بیعت کے لئے کوئی دباؤ بھی ڈالا گیا تو یہ اتفاق اور اتحاد کلمہ کے لئے تھا نہ کہ اختلاف و تفریق کے لئے۔

اُدھر تو کعب نے بصرہ پہنچ کر یہ اطلاع دی کہ طلحہ وزبیر کی بیعت جبراً ہوئی تھی اور دوسری طرف عثمانؓ بن حنیف کے پاس حضرت علیؓ کا خط پہنچا۔

عثمان بن حنیف اور طلحہ وزبیر کے درمیان پھر اختلاف ہوا۔ طلحہ اور زبیر نے بصرہ خالی کرنے کا حکم دیا اور عثمان بن حنیف نے کہا کہ حضرت علیؓ کے خط سے ہوتا ہے کہ پوزیشن وہ نہیں ہے جس کے تحت سمجھوتہ ہوا تھا اور طلحہؓ وزبیرؓ کو حضرت علیؓ سے مل کر معاملہ طے کرنا چاہیئے۔ اس طرح اختلاف بڑھا اور عشاء کی نماز کے وقت

جھگڑا اٹھایا گیا کہ نماز کی امامت کس کا نامزد امام کرے۔ اُس زمانہ میں اصول یہ تھا کہ امام حکومت کا نمائندہ ہو۔ جاڑوں کا موسم تھا اور رات کا وقت پیشتر اس کے کہ عثمانؓ بن حنیف یا اُن کا کوئی نامزد کردہ آدمی امامت کے لئے مسجد میں آتا اس باغی پارٹی نے اپنا امام کھڑا کرکے نماز ادا کرنی چاہی۔ عثمان بن حنیف کی طرف سے زط اور سیابجہ شہر میں پولیس کے فرائض انجام دیتے تھے انہوں نے اس نئے امام کو رد کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طرف سے تلواریں بے نیام ہوگئیں۔ اسی وقت کچھ لوگ ایسی حالت میں کہ قصر امارت کے پہرہ دار سو رہے تھے اندر گھس گئے اور عثمان بن حنیف کو گرفتار کرلیا۔ ان کو طلحہ و زبیر کے روبرو کھڑا کیا اور انہوں نے بی بی عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ عثمانؓ کے ساتھ کیا عمل کیا جاوے۔ بی بی عائشہؓ نے حکم دیا کہ اُن کو قتل کرڈالو۔ لیکن پھر یہ سوچ کر قتل سے باز رہے کہ اس قتل کا اثر مدینہ والوں پر یہ پڑیگا کہ وہ عام طور سے مخالفت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ تاہم ان کی اتنی توہین کی گئی کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی اور عہد رسالت کے بعد عہد صدیقی اور عہد فاروقی کے ممتاز وہر دلعزیز شخصیت کی اتنی ذلت اور وہ بھی طلحہ و زبیر اور بی بی عائشہ کے ہاتھوں بالکل سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کے چالیس کوڑے لگوائے۔ ٹھوکریں ماریں۔ داڑھی سر، ابرو، اور پلکوں کے بال اکھیڑ ڈالے۔

اس ذلت و رسوائی کی خبریں جب پھیلیں تو طلحہ و زبیر و عائشہ کی پارٹی کے خلاف بعض قبائل میں ہلچل پڑگئی اور حکیم بن جبلہ کی سرداری میں عبدالقیس اور بکر بن وائل کے قبائل چڑھ آئے۔ عبداللہ ابن زبیر کی نگرانی میں عثمان بن حنیف کی قید تھی انہوں نے عثمانؓ کو رہا کرنے سے انکار کردیا اور خوب قتال ہوا۔ حکیم بن جبلہ مارے گئے۔ لیکن جب طلحہ و زبیر کو اس خونریزی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خطرہ محسوس کرکے بی بی عائشہ پر زور ڈال کر عثمان کو رہا کردیا۔

Marfat.com

جب اس حالت میں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے پاس ربذہ پہنچے تو حضرت علیؓ نے حیران ہو کر رفقا سے کہا کہ ذرا ان کو دیکھو میں نے ان کو بڑھاپے کی حالت میں بھیجا تھا اور یہ جوان ہو کر لوٹے ہیں۔ عثمان نے کہا اے امیرالمومنین آپ نے داڑھی مونچھوں کے ساتھ بھیجا تھا مگر آپ کے سامنے ایک بے ریش و بردت امرد کی شکل میں موجود ہوں۔ حضرت علیؓ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا اللہ تم کو اس کا اجر دیگا۔

اس واقعہ کی مزید تفصیلات کے لئے طبری اور اسدالغابہ وغیرہ کا مطالعہ ضروری ہے لیکن جو تفصیلات کے لئے بھی آگئی ہیں اُن سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ کیسے کیسے ممتاز صحابہ خلافت و امارت کے مسئلہ میں کتنی بھیانک حرکات کے مرتکب ہوئے اس لئے یہ طریقہ غلط ہے کہ محض "حضرت" اور "رضی اللہ عنہٗ" کے الفاظ سے مسحور ہو کر ہم ان کے ہر عمل کو نمونہ کا سمجھ کر اقتدا کرنے لگیں

ہمارا فرض ہے کہ ان کے اعمال و اقوال کا جائزہ بھی اصول اسلام کی روشنی میں لیتے رہیں۔ نہ ان کی زندگی کے طوفان میں اصحابی کالنجوم کہہ کر اپنا ہادی بنا لیں اور نہ محض اس لئے کسی حدیث کو قبول کرلیں کہ کسی صحابی کا نام اُس کے ساتھ منسلک ہے۔ بے شک جائزہ لیتے وقت صحابیت کی رعایت کی جائیگی اور صحابہ کے فعل و قول پر احترام کے ساتھ نظر ڈالی جائیگی۔ لیکن اس امر کو دائرہ امکان سے خارج نہیں سمجھا جائیگا کہ اُن کے اعمال و اقوال بھی اصول اسلام اور حقائق و واقعات کے خلاف ہوں اور جب کسی "صحابی" کے متعلق یہ تحقیق ہو چکے کہ یہ سمیاّر و اقتدار پرست تھا تو اُس کی حدیث قبول کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ معاویہ جیسے "صحابی" اسی زمرہ میں آتے ہیں

طلحہ و زبیر جیسے محترم ترین صحابہ کا بی بی عائشہ کو لے کر میدان قتال میں نکلنا اور بی بی عائشہ کے ام المومنین کے مرتبہ کو اس طرح استعمال کرنا اس کا بیّن ثبوت

Marfat.com

ہے کہ بیعت و خلافت کے متعلق صحابہ کے نظریات بے چوں و چرا قابل تقلید نہیں رہیں عثمان بن حنیف اتنے منتظم اور باوقار آدمی تھے کہ بصرہ میں حضرت علی کے مخالفین کو وہ عارضی کامیابی بھی نہیں ہوئی جو محض بی بی عائشہ کی وجہ سے ہوئی۔ بصرہ پہنچتے ہی انہوں نے عثمان بن حنیف کی فوج کے سامنے تقریر کی۔ اس تقریر نے فوج کو دو گروپ میں تقسیم کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان کی طاقت تقسیم ہو گئی۔ اس کے باوجود کہنے والوں کی زبان نہیں روکی جا سکتی تھی۔ بعض لوگوں نے طلحہ و زبیر سے سوال کیا کہ تمہاری بھی تو مائیں بہنیں اور بیویاں تھیں۔ تم رسول اللہ کے حواری اور صحابی ہو کر اپنی عورتوں کو گھر میں رکھتے ہو مگر رسول اللہ کی بیوی کو اس طرح لئے پھرتے ہو۔

بہرحال جنگ جمل میں بی بی عائشہ، طلحہ رض و زبیر رض تینوں راہ راست پر آگئے اور اپنی غلطی تسلیم کر کے حضرت علی رض کے ساتھ ہو گئے۔

اس کے مقابلہ میں معاویہ کے فلسفہ بیعت پر ایک نظر ڈالئے۔ اور ذرا باریک نظر سے تجزیہ کیجئے۔

اوّل تو عہد رسالت میں انہوں نے اقتدار کا ساتھ دیا۔ وہ اُس وقت مسلمان ہوئے جب حالات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اقتدار اسلام میں منتقل ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں حالات کا اندازہ کرتے رہے۔ حضرت عمر رض کے زمانہ ایک ایسے علاقہ میں قدم جمانے شروع کئے جو دارالخلافہ سے دور تھا تاکہ حضرت عمر رض کی سخت گیر پالیسی کی گرفت کم سے کم ہو تاہم اُن حدود سے آگے نہیں بڑھے جو حضرت عمر رض جیسے خلیفہ کے دور میں ممکن تھیں۔ حضرت عثمان رض کے دور میں کھل گئے اور اموی اقتدار کے لئے چاروں طرف جال بچھا دیئے۔ لیکن کافی ہوشیار آدمی تھے اس لئے حضرت عثمان کو اپنے اقتدار کا آلہ کار بنانے کی حد تک ہی اپنایا۔ اس کا ثبوت تاریخ کے اس

Marfat.com

واقعہ سے ملتا ہے۔

جب حضرت عثمانؓ کی پوزیشن معاویہ جیسے اقربا کی بیجا سرپرستی کے باعث نہایت کمزور اور خراب ہو گئی تھی تو حضرت عثمانؓ نے معاویہ کو امداد کے لئے مدینہ بلایا مگر معاویہ نے حالات کا اندازہ کر کے مداخلت سے پہلوتہی کی اور بغیر کوئی امداد کئے شام چلے گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب عثمانؓ کا کوئی اثر باقی نہیں ہے ان کا ساتھ دینے سے اپنی پوزیشن خراب ہوتی ہے لہذا موقع سے ٹل جانا ہی بہتر ہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے بیعت ہوئی تو معاویہ نے پھر حالات کا اندازہ کیا اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں خود کو آفتاب کے مقابلہ میں ذرّہ کی مثال سمجھ کر مخالفت کی بجائے اس امر کی کوشش کی کہ حضرت علیؓ معاویہ کو شام کا عامل برقرار رکھیں۔ مغیرہ اور دوسرے لوگوں کو حضرت علیؓ کے پاس سفارش و مشورہ کے لئے دوڑایا۔ حضرت علیؓ کے سامنے چونکہ معاویہ کی بد اعمالیوں کا پورا ریکارڈ تھا اس لئے اس بارے میں انہوں نے کوئی مشورہ قبول نہیں کیا۔

پھر بھی معاویہ نے صرف اتنا کیا کہ حضرت علیؓ کے مقرر کردہ عامل کو دمشق نہیں پہنچنے دیا۔ لیکن ابھی تک معاویہ کو یہ اُمید تھی کہ حضرت علیؓ مجبور ہو کر ان کو ہی شام کا عامل بنا دیں گے۔ لہذا معاویہ نے جنگ جمل میں کوئی حصہ علانیہ نہیں لیا خفیہ امداد ضرور کی تھی۔ اگر حضرت عثمانؓ کی شہادت کا احساس ہوتا تو شروع ہی معاویہ نے سرگرمی دکھائی ہوتی۔ جنگ جمل کے بعد اس حد تک فضا معاویہ کے لئے سازگار ہو گئی کہ کچھ اور لالچی، خود غرض، اور اقتدار پرست "صحابہ" ساتھ ہو گئے اور اب پورا جرگہ تیار ہو گیا۔

اب ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے انتقام کا نعرہ بلند کیا اور

Marfat.com

عثمانؓ کی قمیض اور اُن کی بیوی کی انگلیوں کی نمائش کر کے یہ پروپگنڈہ کیا کہ عثمانؓ کے قاتل علیؓ ہیں۔ یہ مہم اس وقت شروع کی گئی جبکہ معاویہ کو یہ یقین ہونے لگا کہ حضرت علیؓ اُن کو شام کا گورنر کسی طرح نہ بنائیں گے۔

تمام تاریخوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس وقت تک بھی معاویہ کے ذہن میں خلافت کے دعوے کا کوئی خیال نہ تھا۔ اُن کا مرتبہ اتنا نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں ایسا دعوےٰ کرنے کی جرأت کر سکتے۔ جو مہم انہوں نے شروع کی تھی اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ فساد کرا کے شام میں اپنی پوزیشن کو محفوظ کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ جنگ صفین ہوئی اور جب شکست ہونے لگی تو قرآن کو حکم بنانے کا ڈھونگ رچایا گیا اور پھر تحکیم میں حضرت علیؓ کے نمائندہ ابو موسیٰ اشعری کو فریب دیا گیا۔ صحابیت کے پجاری ذرا غور کریں کہ ایک صحابی عمرو بن العاص دوسرے صحابی کو بیعت کے معاملہ میں کتنا فریب دیتا ہے۔ اوّل تو اُن سے طے کرتا ہے کہ دونوں کو (یعنی حضرت علیؓ اور معاویہ) کو معزول کر کے مسلمانوں کو موقع دیا جائے کہ وہ جسے چاہیں خلیفہ منتخب کریں۔ ابو موسیٰ اشعری کو معلوم تھا کہ اس طرح حضرت علیؓ کو ہی منتخب کر لیا جائیگا اور یہ معزولی ایک رسمی بات صرف جھگڑا ختم کرنے کے لئے ہے لہذا وہ راضی ہو گئے۔ عمرو بن العاص نے پانسہ دوسرا ہی پھینکا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری کو یہ چکمہ دیا کہ آپ بزرگ ہیں پہلے آپ اعلان کیجئے۔ میں آپ کے ہوتے سبقت نہیں کر سکتا۔ ابو موسیٰ اشعری نیک بھولے بھالے آدمی تھے۔ انہوں نے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ ہم دونوں نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ اُس کے بعد عمرو بن العاص صحابیؓ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ علیؓ کے نمائندے نے تو اپنے خلیفہ کی معزولی کا اعلان کر دیا مگر اپنے امیدوار کو میں بحال کرتا ہوں۔ اس پہ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لیکن عمرو بن العاص ہنگامہ تو چاہتے ہی تھے۔ اُن کا مقصد جو تھا وہ حاصل ہو گیا۔ اوّل تو معاویہ شکست سے

Marfat.com

بچ گئے دوسرے اب وہ خلافت کے امیدواروں کی صف میں آ گئے۔

لیکن غور کیجئے کہ ایسے چالباز اور فریب کار آدمی کی روایت کی ہوئی حدیث پر محض اس لئے اعتماد کر لینا چاہیے کہ وہ صحابی تھا؟ کیا یہ ضروری نہیں کہ ایسے صحابی کی تمام روایات بلا لحاظ نوعیت بغیر تحقیقات رد کر دی جائیں؟ اس تحکیم کے معاملہ میں اگر عمرو بن العاص کی فریب کاری کے متعلق مؤرخین میں اختلاف ہو تو کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ فلاں روایت دشمنوں نے تاریخ میں شامل کر دی ہے مگر اس بارے میں تو سب کا اتفاق ہے کہ عمرو بن العاص نے فریب دے کر ابو موسیٰ اشعری سے اعلان کرایا اور اپنا اعلان طے شدہ فیصلہ کے خلاف کر دیا۔ عمرو بن العاص کے اعلان کے الفاظ تاریخوں میں دئے ہیں

"آپ لوگوں نے ابو موسیٰ کا فیصلہ سن لیا۔ انہوں نے علی اور معاویہ کو معزول کیا۔ میں بھی علی کو معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ کو برقرار رکھتا ہوں"

ایسے صحابی کی فاتحانہ "خدمات" سے اسلام کو کیا فائدہ؟ اسلام کیرکٹر اور اخلاق پھیلانے کے لئے آیا تھا۔ رسول اللہؐ نے تو فرمایا تھا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کردوں) اگر رسول اللہؐ کے تعلیم کردہ اصول اخلاق قائم رہتے تو دنیا فتح بھی ہوتی اور ان فتوحات کو قیام بھی ہوتا۔ مکر و فریب کے مجسموں نے اگر اقتدار پرستی کی ہیج پر اسلام کی فتوحات بھی کی ہوں تو بھی ان کو اصحابی کالنجوم کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی اقتدا ہی کی جا سکتی ہے اور ان کی احادیث پر اعتماد کرنا تو نہایت خطرناک ہے۔ نہ معلوم کتنی روایتیں ایسے لوگوں نے گھڑی ہوں گی بعض روایتوں کا ظاہری تعلق سیاسیات سے نہ سہی لیکن ہو سکتا ہے کہ سوسائٹی میں اپنا اثر و اقتدار بڑھانے کے لئے ایسے صحابیوں نے غیر سیاسی نوعیت یعنی عبادت وغیرہ

Marfat.com

کے متعلق روایات گھڑلی ہیں۔ عمرو بن العاص نے جو فریب کیا اس سے بڑھ کر اور فریب کیا ہو سکتا ہے لیکن ایسے صحابی کی بھی انتالیس روایتیں ہمارے حدیث کے لٹریچر میں موجود ہیں جن میں سے بعض بخاری و مسلم میں بھی ہیں۔

تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن العاص کو مرتے وقت زندگی میں کئے ہوئے مکر و فریب کا بہت احساس تھا

دار المصنفین اعظم گڈھ نے صحابہ کے حالات متعدد جلدوں میں شائع کئے ہیں ان کتابوں میں صحابہ کی زندگی کے روشن رُخ کو پیش کیا گیا ہے اور تاریک رُخ کو حتی الامکان نظروں سے اوجھل رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود ان کتابوں تک میں بعض ایسے واقعات کو نہیں چھپایا جا سکا جن سے عمرو بن العاص جیسے صحابہ کی زندگی کے تاریک رُخ سامنے آجاتے ہیں۔ سلسلہ سیر الصحابہ کی جلد "مہاجرین" کے حصہ دوم میں عمرو بن العاص کے تذکار میں لکھتے ہیں۔

> "عمرو بن العاص بہ اختلاف روایت ۴۳ھ یا ۴۷ھ یا ۵۱ھ بعہد حکومت میں بیمار ہوئے۔ عمر کافی پا چکے تھے زندگی کی زیادہ اُمید نہ تھی اس لئے مرض الموت میں اپنی گزشتہ لغزشوں پر بہت نادم تھے۔
>
> ابن عباس عیادت کے لئے آئے۔ سلام کے بعد پوچھا ابا عبداللہ کیا حال ہے۔ جواب دیا کیا پوچھتے ہو۔ دنیا کم بنائی مگر دین زیادہ بگاڑا۔ اگر اس کو بگاڑے ہوتا جس کو بنایا ہے اور اُسے بنایا ہوتا جس کو بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا اگر اس وقت کی آرزو فائدہ مند ہوتی تو ضرور آرزو کرتا۔ اگر بھاگنے سے بچ سکتا تو ضرور بھاگتا۔ مگر اب منجنیق کی طرح زمین و آسمان

Marfat.com

کے درمیان معلق ہوں نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں۔ اے بھتیجے! مجھے کوئی ایسی نصیحت کر کہ اُس سے فائدہ اٹھاؤں" ابن عباس نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں۔ اب وہ بھتیجا بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی ہو گیا ہے اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو تیار ہوں۔ مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے عمرو بن العاص نے کہا اس وقت اسی برس سے کچھ اوپر میری عمر ہے اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے خدایا۔ یہ ابن عباس مجھ کو تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کہ راضی ہو جا ابن عباس نے کہا ہیہات ابا عبداللہ ہیہات جو چیز لی تھی وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے۔ عمرو بن العاص نے کہا ابن عباس تم کو کیا ہو گیا ہے جو بات میں کہتا ہوں تم اُس کا الٹ کہتے ہو[1]

دو صحابیوں کی اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عباس کی نظر میں عمرو بن العاص کی خلاف اسلام سرگرمیاں اس قابل نہیں تھیں کہ مرتے وقت پشیمان ہونے سے اُن کی معافی ہو جائے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عمرو بن العاص کو احساس تھا کہ کہ دین کو برباد کر کے دنیا بنانے کی کوشش کی تھی۔

عمرو بن العاص کے اس اعتراف کو ایک عام گناہگار مسلمان کے اعتراف کی

---

[1] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۴۹

حیثیت دینا غلط ہوگی۔ ہر انسان کو موت کے وقت اپنی لغزشوں یا گناہوں کا احساس ہوتا ہے مگر عمرو بن العاص کے مرتے وقت کے جذبات کا خاص تعلق اُن اعمال قبیحہ سے ہے جو حضرت علیؓ اور معاویہ کے اختلافات کے دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا ثبوت صحیح مسلم کی ایک روایت سے ملتا ہے جس میں عمرو بن العاص نے اپنی زندگی کے تین دور قرار دیئے ہیں۔ ایک وہ جب وہ مشرک تھے۔ دوسرا جب وہ بعد جب وہ دائرہ اسلام میں آگئے اور تیسرا دور رسول اللہ کی وفات کے بعد پہلے دور کے گناہوں کی نسبت معاملہ صاف ہے کہ اسلام لانے کے بعد انسان کے زمانۂ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اعمال حسنہ کا اچھا بدلہ ملتا ہے۔ دوسرا دور اسلام کے بعد رسول اللہ کی صحبت کا زمانہ ہے جس میں عمرو بن العاص کی زندگی بہت اچھی گزری۔ عمرو بن العاص کو اس دور کی زندگی پر بھی اطمینان ہے۔ مگر سارا خطرہ اُس دور کے اعمال سے تھا جو عہد رسالت کے بعد کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ حدیث مسلم کی یہ ہے۔

"ابن شمامہ مہری کہتے ہیں ہم عمرو بن العاص کے پاس گئے جبکہ اُن کے بیٹے نے کہنا شروع کیا۔ ابا جان کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فلاں بات کی خوشخبری نہیں دی اور ابا جان کیا رسول اللہ نے آپ کو فلاں بات کی بشارت نہیں دی یعنی آپ روتے کیوں ہیں آپ کے حق میں تو حضور نے ایسا ایسا فرمایا ہے۔ ابن شماسہ کہتے ہیں بیٹے کے یہ الفاظ سُن کر عمرو بن العاص نے اپنا منھ پھیر لیا اور کہا ہمارے خیال میں ہمارے لئے بہترین چیز لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ

---

۱ صحیح مسلم کتاب الایمان

Marfat.com

کی شہادت ہے۔ بیٹا تم کو معلوم ہے میں نے تین زمانوں کو گزارا ہے۔ یا میں تین دور سے گزرا ہوں۔ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھ کو کسی سے بغض نہ تھا اور میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی پسندیدہ بات نہ تھی کہ میں رسول اللہ پر قابو پاؤں اور آپ کو قتل کردوں۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو یقیناً دوزخی ہوتا۔ پھر دوسرا زمانہ وہ تھا جبکہ خداوند تعالیٰ نے اسلام کو میرے دل میں ڈالا یعنی اسلام کا خیال میرے دل میں پیدا کیا اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اپنا ہاتھ پھیلائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کرلوں۔ حضور نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا اور میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا یعنی ادھر حضور نے میری خواہش پر ہاتھ بڑھایا اور اُدھر میں نے بیعت سے اعراض کیا۔ حضور نے میری یہ حالت دیکھ کر فرمایا عمرو کیا بات ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں کچھ شرط کرنی چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کیا شرط ہے بتاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ میرے پہلے گناہ معاف ہو جائیں۔ حضور نے فرمایا۔ عمرو تم کو معلوم نہیں کہ اسلام پہلی تمام باتوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت تمام پہلے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے اور حج تمام معاصی کو محو کر دیتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اسلام قبول کرلیا اور اب حضور سے زیادہ مجھے کسی سے محبت نہ تھی اور نہ رسول اللہ سے زیادہ میری نظر میں کسی کی عظمت و وقعت

Marfat.com

تھی۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت جلال کے سبب آپ کی طرف آنکھ
اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ چونکہ حضور کی شان جلال کے سبب میں نے
کبھی آپ کے چہرۂ مبارک کو جی بھر کے نہیں دیکھا تھا اس لئے
اگر اب کوئی شخص مجھ سے آپ کا حلیۂ مبارک دریافت کرے
تو میں نہیں بتا سکتا۔ اگر میں اسی حالت میں مرجاتا تو اُمید
تھی کہ میں جنتی ہوتا۔ پھر تیسرا دور یہ ہے کہ ہم پر بہت سی
باتوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ معلوم نہیں ان باتوں
میں میرا کیا حال رہے گا۔ پس میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ
جب میں مرجاؤں تو میرے جنازہ کے ساتھ نہ تو کوئی نوحہ گر
ہو اور نہ آگ۔ پھر جب تم مجھ کو دفن کر چکو اور مجھ پر مٹی ڈال چکو
تو میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کیا
جاتا ہے اور اُس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے
مانوس رہوں اور دیکھوں اپنے پروردگار کے فرشتوں سے کیا
گفتگو کرتا ہوں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ مشرکوں میں سے کچھ
لوگوں نے بہت زیادہ خونریزی اور بہت زیادہ زناکاری
کی۔ پھر وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا وہ
بات جو تم کہتے ہو اور جس بات کی تم دعوت دیتے ہو ضرور اچھی
ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہمارے گزشتہ اعمال یعنی بدکاریوں کا بھی
اس سے ازالہ ہو جائے گا۔ مشرکوں کے اس استفسار پر یہ
آیت نازل ہوئی۔

والذین لا یدعون مع اللّٰہ الٰھاً آخر ولا یقتلون

Marfat.com

النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاماً

(وہ بھی بندگان خاص میں ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہیں ٹھہراتے اور جس کا قتل کرنا حرام ہے اُسے ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کریگا وہ گناہ کے وبال میں پڑے گا)

اور اسی سلسلہ میں یہ آیت بھی نازل ہوئی

یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لاتقنطو من رحمۃ اللہ

(اے میرے بندو گناہ کرکے اپنے آپ پر زیادتیاں کرنے والو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو)

جہاں تک عمرو بن العاص کے گناہوں کی سزا یا مغفرت کا سوال ہے اس پر یہاں بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ اللہ اور عمرو بن العاص کے درمیان معاملہ ہے۔ لیکن اتنا ظاہر ہے کہ عمرو بن العاص کی اپنی نظر میں اُن کا عہد رسالت بہت اچھا گزرا اور ابن عباس سے جس زمانہ میں دنیا بنانے اور دین خراب کرنے کا ذکر کیا تھا وہ حضرت علیؓ اور معاویہ کے اختلافات کا دور تھا۔

واضح رہے کہ تاریخوں میں وہ سمجھوتہ موجود ہے جو معاویہ اور عمرو بن العاص کے درمیان ہوا تھا۔ اس عمرو بن العاص نے اس شرط پر معاویہ کی حمایت کا وعدہ کیا تھا کہ بدلے میں مصر عمرو بن العاص کے حوالے کیا جائے

اسی سمجھوتے کے تحت عمرو بن العاص نے محمد بن ابی بکر کو نہایت بیرحمی سے

Marfat.com

قتل کیا۔ محمد بن ابی بکر صحابیؓ بھی تھے اور بی بی عائشہ کے بھائی بھی تھے حضرت علی کی طرف سے وہ مصر کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ عمرو بن العاص کے لئے مصر کا وعدہ ہو چکا تھا عمرو بن العاص نے حملہ کیا اور محمد بن ابی بکر کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اس صحابی کو پیاسا رکھا اور پھر گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا

صرف اہل علم ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر کے اس قتل میں عمرو بن العاص نے کتنے اصول کتاب وسنت کے الٹی چھری سے ذبح کر دئے۔ اسلام اپنے شدید ترین دشمنوں کے قتل کے لئے بھی ایسے ظالمانہ قتل کی اجازت نہیں دی لیکن جب یہ خبر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے اس پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ حضرت علیؓ کو جب خبر ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ معاویہ نے اس پر خوشی منائی تو حضرت علیؓ نے اللہ سے دعا کی اور فرمایا کہ ان لوگوں کو اتنا ہی پچھتانا پڑے گا۔ بی بی عائشہ کو خبر سن کر بہت صدمہ ہوا۔ وہ ہمیشہ نماز کے بعد عمرو بن العاص کے لئے بد دعا کرتی رہیں اور معاویہ کے لئے بھی بد دعا کی۔

یہ بھی واضح رہے کہ عمرو بن العاص نے تحکیم کے وقت ابو موسیٰ اشعری کے سامنے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ میرے بیٹے عبداللہ بن عمرو بن العاص کو خلیفہ بنا دیا جائے مگر ابو موسیٰ اشعری نے اس مشورہ کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ تمہارا بیٹا تو نیک ہے مگر اسے فساد میں شریک کر کے تم نے اُس کی زندگی کو بھی داغدار کر دیا ہے۔

عمرو بن العاص نے ابو موسیٰ اشعری کو معاویہ سے دولت اور منصب دلانے کی لالچ بھی دی تھی۔ مگر انہوں نے یہ پیشکش حقارت کے ساتھ رد کر دی اور کہہ دیا کہ میں اپنا دین بیچنا نہیں چاہتا۔

اب کوئی بتائے کہ عمرو بن العاص جیسے صحابہ پر کس معاملہ میں اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اور اسلام ایسے صحابہ پر کس طرح فخر کر سکتا ہے؟

Marfat.com

بات میں بات نکلتی گئی اور بحث کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ ہم یہ بتانا چاہتے تھے کہ عمار بن یاسر کی وفات پر معاویہ نے جو دلیل اپنے حق بجانب ہونے کی دی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا اختلاف بی بی عائشہ، طلحہ، اور زبیر کی طرح اجتہادی نہیں تھا بلکہ وہ بدنیتی پر مبنی تھا۔ جب عمار بن یاسر جنگ صفین میں شہید ہوئے تو اکثر صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی معلوم تھی کہ عمار بن یاسر کو شہید کرنے والی پارٹی دوزخ کی طرف بلانے والی ہوگی اور جس پارٹی میں وہ ہوں گے وہ صداقت پر ہوگی خود معاویہ بھی اس حدیث کے راویوں میں سے ایک تھے۔ جب معاویہ سے کہا گیا کہ عمار بن یاسر کی شہادت کا یہ مطلب ہوا کہ آپ باطل پر ہیں تو معاویہ نے یہ عجیب منطق پیش کی کہ عمار بن یاسر کے اصلی قاتل علیؓ ہیں کیونکہ انہوں نے اُن کو میدان جنگ میں اپنا شریک کیا۔ جب اس دلیل کو کسی نے حضرت علیؑ کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا خوب! اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جناب حمزہؓ کے قاتل رسول اللہ تھے کیونکہ وہی اُن کو میدان جنگ میں لائے تھے۔

بیعت کے بارے میں صحابہ کے نقطۂ نظر میں کیا کیا فرق نظر آتا ہے اس کے چند نمونے آپ کے سامنے آچکے اور اُن کو دیکھنے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے ہونگے کہ صحابہ کا نقطۂ نظر ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا۔ اب ایک اور حیرت خیز اختلاف اور پیش کیا جاتا ہے ابن عباس مشہور صحابی ہیں اور عبداللہ ابن زبیر بھی کافی شہرت رکھتے ہیں۔ لیکن ان دونوں صحابیوں کے درمیان بیعت کے بارے میں کیا ہنگامہ ہوا؟ ابن زبیر نے ابن عباس کو قید کر کے دھمکی دی کہ اگر ایک مقررہ مدت میں بیعت نہ کی تو زندہ جلا دیئے جاؤگے اس قید سے آپ کو مختار کے آدمی چھڑا لے گئے۔

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ قصور ابن عباس کا تھا یا ابن زبیر کا ہمارے سامنے تو یہ سوال ہے کہ بیعت کے بارے میں بعض صحابہ کا زاویۂ نظر کتنا مختلف تھا اور اس اختلاف

Marfat.com

میں ہم رہنمائی کی کونسی صورت پا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ہمیں صحابہ کے طرز عمل اور زاویۂ نظر کا جائزہ لینا پڑے گا اور کتاب وسنت کے معیار پر اُسے جانچنا پڑے گا۔

یہ بھی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یزید کو معلوم ہوا کہ ابن عباس ابن زبیر کی بیعت کے لئے تیار نہیں ہوئے تو اُس نے ایک خط ابن عباس کو لکھا جس میں درخواست کی کہ آپ میری بیعت کر لیجئے۔ اس خط کا سخت جواب ابن عباس نے دیا تھا۔

ان اختلافات کے باوجود اگر کوئی "اصحابی کالنجوم" جیسی جھوٹی حدیثوں پر عمل کرنے کی بات کرے تو اس کی عقل پر ماتم کرنا چاہیے۔

یزید نے جب مدینۃ الرسول کو تاراج کیا تو بیعت کے متعلق صحابہ کے طرز عمل نے وہاں بھی عجیب عجیب نمونے پیش کئے۔ مدینہ میں جو صحابہ انصار و مہاجرین میں سے وہاں تھے اُن کی بہت بڑی اکثریت نے تو یزید کی بیعت کے خلاف اس لئے بغاوت کی کہ وہ فاسق وفاجر تھا مگر عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک بار بیعت کرنے کے بعد اگر اسے توڑ دیا گیا تو قیامت میں یہ بیعت توڑنے والا مخالف اسلام جھنڈے کے نیچے ہوگا۔ اس کے برخلاف دوسرے صحابہ کا اجتہاد یہ تھا کہ یزید بالکل اس قابل نہیں کہ اُس کی بیعت کی جائے۔

تیسرا اجتہاد ابوسعید خدری کا تھا کہ وہ مسلمانوں کی باہمی جنگ سمجھ کر اس سے الگ ہو کر مدینہ سے باہر جا کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔

واضح رہے کہ عبداللہ بن عمر اپنے اجتہاد سے مجبور تھے ورنہ وہ کسی وقت بھی یزید کے حامیوں یا امام حسین کے مخالفوں میں سے نہیں رہے۔ اُن کے دل میں امام حسین کا جو مرتبہ تھا اس کا کچھ اندازہ ایک حدیث سے ہوتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ایک شامی نے جب اُن سے مچھر کے خون کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو عبداللہ بن عمر نے غصہ ہو کر لوگوں سے کہا کہ ان لوگوں کی حرکت پر تو غور کرو یہ مچھر کا مسئلہ پوچھتے ہیں اور رسول کے

Marfat.com

نواسہ کو انہوں نے شہید کر ڈالا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسین وحسن جنت کے باغ کے دو پھول ہیں .... الخ

مذکورہ بالا واقعات میں بہت اضافہ کیا جا سکتا ہے مگر بیعت کے متعلق صحابہ کے جو مختلف نظریات ملتے ہیں اُن میں بعض ایسے ہیں کہ اگر ان کو عملی زندگی میں اسوۂ "حسنہ" بنالیا جائے تو جنت کے بجائے دوزخ میں پہونچا دیں۔ لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ صحابہ کے اقوال و افعال کو آنکھ بند کر کے نہ قبول کر لیا جائے بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں اُن کا جائزہ لیا جائے۔

Marfat.com

(۵)

صحابہ اور فقہی مسائل

فقہی مسائل میں صحابہ کے اختلافات کی نوعیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ آنکھیں بند کر کے ان کی تقلید نہیں کی جاسکتی۔ بلکہ ان اختلافات کو کتاب و سنت کی روشنی میں جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے۔ بہت سے اختلافات ایسے ہیں جن میں ایک صحابی کے مقابلہ میں دوسرے کی غلطی صاف نظر آتی ہے۔ اور بعض غلطیاں ایسی بھی ہیں جن کو صرف نظر انداز ہی نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان پر تنقید کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اس باب میں ایسی متعدد مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

"کنز" پر اختلاف

کنز کے مسئلہ پر صحابہ میں ایسا اختلاف ہوا کہ عہد حاضر میں اس کا تذکرہ اور اس کے مختلف پہلوؤں کی بحث نہایت اہم ہے۔ خصوصاً اشتراکیت کے طوفانی پروپیگنڈے کے مقابلہ میں صحابہ کرام کا یہ اختلاف نہایت دلچسپ ہے اور اس سے اسلام کے اقتصادی نظام پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ اختلاف حضرت عثمانؓ کے عہد میں نمایاں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتوحات اسلامی کے سبب مال و دولت کی ریل پیل ہوئی جو لوگ مایہ دار ذہن رکھتے تھے انہوں نے اپنا طرز زندگی سرمایہ دارانہ کر دیا۔ بعض صحابہ نے اسلامی معاشرہ

Marfat.com

میں ان تبدیلیوں کو پسند نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی بعض صحابہ نے سرمایہ دارانہ ذہن کا مظاہرہ کیا مگر حضرت عمرؓ کے تشدد نے ان مظاہروں کے خلاف سخت کارروائی کی۔ سعد بن وقاص جیسے جلیل القدر صحابی کے مکان کے دروازہ کو اس لئے گرا دیا گیا کہ وہ بلند اور شاندار تھا۔ عمرو بن العاص سے نہایت سخت محاسبہ کیا گیا۔ مگر معاویہ نے یہ بات بنا دی کہ قیصر کی حکومت سے ہر وقت سامنا رہتا ہے۔ رعب داب اور شان وشوکت قائم رکھنی پڑتی ہے اگرچہ حضرت عمرؓ پر اس منطق کا اچھا اثر نہیں پڑتا تاہم انہوں نے معاویہ پر سختی نہیں کی۔ اگر انہوں نے معاویہ پر زیادہ سختی نہیں کی تو یہ محض بر بنائے مصلحت تھا کیونکہ وہ رعب و داب کے لئے نمود و نمائش کے قائل نہیں تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے وقت جس سادگی کے ساتھ وہ قبضہ لینے پہنچے تھے وہ تاریخ کا یادگار واقعہ ہے۔

بہرحال انہوں نے مصلحت اسی میں پائی کہ معاویہ کے اقتدار پرستانہ اور سرمایہ دارانہ ذہن پر زیادہ دباؤ نہ ڈالا جائے۔ حضرت عمرؓ کی اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی حد تک معاویہ کو اپنی ہوس پورا کرنے کا موقع مل گیا مگر اُس نے حدود سے بہت زیادہ تجاوز کی ہمت نہیں کی۔ اسلامی معاشرہ میں تبدیلی ضرور شروع ہوئی مگر نہ اتنی کہ صحابہ کرام کی صفوں میں بے اطمینانی پھیل جائے۔

لیکن حضرت عثمانؓ کمزور آدمی تھے اور اقربا پروری کا جذبہ اتنا زبردست تھا کہ معاویہ نے حدود سے بہت زیادہ تجاوز کرنا شروع کر دیا اور اسلامی معاشرہ کی عام ہیئت بدلنے لگی۔ لہذا ابو ذر غفاریؓ جیسے صحابہ نے احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ اُن کے اعتراض و احتجاج کا جواب معاویہ نے دیا اور اس طرح صحابہ کرام میں دو گروپ ہو گئے ایک گروپ مال جمع کرنے پر اتنی پابندیاں لگانا چاہتا تھا کہ متمول ہونا ہی مشکل ہو جائے دوسرا گروپ مال و دولت جمع کرنے کا حامی تھا۔

Marfat.com

تب سے قرآن مجید کی یہ آیت زیر بحث آئی۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم (توبہ)

جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں نہیں خرچ کرتے اُن کو عذاب الیم کی خبر دو۔

ابوذر کا استدلال تھا کہ اس آیت کی رو سے لوگ مال نہیں جمع کر سکتے لیکن معاویہ نے اس آیت کا یہ عجیب جواب دیا کہ آیت یہود و نصاریٰ کے لئے ہے مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔ چونکہ آیت کی ابتدا میں یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشواؤں کا ذکر ہے لہذا معاویہ نے اس بات سے فائدہ اٹھا کر ابوذرؓ کو چپ کر دینا چاہا۔ پوری آیت اس طرح ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کے مذہبی پیشوا لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اُن کو عذاب الیم کی بشارت دو

عام طور سے صحابہ کی رائے یہی تھی کہ الذین یکنزون..... الخ میں مسلم وغیر مسلم دونوں شامل ہیں۔ معاویہ کو ہمنوا نہیں ملتے تھے۔ لیکن ایسے صحابہ کی تعداد کافی تھی جو بالکل دوسرے ہی نقطۂ نظر سے ابوذرؓ سے اختلاف کرتے تھے۔ مثلاً بخاری کی ایک روایت میں عبداللہ ابن عمر کا اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ اُن کے نزدیک آیت الذین یکنزون الذھب..... الخ زکوٰۃ کے حکم سے قبل نازل ہوئی تھی۔ زکوٰۃ کا حکم اس لئے نازل ہوا کہ جمع شدہ مال کی تطہیر ہو جائے۔

انما کان ھذا قبل ان تنزل الزکوۃ فلما انزلت جعلھا اللہ طھرا للاموال۔

(ترجمہ:۔ یہ آیت زکوٰۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کی ہے۔ جب زکوٰۃ کا حکم آگیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ مال کو پاک کردے)

عبداللہ ابن عمر اور ابوذر کا اختلاف اجتہادی یا فقہی تھا۔ معاویہ کا اختلاف بھی بظاہر اجتہادی اور فقہی معلوم ہوتا ہے لیکن معاویہ کا سارا طریق کار ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے آیت کے حکم کو یہود و نصاریٰ تک محدود کرنے میں اپنا سرمایہ دارانہ مقصد پیش نظر رکھا تھا۔

انہوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ یا تو ابوذر کو شام سے ہٹاؤ ورنہ مجھے ہٹالو۔ چنانچہ حضرت عثمان نے ابوذر کو شام سے بلوایا۔ واضح رہے کہ ابوذر رسول اللہ کے بڑے محبوب صحابی تھے جن کی نسبت حضور نے فرمایا تھا کہ ابوذر ہمیشہ سچے راستہ پر رہے گا۔ یہ ابوذر تھے جو عرب کے ان چند افراد میں سے تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت ملنے سے پہلے بھی توحید کے علمبردار تھے۔

معاویہ اور ابوذر میں مرتبہ کے لحاظ سے زمین آسمان کا فرق تھا۔ معاویہ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے تھے کافر رہنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی اور دائرہ اسلام میں آنے کے بعد بھی اُن کو رسول اللہ نے مولفۃ القلوب میں شامل کیا تھا۔ مولفۃ القلوب وہ لوگ تھے جو کمزور ایمان رکھتے تھے۔ اور اُن میں استقلال پیدا کرنے کے لئے تالیف قلوب کا سلک اختیار کیا گیا تھا۔

لیکن ابوذر کے اسلام لانے کا واقعہ تاریخ کے دلچسپ ترین اور روح پرور بابوں میں سے ایک ہے۔ بخاری میں کتاب المناقب میں یہ واقعہ کافی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابوذر کی شخصیت کیا تھی۔ اور

Marfat.com

ادیہ شام میں ان کو نہیں برداشت کر سکے تو اس میں قصور سراسر معاویہ کا تھا

حضرت عمر کے زمانہ میں جب ایک جلیل القدر صحابی کے ساتھ معاویہ کا جھگڑا تھا اور انہوں نے احتجاجاً یہ کہہ کر شام چھوڑ دیا تھا کہ جہاں معاویہ رہے گا میں رہوں گا تو حضرت عمرؓ نے معاویہ کی سرزنش کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا کہ صحابی معاویہ کے زیر اقتدار نہیں رہے گا۔ باوجودیکہ وہ شام میں رہے مگر ان پر معاویہ کا اقتدار نہ تھا۔ مگر یہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ تھا جنہوں نے ابوذرؓ جیسے بلند پایہ صحابی کو معاویہ کے مطالبہ کی وجہ سے خارج کر دیا۔

نز کے متعلق ابوذر کا جواب الجواب

جب ابوذرؓ غفاری کو یہ جواب دیا گیا کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی گئی وہ نہیں رہتا اور اس طرح مال کو جمع کرنے اور خرچ نہ کرنے میں کوئی گناہ و عذاب نہیں تو حضرت ابوذرؓ نے جواب الجواب میں یہ آیت پڑھی۔

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین وآتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ وآتی الزکوٰۃ.....	ایمان اسے نہیں کہتے کہ تم اپنے منھ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ ایمان تو یہ ہے کہ اللہ یوم آخر، ملائکہ، کتاب، انبیا پر ایمان لائے اور اپنا مال اللہ کی خوشنودی کے لئے یتامیٰ، مساکین سائلین اور غلاموں کی آزادی کے لئے دے اور نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے۔

(بقرہ ۱۷)

ابوذرؓ کا استدلال تھا کہ صرف زکوٰۃ دینا کافی نہیں کیونکہ اس آیت میں زکوٰۃ

سے قبل مال خرچ کرنے کے متعدد اور مصارف بتائے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ زکوۃ کا ذ
تو اللہ تعالیٰ نے ان مدات کے بعد کیا ہے پھر یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ صرف زکو
ادا کرنے کے بعد مال جمع کیا جا سکتا ہے۔

ابو ذر اور عبداللہ بن عمر جیسے دو صحابیوں کے اس اجتہادی اور فقہی اختلاف
کی آپ کیا توجیہ کرینگے؟

واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر جس حدیث پر اعتماد کر کے حکم لگا رہے تھے دراص
وہ سرکاری ٹیکس سے متعلق ہے۔ امام بخاری نے ان تمام حدیثوں کو اس باب کے
تحت لکھا ہے۔

ما اودی زکوتہ فلیس بکنز لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمس اواق صدقۃ (کتاب الزکوٰۃ)	جس مال کی زکوۃ دیدی وہ کنز نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مطابق کہ نہیں ہے زکوٰۃ اُس پر جس پاس پانچ اواق سے کم ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جہاں تک حکومت کا تعلق ہے جس مال کی زکوٰۃ دیدی گ
وہ پاک اور محفوظ ہو گیا۔ لیکن غیر سرکاری طور سے ایسی ذمہ داریاں بھی انسان پ
ہوتی ہیں جن کا احتساب یا تو اسلامی حکومت کر ہی نہیں سکتی یا جن کا احتساب کرنا غیر منا
ہے۔ مگر ان ذمہ داریوں کا احتساب اللہ تعالیٰ ضرور کرتا ہے۔ مثلاً ذوی القربیٰ کی ا
کا احتساب حکومت اسلامی یا خلیفہ کے لئے ناممکن العمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ
یہ حکم دے کر چھوڑ دیا ہے کہ ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین، مسافر، سائلین اور غلامو
آزاد کرنے پر صرف کیا جائے۔ اگر ان مدات پر مال خرچ نہیں کیا تو ایمان ناقص ہ
اور مال و دولت کنز ہو جائیگا جس کے عذاب کی وعید ہے

حضرت ابو ذرؓ کا نقطۂ نظر یہی تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ لوگوں نے عیش

Marfat.com

[...]ا زندگی شروع کر دی اور مال و دولت کے پیچھے پڑ گئے ہیں تو انہوں نے تنبیہ شروع [...]دی۔ معاویہ اور بنی امیہ پر اس تبلیغ کا اثر زیادہ پڑتا تھا اس لئے انہوں نے ابوذرؓ کی [...]الفت زیادہ کی۔ ان لوگوں نے جگہ جگہ اپنے لئے محل بنانے شروع کر دئیے۔ ان میں [...]ی پتھروں کا استعمال اور نقش و نگار بنانا شروع کر دیئے۔ ابوذرؓ نے ان تبدیلیوں پر [...]تجاج کیا تو اُن کی نقل و حرکت پر پابندی عائد کر دی گئی۔

بخاری کی ایک حدیث میں ابوذرؓ کے جذبات پیش کئے گئے ہیں۔ انہوں نے [...]پنے رویہ کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے یہ کہا کہ میں ربذہ میں رہنے پر صرف اس [...]ئے مجبور ہوا ہوں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ایک حبشی بھی امام [...]تو اُس کی اطاعت ضروری ہے۔

مطلب یہ کہ ابوذر حضرت عثمانؓ کے حکم کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتے تھے اور [...]ویہ کے طرز عمل کے تو بالکل ہی خلاف تھے اور معاویہ کے اس قول سے سخت [...]لاف کرتے تھے کہ آیت یکنزون الذھب یہود و نصاریٰ کے لئے آئی ہے اور [...]سلمان اس میں شامل نہیں ہیں۔

بہر کیف آپ ان اہم اختلافات کو نظر انداز نہیں کر سکتے حالانکہ یہ اختلافات [...]ہ کے درمیان تھے۔

مزید یہ کہ ایک اختلاف سے اور دوسرا اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ابوذرؓ [...]ا تبلیغ کو حق سمجھتے تھے تو خلیفہ کے خلاف حق حکم کو کیوں پروان چڑھایا اور لا [...]اعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق کو کیوں فراموش کر دیا؟

[...]ازِ عصر و فجر کے بعد نماز

نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی

نماز پڑھنی چاہیئے یا نہیں اس مسئلہ پر فقہ کے دو مسلک اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ صحابہ میں اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایک حدیث ابوہریرہ رضؓ سے یہ مروی ہے کہ

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نہی عن الصلوٰۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس وعن الصلوٰۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نماز سے بعد نماز عصر جب تک سورج غروب ہو جائے۔ اور نماز سے بعد فجر جب تک سورج نکل آئے

یہ حدیث بالکل واضح ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں بی بی عائشہ کی یہ حدیث مذکورہ بالا حدیث کے بالکل خلاف ہے۔

ما ترک رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلاتین فی بیتی قط سرا ولا علانیۃ رکعتین قبل الفجر و رکعتین بعد العصر۔	میرے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر سے قبل اور بعد عصر دو رکعتیں کبھی ترک نہیں کیں سراً و علانیہ۔

چونکہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے وقت وفات تک یہ عمل قائم رکھا لہذا بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر ابوہریرہ کی حدیث صحیح ہے تو رسول اللہ کے فعل نے اُسے منسوخ کر دیا۔ لہذا عصر کے بعد بھی نماز جائز ہے۔ جن لوگوں نے ابوہریرہ کی حدیث کو قابل عمل سمجھا انہوں نے نماز عصر کے بعد غروب تک کسی نماز کو جائز نہیں سمجھا۔ اس سے قبل ایک صحابی کی رائے بی بی عائشہ کے خلاف دی جا چکی ہے

لیکن بی بی ام سلمہؓ کی حدیث بھی اس بارے میں ہے جس میں نیا شگوفہ ہے حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

انها رأت رسول اللّٰه صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی رکعتین بعد العصر فسألته عن ذلك فقال انه اتانی ناس من عبد القیس فشغلونی عن الرکعتین اللتین بعد الظهر وهما هاتان۔

انہوں (ام سلمہ) نے رسول اللہ کو عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے دیکھا تو اُن سے اس بارے میں پوچھا فرمایا میرے پاس عبدالقیس کے لوگ آئے تھے جنہوں نے اتنا مشغول کیا کہ دو رکعتیں نہ پڑھ سکا ظہر کے بعد یہ وہی دو رکعتیں ہیں

اس حدیث سے بی بی عائشہ کی حدیث کی تردید ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بخلاف حدیثِ عائشہ یہ دو رکعتیں صرف خصوصی حالات میں ایک بار پڑھی گئیں آج کل فقہاء میں اکثر کا فتویٰ یہی ہے کہ بعد نماز عصر غروب آفتاب تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔

بہترین اعمال

بہترین دینی اعمال کون سے ہیں اس پر صحابہ میں کافی اختلاف ہے۔ اس مسئلہ پر کسی طویل بحث سے قطع نظر کر کے حدیث کی صرف ایک کتاب "مسلم" سے چند حدیثوں کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جس کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو گی کہ یہ اختلاف کتنے صاف اور صریح ہیں:۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "اعمال میں سب سے اچھا کونسا عمل ہے" حضور نے فرمایا "اللہ پر ایمان لانا" پھر پوچھا گیا اس کے بعد کونسا عمل بہتر ہے "حضور نے فرمایا" خدا کی راہ میں جہاد کرنا" پھر پوچھا گیا "اس کے بعد کونسا عمل بہتر ہے" حضور

Marfat.com

حضور نے فرمایا۔

"حج مقبول"

اب ابوذرؓ کی روایت پڑھیئے:۔

ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ سب سے بہتر عمل کونسا ہے۔ حضور نے فرمایا" اللہ پر ایمان لانا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا.....

اب عبداللہ بن مسعود کی روایت پڑھیئے۔ اس میں بہترین اعمال کی ترتیب اور ہی ہے

"عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "کونسا عمل بہترین ہے" حضور نے فرمایا" وقت مقررہ پر نماز ادا کرنا" پھر میں نے پوچھا" اس کے بعد کونسا عمل بہترین ہے" حضور نے فرمایا" والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا" پھر میں نے پوچھا" اس کے بعد کونسا عمل بہتر ہے" حضور نے فرمایا" اللہ کی راہ میں جہاد کرنا"..... الخ

بہترین اعمال کی ان مختلف روایات میں یہ کہہ کر بعض محدثین نے تطبیق کی کوشش کی ہے کہ احوال و اشخاص کے اختلاف کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف کاموں کو "بہترین اعمال" بتایا ہے۔ لیکن ان محدثین کی تطبیق مشکل سے ہی حلق سے اترتی ہے۔ زیادہ آسان یہ ہے کہ روایت میں صحابہ کی تسلیم کرلی جائے۔ غلطی کے لئے یہ لازمی نہیں کہ راوی کی نیت میں بھی ش کیا جائے۔

اسی قسم کے اختلافات "سب سے بڑے گناہ" کے بارے میں بھی

Marfat.com

وجوب وتر

نماز وتر کے وجوب پر صحابہ میں اختلاف نظر آتا ہے۔ حدیث الاسراء میں ہے کہ جب معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رسول اللہ کو مشورہ دیا کہ پھر واپس جاؤ اور اللہ تعالےٰ سے کہو کہ پانچ نمازوں سے بھی کم کردو کیونکہ امت پانچ بھی نہیں ادا کریگی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ یہ پانچ پچاس کی برابر ہیں اور اب اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

اسی طرح ایک اعرابی نے رسول اللہ سے پوچھا تو آپ نے اُس کو بتایا خمس صلوات فی الیوم واللیلۃ (دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں اُس نے پوچھا کہ مجھے اس سے زیادہ تو ادا کرنا نہیں ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ "نہیں سوائے اُس کے مستحب جو چاہے اپنی مرضی سے پڑھ لے"۔

لیکن عمرو بن شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:۔

ان اللہ قد زادکم صلاۃ وھی الوتر فحافظوا علیھا۔	تحقیق اللہ نے نمازیں اضافہ کر دیا ہے اور وہ وتر ہے تو اس کی حفاظت کرو

حارثہ بن حذافہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے وتر کا جو عشاء کے بعد طلوع فجر تک ادا کرسکتے ہو۔

ایک اور حدیث بریدۃ الاسلمی کی ہے جس میں فرمایا ہے "الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا (وتر حق ہے جس نے وتر نہیں ادا کئے وہ ہم میں سے نہیں)

ان صحابیوں کی احادیث میں کتنا تضاد ہے۔ بعض نے ایک حدیث کو دوسری کا ناسخ قرار دے کر تضاد مٹانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس طرح کی تشریح

Marfat.com

وتطبیق صحابہ سے ثابت نہیں۔

تارک نماز کا قتل

ترک نماز سے کفر اور کفر سے قتل واجب ہوتا ہے یا نہیں اس بارے میں صحابہ کی روایت کردہ احادیث کے باعث بہت اختلاف ہے۔ ایک حدیث یہ ہے جس میں مسلمان کے قتل کے اسباب کو تین باتوں تک محدود کیا گیا ہے

لایحل دم امری مسلم الا باحدی ثلاث کفر بعد ایمان اوزنا بعد احصان اوقتل نفس بغیر نفس۔

ایک مسلم کا خون صرف ان تین باتوں میں سے ایک کے تحت حلال ہے اول کفر بعد ایمان، دوسرے شادی شدہ عورت سے زنا تیسرے جان کے بدلے جان

لیکن دوسری حدیث بریدہ سے مروی ہے

العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر

ہمارے اور اُن کے درمیان نماز کا عہد ہے جس نے اسے چھوڑا اُس نے کفر کیا۔

ایک اور حدیث جابرؓ سے مروی ہے۔ اسے بھی پڑھئے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لیس بین العبد وبین الکفر اوقال الشرک الا ترک الصلوٰۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں انسان اور کفر کے درمیان (یا شرک کہا) سوائے ترک نماز کے۔

جن لوگوں نے ان حدیثوں میں کفر کو کفر حقیقی سمجھا انہوں نے تارک نماز کے قتل کا حکم لگا دیا اور جنہوں نے یہ سمجھا کہ ان حدیثوں میں کفر سے صرف اتنا مطلب ہے کہ اس میں کافر کی سی عادات آجاتی ہیں مگر وہ رہتا مومن ہی ہے تو انہوں نے

Marifat.com

تارک نماز کو قتل سے بچالیا۔ اور بعض نے یہ بات پیدا کی کہ ترک نماز عمداً ہو اور اس طرح ہو کہ وہ نماز ادا کرنا ضروری نہ سمجھتا ہو۔

اس طرح قتل مرتد کے تحت اس حکم کو لایا جاتا ہے۔ لیکن بعض احادیث سے ایسا بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر ارتداد کے لئے قتل کی سزا نہیں ہے۔ صرف اُس ارتداد کے لئے ہے جس ارتداد سے اسلام پر حربہ کرنے والوں کو قوت پہنچتی ہے یعنی جس ارتداد کے بعد مرتد کے حربی کافروں میں مل جانے کا شبہ ہو اس ارتداد کی سزا قتل ہے کیونکہ ایک شخص رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ پھر کچھ مدت کے بعد رسول اللہ سے کہتا ہے میں بیعت توڑتا ہوں۔ آپ اُس کو رد کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں مگر وہ اصرار کرتا ہے۔ رسول اللہ اُسے اجازت دیتے ہیں صرف اتنا فرماتے ہیں کہ مدینہ وہ مقام ہے جو فضول اور ردی چیزوں کو اپنے اندر سے نکال دیتا ہے یہ مدینہ کا واقعہ ہے جہاں آپ کے پاس اقتدار تھا۔ آپ اس کو کفر بعد از اسلام کے اصول پر قتل کرا سکتے تھے لیکن آپ نے صرف اس تبصرہ پر اکتفا کیا کہ مدینہ فضول اور ردی چیزوں کو نکال دیتا ہے۔

علاوہ بریں قتل مرتد کے حکم کو اگر عام کر کے تغیر عقیدہ تک وسیع کر دیا جائے تو اسلام کا ایک ہمہ گیر وعمومی قانون لا اکراہ فی الدین ٹوٹ جاتا ہے۔ قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ قرآن انسان کو عقیدہ کی آزادی دیتا ہے اُس نے صاف کہدیا ہے لست علیھم بمصیطر (تم عقیدہ کے بارے میں اُن پر داروغہ نہیں) تم تو صرف پیغام حق پہنچانے والے ہو۔ فذکر انما انت مذکر (پیغام پہنچائے جاؤ تمہارا کام صرف نصیحت کرنا ہے)

قتل مرتد کا فتویٰ بعض خاص غلط فہمیوں کے باعث دیا گیا ہے اول تو اس لئے غلط فہمی ہوئی ہے کہ مرتد کو قتل کرنے کے واقعات صرف اُن حالات میں ہوئے

Marfat.com

جب مرتد کا ارادہ حربی کفار میں جا کر اسلام کے خلاف سرگرمیاں جاری کرنے کا تھا۔ دراصل قتل کی وجہ بغاوت تھی نہ کہ عقیدۂ مذہبی کی تبدیلی۔ نماز ترک کرنے پر بھی قتل کی دلیل اس لئے پیدا ہوئی کہ نماز سے کافر و مسلم کے درمیان شناخت ہوتی تھی اور اُس زمانہ میں بعض مقامات پر یہ ہی شناخت دشمنوں اور دوستوں کی تھی۔

قتل کے متعلق قرآن نے ایک عام قانون اس آیت میں پیش کیا ہے۔

من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا۔	جس نے کسی انسان کو قتل کیا بغیر جان کے بدلے جان یا ملک میں فساد کے سبب تو اُس کا گناہ ایسا ہے کہ گویا اُس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا اور

جس نے کسی کی زندگی بچالی اُس کا ثواب اتنا بڑا ہے گویا اُس نے سارے انسانوں کو زندگی دے دی۔

اس آیت میں علاوہ جان کے بدلے جان کے فساد ملک کو قتل کا ایک سبب قرار دیا گیا ہے۔ فسادفی الارض میں بغاوت وغیرہ تو آسکتی ہیں، دشمنوں کو امداد پہنچانا بھی آجاتا ہے، دوسروں کی بیویوں سے زنا کرنا بھی شامل کیا جاسکتا ہے مگر کسی مسلم کا عقیدہ تبدیل کرنا نہیں آتا الا یہ کہ عقیدہ کی تبدیلی کا نتیجہ دشمن کیمپ میں جانا ہو۔ اس لئے ارتداد کے قتل کا عقیدہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جو صحابہ کی روایت کردہ حدیثوں کے اختلاف اور اختلاف کی حقیقت نہ سمجھنے یا آنکھ بند کرکے صحابیت کے غلط تصوّر کو قبول کرنے کے باعث ہے۔

نمازوں کو جمع کرنا

دو نمازوں کو جمع کرکے پڑھنے کے متعلق بھی صحابہ کرام سے جو احادیث آئی —

ہیں انہوں نے فقہار کو کافی طبع آزمائی کا موقع دیا ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ حدیث مروی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا فی غیر خوف ولا سفر (مسلم)	ابن عباس کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر وعصر نیز مغرب وعشار ملاکر پڑھیں ایسی حالت میں کہ نہ خوف تھا نہ سفر میں تھے۔

ایک اور روایت میں ہے ولا مطر بھی ہے یعنی بغیر بارش کے عذر کے حضور نے نماز جمع کی۔

چونکہ یہ حدیث بعض دوسری حدیثوں سے ٹکراتی ہے اس لئے فقہار نے عجیب عجیب موشگافیاں کرکے ابن عباس والی حدیث کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً یہ کہا گیا کہ رسول اللہ کے دو نمازوں کو جمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب اُس کا آخر وقت تھا اور عصر کی اُس وقت پڑھی جب اس کا اول وقت تھا۔ اسی طرح مغرب کی نماز اُس وقت پڑھی جب اس وقت کا آخر وقت تھا اور عشار کی اُس وقت جب اُس کا اول وقت تھا۔ اس طرح نمازیں جمع بھی ہوگئیں اور الگ بھی رہیں۔ یہ تشریح ان فقہار کی دماغی زرخیزی کا نتیجہ ہے۔ اس کا کوئی ثبوت حدیث یا سیرت میں نہیں ہے۔ چونکہ کسی صحابی کی حدیث کو جبکہ وہ اصطلاحی حیثیت سے صحیح ہے یہ لوگ رد کرنے کے اصولاً خلاف ہیں لہذا عجب عجب قسم کے مہمل دلائل دے کر صحابیت کے معیار کو قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ ان دلائل پر ابن حجر نے فتح الباری میں بحث کی ہے (دیکھو فتح الباری جلد دوم۔ صفحہ ۴۹ میری ایڈیشن)

انہوں نے علمار کی ایک یہ تاویل بھی پیش کی ہے کہ شاید آسمان ابر آلود ہوگا اور وقت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث آپ نے سمجھ لیا ہو کہ ابھی ظہر کا وقت ہے اور اس غلط فہمی

Marfat.com

میں ظہر کی نماز پڑھلی ہو مگر جب نماز ظہر سے فارغ ہو گئے ہوں تو بادل چھٹ گئے ہوں اور آپ کو معلوم ہوا ہو کہ یہ تو عصر کا وقت ہے تو فوراً آپ نے عصر کی نماز پڑھلی ہو اور اس طرح ظہر و عصر کو جمع کرنے کی صورت پیدا ہو گئی ہو۔

امام نوری نے اس مہمل منطق کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر ظہر و عصر کی نمازیں جمع کرنے کے لئے یہ تشریح ممکن ہو تو مغرب و عشا جمع کرنے کیلئے کیا کہا جائیگا جبکہ اُس وقت بادلوں کے باعث وقت کے متعلق کسی غلط فہمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا!

اب ایک اور تاویل سنئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کسی بیماری کے باعث رسول اللہ نے ایسا کیا ہو گا۔ اس کا جواب بھی امام نووی نے دے دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ بیمار تھے تو اُن کے ساتھ نماز پڑھنے والے تو بیمار نہ تھے ابن عباس کے بیان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے دوسروں کے ساتھ نمازوں کو جمع کیا جب ہی تو ابن عباس نے اس کا تذکرہ کیا ہے

علاوہ بریں یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر ایسا کوئی سبب ہوتا تو حدیث میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا کہ عموماً تو نماز اپنے اوقات میں ہی پڑھنی چاہیئے لیکن حالات کے لحاظ سے یہ سہولت بھی دی گئی ہے کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشار کی ملاکر بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

سیاہ اور سفید ڈورے

قرآن مجید کی ایک آیت ہے كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہیں فجر کا سفید دھاگا کالے دھاگے سے الگ معلوم ہونے لگے)

اس آیت سے متعلق صحابہ کرام سے عجب عجب احادیث ہیں جن کو صرف اس

یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی روایت کسی نہ کسی صحابی کے نام کے ساتھ وابستہ ہے اور بخاری و مسلم نے ان کو قبول کر لیا ہے۔

ایک روایت بتاتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے سیاہ اور سفید ڈورے اپنے پاس رکھنے شروع کر دیئے تاکہ روزہ کے لئے سحر کے وقت کا صحیح اندازہ کر سکیں۔ انہوں نے قرآن کی آیت کا یہی مطلب سمجھا کہ فجر کی ابتدا تک کھایا جا سکتا ہے اور اس ابتدا کا فیصلہ کالے اور سفید دھاگوں میں تمیز کرنے سے ہو سکتا ہے اس لئے بعض صحابہ نے اپنے تکیوں کے نیچے دھاگے رکھنے شروع کر دیئے

ان روایتوں سے ضمناً یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صحابہ میں ہر درجہ کی سمجھ کے آدمی تھے۔ بعض ایسے بھی حالات ہوتے تھے جن میں ان کی قوت فہم جواب دیدیتی تھی۔ لہذا یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ کی کسی حدیث کو غلط فہمی سے کچھ کا کچھ روایت کر دیں

جس حدیث کی طرف ہم توجہ دلا رہے ہیں وہ صحیح بخاری میں کتاب الصوم میں حسب ذیل ہے

> "عدی بن حاتم رضؓ کہتے ہیں کہ جب حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ نازل ہوئی تو میں نے ایک سیاہ ڈورا اور ایک سفید ڈورا لے لیا اور اُن دونوں کو اپنے تکیہ کے نیچے رکھ لیا اور رات کو ان ڈوروں کو دیکھتا رہا مگر کچھ معلوم نہ ہوا تو میں صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ تو رات کی سیاہی اور صبح کی سفیدی ہے

یہی روایت عدیؓ بن حاتم سے بھی صحیح مسلم میں اس طرح ہے دونوں

کا فرق قابل غور ہے:۔

"عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ جب یہ آیت حتّٰی یتبیّن لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود یعنی سیاہ و سفید دھاگوں میں تم امتیاز کرسکو نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ میں نے اپنے تکیہ کے نیچے اونٹ کے پاؤں باندھنے کی دو سیاہ و سفید رسیاں رکھ لی ہیں جن سے میں رات اور دن کی شناخت کر لیتا ہوں" حضور نے فرمایا "تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہوگا۔ خیط اسود سے مراد رات کی تاریکی اور خیط ابیض سے مراد دن کی سفیدی ہے"

دونوں روایتیں عدی بن حاتم سے ہی مروی ہیں لیکن دونوں کے الفاظ میں بیّن فرق ہے۔ مفہوم میں بھی یہ فرق ہے کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہے کہ انہوں نے جب سفید و سیاہ ڈورے کے ذریعہ سحر کھانے کا آخری وقت دریافت کرنا چاہا تو کچھ معلوم نہیں ہوسکا مگر صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عدی بن حاتم کالی اور سفید رسیوں کا استعمال اس مقصد کے لئے کرتے رہے یہاں تک کہ ایک روز رسول اللہ سے تذکرہ ہوا اور حضور نے اُن کی غلط فہمی رفع کردی۔ ان روایتوں سے متعدد ایسے سوال اٹھتے ہیں جن کا کوئی تسلی بخش جواب دینا مشکل ہے۔ مثلاً عدی بن حاتم بالکل آخر میں ایمان لائے ہیں غالباً نویں یا دسویں ہجری میں، لیکن روزہ کے لئے سحر کے وقت کی تعین مدنی زندگی کے آغاز میں ہوئی ایسی حالت میں آیت کے نزول کے وقت عدی بن حاتم کے ڈورے یا رسیاں کے نیچے رکھنے کا واقعہ کیسے پیش آگیا۔

چونکہ محدثین نہ بخاری و مسلم کی احادیث پر تنقید کرنے کو تیار ہیں اور نہ صحابی

Marfat.com

روایت پر شک جائز قرار دیتے ہیں لہٰذا قسم قسم کی بالکل ناقابل قبول توجیہات ان محدثین کو پیش کرنی پڑتی ہیں۔ مثلاً عدی بن حاتم کے متعلق مذکورہ بالا اعتراض کی یہ توجیہہ کردی ہے کہ عدی بن حاتم کے سامنے پہلی بار جب یہ آیت آئی ہوگی تو انہوں نے ڈوروں یا رسیوں والا تجربہ کیا ہوگا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ تشریح اس لئے غلط ثابت ہوتی ہے کہ روایت میں "نزلت" (نازل ہوئی) کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت عدی بن حاتم کے اسلام لانے کے بعد نازل ہوئی جو تاریخی شہادت کی روشنی میں بالکل غلط ہے۔ علاوہ بریں دوسری روایتوں سے بھی ثابت ہے کہ ابتدا میں اور صحابہ نے بھی سفید اور سیاہ دھاگوں کے واقعہ کو کسی نے عدی بن حاتم کی طرف منسوب کرکے حدیث گھڑدی ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ کسی کو ایسی حدیث گھڑنے سے فائدہ کیا تھا؟ تو جواب یہ ہے کہ جب مسلمانوں میں احادیث جمع کرنے اور سننے کا شوق پیدا ہوا تھا تو راوی حدیث کی بڑی عزت ہونے لگی۔ لوگ سینکڑوں میل کا سفر کرکے اس شخص کے پاس جانے لگے جس کے پاس کوئی حدیث روایت کرنے کے لئے ہو پس اور باتوں سے قطع نظر کیجئے تو صرف یہ سبب کافی ہے کہ لوگ احادیث گھڑ کے اہمیت حاصل کرتے تھے اور مرکز عوام بن جاتے تھے۔ اس اثر واقتدار سے مختلف فوائد حاصل کرسکتے تھے۔

ان جھوٹے راویوں نے اس حد تک غور نہیں کیا کہ وہ عدی بن حاتم کو ایسے واقعہ میں کھینچ رہے ہیں جس میں اُن کا ہونا ممکن نہیں۔

دیگر صحابہ نے بھی سفید وسیاہ دھاگے استعمال کئے تھے لہٰذا بجائے اس کے کہ ان صحابیوں کی سادہ لوحی کو عذر بنا کر معاملہ کو ختم کردیا جاتا اور یہ کہنے پر اکتفا کیا جاتا کہ ان صحابہ کی فہم کا معیار پست تھا چنانچہ رسول اللہ نے ان کو سمجھا دیا کہ آیت میں معمولی دھاگے یا رسیاں مطلوب نہیں ہیں بلکہ صبح کے سفید وسیاہ ڈورے مطلوب ہیں۔ بجائے

Marfat.com

اس لئے کہ یہ تشریح کافی سمجھی جاتی صحابہ کی قوت فہم وادراک کے دفاع کے لئے یہ بات گھڑی گئی کہ آیت میں "من الفجر" کا جملہ بعد میں نازل ہوا۔ مطلب یہ کہ ابتدا میں آیت جس شکل میں نازل ہوئی وہ ایسی تھی کہ صحابہ کو غلط فہمی ہو سکتی تھی لہذا وضاحت کے لئے "من الفجر" کا ٹکڑا آیا جس نے یہ بات صاف کر دی کہ معمولی ڈوروں سے مطلب نہیں ہے بلکہ "فجر" کے ڈورے مقصود ہیں۔

کاش قرآن کی نزولی ترتیب محفوظ ہوتی تو ہم اس عجیب تاویل کا قطعی جواب دے سکتے۔ مگر موجودہ حالت میں جبکہ بعض آیات کی نزولی ترتیب معلوم ہے اور بعض کی نہیں معلوم ہے صرف اندازہ پر ہی مدار قائم کیا جا سکتا ہے۔ اور اندازہ یہی کہتا ہے کہ یہ خیال ناقابل قبول ہے کہ آیت کا صرف ایک لفظ بعد میں نازل ہوا۔ گویا نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے یہ پایا کہ جو آیت اُس نے سحر کھانے کے متعلق نازل کی تھی اُس میں نقص رہ گیا تھا۔ "من الفجر" نازل کر کے اُس نقص کو رفع کر دیا گیا۔

مزید کمال یہ ہے کہ عدی بن حاتم والی روایت جس طرح صحیح مسلم میں دی ہوئی ہے اُس میں "من الفجر" موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ "من الفجر" بعد میں نازل ہونے کی بات غلط ہے۔

اب بخاری میں سہل بن سعد کی روایت دیکھئے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ "من الفجر" موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ "من الفجر" بعد میں نازل ہونے کی بات غلط ہے۔

اب بخاری میں سہل بن سعد کی روایت دیکھئے اس میں صاف لکھا ہے کہ "من الفجر" بعد میں نازل ہوئی۔ ترجمہ ملاحظہ ہو؟

"سہل بن سعد کہتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود۔ اور

(اُس وقت تک ،من الفجر کا لفظ نازل نہیں ہوا تھا۔ تو کچھ لوگ ایسے تھے کہ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو کوئی شخص ان میں سے اپنے پیروں میں سفید دھاگا اور سیاہ دھاگا باندھ لیتا۔ پھر برابر کھایا کرتا یہاں تک کہ دونوں دھاگے اُسے دکھائی دینے لگتے۔ پھر اس کے بعد اللہ نے "من الفجر" کا جملہ نازل فرمایا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ مراد رات اور دن سے ہے

ایک اور روایت میں عدی بن حاتم سے یہ حدیث بالکل مختلف شکل میں منقول ہے۔ اُس میں عدی بن حاتم رسول اللہ کو خبر دیتے ہیں کہ وہ سفید اور سیاہ رسیاں رکھ لیتے ہیں تو رسول اللہ ہنس کر فرماتے ہیں کہ تمہارا تکیہ بہت ہی چوڑا ہونا چاہیے جس میں یہ ڈورے آجاتے ہیں کیونکہ یہ تو دن اور رات کے ڈورے ہیں

ان مثالوں سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ یا بخاری و مسلم کا نام سن کر مرعوب ہونا اور تنقید کو گناہ سمجھ کر تمام روایات کو قبول کرنا اور ان روایتوں کے اختلافات کی تطبیق کے لئے دلائل و براہین کے انبار لگانا مناسب نہیں ہے

احرام کی حالت میں خوشبو

ان حدیثوں میں عبداللہ بن عمر اور بی بی عائشہ کے درمیان اختلاف ہوتا ہے سوال یہ ہے کہ آیا احرام ایسی حالت میں ہو کہ جسم سے خوشبو کی مہک آرہی ہو۔ پہلے یہ حدیث ملاحظہ ہو:۔

"محمد بن منتشر سے روایت ہے۔ میں نے عائشہ سے پوچھا اور اُن سے ابن عمر کا یہ قول بیان کیا کہ میں اس بات کو پسند

Marfat.com

نہیں کرتا کہ صبح کو احرام باندھوں اس حمایت میں کہ میرا جسم خوشبو سے مہک رہا ہو تو عائشہ بولیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگائی جس کے بعد آپ نے اپنی بیویوں کے پاس دورہ کیا اور صبح کو احرام باندھ لیا" (بخاری)

ایک اور حدیث بھی ملاحظہ ہو۔ اس میں یہ بات صاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں بھی خوشبو سے مہکتے ہوتے تھے۔

"بی بی عائشہ سے روایت ہے کہ گویا اب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہیں اس حال میں کہ آپ محرم ہیں" (بخاری)

بخاری میں ایک اور حدیث ہے جس میں بی بی عائشہ ابو عبدالرحمن (عبداللہ) پر غصہ ہو کر فرماتی ہیں۔

"اللہ ابو عبدالرحمن پر رحم کرے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگاتی اور آپ اپنی بیویوں کے پاس جاتے تھے اور صبح کو احرام باندھ لیتے تھے۔

اب کوئی بتائے کہ ان دونوں صحابیوں میں سے ایک کو جھٹلائے یا کیوں کر کام چلے کیونکہ دونوں متضاد حکم لگا رہے ہیں۔

کئی جماع کے بعد ایک غسل

بخاری نے اس مضمون کا باب باندھا ہے اور اُس کے تحت یہ حدیث کی ہے۔

"اُنس بن مالک کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام

Marfat.com

بیبیوں کے پاس رات اور دن میں ایک ہی ساعت میں دورہ
کر لیتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں میں نے اُنس
سے کہا کیا آپ اُن سب کے لئے طاقت رکھتے تھے؟
وہ بولے کہ ہاں بلکہ ہم کہا کرتے تھے کہ اُن میں تیس مردوں
کے برابر طاقت تھی اور سعید نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ
اُن کی نو بیویاں تھیں" (بخاری)

بخاری کی ایک اور حدیث بھی ساتھ ہی پڑھ لیجئے۔ اس کے راوی بھی انس
قتادہ ہی ہیں:۔

"قتادہ سے روایت ہے کہ انس بن مالک نے اُن سے بیان
کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی بیبیوں کے پاس
دورہ کر لیتے تھے اور اُس وقت آپ کی نو بیبیاں تھیں"

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں دو معزز صحابیوں کی روایت ہے مگر امام بخاری
کمال کر دیا ہے۔ ان دونوں روایتوں میں دراصل جماع اور غسل کا کوئی سوال
تھا مگر چونکہ امام بخاری نے باب کا عنوان قائم کیا "اذا جامع ثم عاد
ن دار علی نسائہ فی غسل واحد" (جب کوئی جماع کرے اور اُس کا اعادہ
ے اور جو اپنی بیبیوں کے پاس جائے اور ایک ہی غسل کرے)

دونوں حدیثوں میں غسل کا کوئی ذکر نہیں اور دراصل جماع کا بھی ذکر نہیں۔
ساحدیث میں کَانَ یَطُوْفُ علی نسائہ ہے اور دوسری میں کان یَدُوْرُ
لی نسائہ آیا ہے۔ دونوں کے لفظی معنی ہیں "اپنی بیویوں میں دورہ کرتے تھے
ن حجر نے فتح الباری میں کَانَ یَطُوْفُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کنایۃ عن الجماع
بذلک تظھر مناسبۃ الحدیث للترجمہ (جماع کے لئے کنایہ ہے اور حدیث

کے ترجمہ سے مناسبت ظاہر کرتا ہے، مطلب صرف کنایتاً نکلتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کنایتہً مطلب نکالنے کی کیا ضرورت پیش آئی جبکہ بطوف اور یل دور دونوں کے لغوی معنی زیادہ موزوں مطلب دیتے ہیں۔ صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے پاس دن رات میں ایک ساعت کے لئے دورہ کرتے تھے۔ اس دورہ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کسی بیوی کی کوئی ضرورت ہو تو پوری کی جا سکے یا کسی کو کچھ کہنا سننا ہو تو وہ موقع پا سکے۔ لیکن بخاری کے باب کے عنوان نے رسول اللہ کے اس روزانہ دورہ کی نوعیت ہی بدل دی جو بالکل سادہ بات تھی اس میں جماع اور غسل داخل کر دیا گیا۔

امام بخاری نے ایسا کیوں کیا۔ جبکہ حدیث میں جماع اور غسل کے لئے لفظ نہ تھا امام بخاری نے کیوں یہ رنگ۔ ان حدیثوں کو دیا؟ اس کا سبب یہ ہے کہ حدیث کی روایت کے بعد ان الفاظ کا اضافہ ہے" قتادہ نے کہا میں نے انس سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ میں ان سب کے لئے طاقت تھی۔ انس نے کہا کہ ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ رسول کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی ہے۔"

انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حدیث میں یہ بعد میں اضافہ ہوا ہے اور اس اضافہ نے بخاری کو غلط فہمی میں ڈال دیا ہے۔ اور انہوں نے باب کا عنوان قائم کر کے ساری دنیائے اسلام کو غلط راستہ پر ڈال دیا ہے۔

بات میں بات یہ اور نکلی کہ رسول اللہ میں کتنے مردوں کی طاقت تھی اس روایت میں تیس مردوں کی طاقت بتائی گئی ہے۔ مگر اسی حدیث کی دوسری روایتیں بھی ہیں جن میں رسول اللہ میں چالیس مردوں کے برابر طاقت بتائی گئی ہے۔ پھر شگوفہ یہ کھلا کہ ایک کی روایت کی رو سے جنت میں ہر مرد کو ایک سو مردوں کی طاقت ملے گی۔ اس طرح رسول اللہ کو چار ہزار مردوں کی طاقت جماع کر...

Marfat.com

کے لئے ملیگی۔

جنت میں مومنین کے مشاغل کیا ہوں گے اس بحث کا یہاں موقع نہیں مگر اشارۃً اتنا کہنا کافی ہوگا کہ جنت میں قرب الٰہی کی نعمت اتنی بڑی ہوگی اور اس قربت کی فضا میں جنتی کو ایسی روحانی مسرت ملیگی کہ وہاں جماع کرنے کا کوئی سوال ہی نہ ہوگا

اسی طرح دنیا کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماع تو اپنی بیویوں کے ساتھ ضرور کرتے تھے لیکن اس حدیث میں جو نقشہ پیش کیا گیا ہے وہ رسول اللہ کی ازدواجی زندگی کے بالکل خلاف ہے۔ بے شک آپ نے متعدد عورتوں سے نکاح کئے مگر یہ سب نکاح کسی نہ کسی انسانی ہمدردی کے اصول کے مطابق کئے تھے۔ اور ساری زندگی ایسی ریاضت، تنگدستی، اور خدمت عوام میں گزری کہ یہ بات تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ آپ عادتاً اتنی بیویوں کے ساتھ یکے بعد دیگرے جماع کرنے کے بعد ایک غسل کرتے ہوں۔ علاوہ بریں انس بن مالک کو یہ کیونکر معلوم ہوتا تھا کہ فلاں بیوی کے پاس آپ گئے تو جماع بھی کیا۔ اگر ہر جماع کے بعد غسل ہوتا تو انس کو معلوم ہونیکا امکان بھی تھا مگر جب آپ ایک بیوی سے دوسری کے پاس اور دوسری سے تیسری کے، پھر چوتھی اور پھر پانچویں ۔۔۔۔ کے پاس جاتے ہوئے غسل نہیں کرتے تھے تو انس بن مالک کو کیوں کر معلوم ہوجاتا تھا کہ جماع ہوا ہے

ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ دونوں حدیثوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کا ذکر ہے۔ یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ایک یا دوبارہ ایسا ہوا تھا بلکہ حدیث کے الفاظ سے عادت ظاہر ہوتی ہے۔

مزید یہ کہ گیارہ بیویوں والی حدیث اس لئے صحیح نہیں ہوسکتی کہ ایسا کوئی زمانہ نہیں گزرا جبکہ آپ کی گیارہ بیویاں آپ کے ساتھ رہی ہوں۔ ان میں سے بعض کے

انتقال کے باعث اور بعض سے دیر میں نکاح ہونے کے باعث ایسا موقع کبھی نہیں پیدا ہوا کہ گیارہ بیویاں ساتھ ہوں۔

اور پھر یہ بھی تو غور فرمائیے کہ حدیث میں دن رات کی ایک ساعت میں یہ سب گیارہ جماع ہونے کا ذکر ہے "ساعۃ واحدۃ" سے مطلب ایک گھڑی یا ایک گھنٹہ ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا کسی مرد کے لئے گیارہ بیبیوں کے ساتھ جماع کرنے کیلئے ایک ساعت کافی ہے جبکہ اُس مرد کو نہ صرف گیارہ عورتوں سے جماع کرنا ہے بلکہ ہر ایک کے گھر میں پہنچ کر یہ کام کرنا ہے۔ کیا یہ دائرۂ امکان سے خارج نہیں ہے۔؟

اسی طرح ایک روایت بخاری کی کتاب الجہاد میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے۔ یہ روایت ملاحظہ ہو:۔

"لیث کا قول ہے کہ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے عبدالرحمٰن بن ہرمز سے نقل کیا کہ وہ کہتے تھے میں نے حضرت ابوہریرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت کرتے سُنا کہ آپ نے فرمایا تھا سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے کہا کہ آج شب کو میں سو عورتوں یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ وہ سب عورتیں ایک ایک شہسوار پیدا کرینگی جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا تو اُن سے اُن کے ایک ہمنشین نے کہا کہ انشاء اللہ کہو مگر انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا پس اُن میں سے ایک عورت حاملہ ہوئی سو وہ بھی آدھا بچہ جنی۔ قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ

Marfat.com

کہہ دیتے تو بے شک (سب عورتوں کے بچے پیدا ہوتے اور)
بے شک وہ سب سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔"
(بخاری۔ کتاب الجہاد)

غور کیجئے کہ ایک رات میں یہ تمام عمل کیونکر پورا ہو سکتا ہے جبکہ حضرت سلیمان ایک نبی ہوتے ہوئے رات میں کچھ وقت عبادت اور دیگر حوائج زندگی میں بھی صرف کرتے ہونگے۔

خواہ ایسی ناقابل فہم احادیث بخاری میں ہی کیوں نہ ہوں۔ اور وہ کتنے بھی ثقہ راویوں کے نام سے کیوں نہ وابستہ ہوں ان کو درایتاً رد کر دینا ضروری ہے، اموی اور عباسی دور میں یہ روایات گھڑی گئیں۔ امام بخاری کی یہ بڑی اہم خدمت ہے کہ انھوں نے کئی لاکھ احادیث میں سے صرف چند ہزار ایسی منتخب کیں۔ جن کے راویوں پر کوئی الزام نہیں تھا، اور جن کا سلسلہ بھی نہیں ٹوٹتا، لیکن یاد رہے کہ بخاری کی احادیث صرف اس معیار پر جانچی ہوئی ہیں۔ بخاری نے صرف روایت کا لحاظ کیا ہے، انھوں نے اپنی احادیث کے درایتاً صحیح ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے، پس یہ ہو سکتا ہے کہ یا تو راویوں کی ثقاہت کی چھان بین میں کسی جگہ نقص رہ گیا یا ثقہ راویوں نے غلط فہمی سے واقعہ کو غلط بیان کر دیا اس لئے ان احادیث کا مزید جائزہ درکار ہے محض صحابیوں کے نام سے مرعوب ہو کر خلاف عقل باتوں کا مان لینا صحیح طریق کار نہیں ہے

جس طرح حضرت سلیمان کا یہ واقعہ پیش کیا گیا ہے اس سے ایک نبی کی بڑی توہین ہوتی ہے۔ ایک رات میں سو بیویوں کے ساتھ جماع ناقابلِ فہم ہونے کے علاوہ روایات میں دوسری کمزوریاں بھی ہیں، مثلاً حضرت سلیمان کو یہ توقع کیسے ہوئی کہ ہر بیوی سے ایک شہسوار ہی پیدا

Marfat.com

ہوگا۔ اور پھر یہ بھی کتنی عجیب بات ہے کہ ایک شخص نے حضرت سلیمان کو ٹوکا کہ انشاء اللہ تو کہدو۔ لیکن اس ٹوکنے کے باوجود انھوں نے نبی ہوکر اس مشورہ پر عمل نہیں کیا۔ اور نتیجہ انشاء اللہ نہ کہنے کا پیدا ہوا کہ ایک بیٹی وہ بھی اپاہج پیدا ہوئی۔

مطلب یہ ہے کہ جس راوی نے یہ حدیث وضع کی اس نے یہ غور نہیں کیا کہ سو بیویوں کے ساتھ جماع کرنے کے لئے ایک رات کا وقت کافی نہیں ہے اسی طرح یہ گیارہ بیویوں کے ساتھ ایک ساعت میں جماع کرانے والی حدیث بھی قابل قبول نہیں۔ علاوہ اور نقائص کے وقت ہی اسے رد کرنے کے لئے کافی ہے۔

یہ سوال پھر کیا جائے گا کہ امام بخاری نے ایسی حدیث کو اپنی صحیح میں کیوں شامل کیا ہوگا۔ اور پھر یہ ہی جواب دیا جائے گا کہ چونکہ راویوں کے خلاف کوئی شہادت نہ تھی اور روایت کے اندر قتادہ اور انس کی گفتگو رسول اللہ کی طاقت جماع کے متعلق بخاری کو مجبور کرتی تھی کہ وہ معمولی دورہ کو جماع کا دورہ قرار دیں اور گیارہ بیویوں کے ساتھ ایک ہی ساعت میں جمع کرنے اور اس کے بعد ایک ہی غسل کا مسئلہ پیش کریں۔

امام بخاری کے ساتھ ناانصافی ہوگی اگر اُن کے ایک فقرہ کا ذکر نہ کیا جائے جس سے اُن کی پوزیشن صاف صاف ہو جاتی ہے معاملہ کا یہ نہایت ہی اہم پہلو ہے۔ اور قارئین کی پوری توجہ کا محتاج ہے، حدیث یوں ہے:-

حدثنا محمد بن بشار قال حدثنا معاذ بن هشام قال حدثني ابي عن قتادة قال حدثنا انس بن

محمد بن بشار نے ہم سے روایت کی کہا معاذ بن ہشام نے ہم سے روایت کی کہا مجھ سے میرے باپ نے اُن سے قتادہ نے روایت کیا کہا ہم سے انس بن

Marfat.com

قال كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم
علی النسائه فی الساعة الواحدہ
من اللیل والنھار وھن احدی
قال قلت لانس اوکان
قال کنا نتحدث
اعطی قوۃ ثلاثین وقال
عن قتادہ عن انس
انھم تسع نسوہ۔

مالک نے روایت کیا کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم
اپنی بیبیوں کے پاس ایک ہی ساعت کے
اندر رات اور دن میں دورہ کر لیتے تھے۔
اور وہ گیارہ تھیں۔ قتادہ کہتے ہیں میں نے
انس سے کہا۔ کیا آپ ان سب کی طاقت رکھتے
تھے۔ وہ بولے ہم کہا کرتے تھے کہ آپ تیس مردوں
کی طاقت دی گئی تھی اور سعید نے قتادہ سے
روایت کی ہے کہ انس نے ان سے نو بیبیاں بیان کیں

فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں آخری فقرہ یعنی
سعید عن قتادہ ان انسا حدثہم تسع نسوہ۔ حدیث کا جزو نہیں ہے بلکہ
بخاری کی طرف سے روایت میں اضافہ کیا گیا ہے، اور اس لئے اضافہ کیا گیا ہے کہ
بخاری حدیث لکھ چکے اور اس کے آخری حصہ میں انھوں نے قتادہ کا یہ بیان
صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں انس نے بتائی تھیں۔ لیکن امام بخاری کے
موضوع پر بلکہ یہ ہی حدیث دوسرے طریقے سے آئی اور اُن کی صحت کے
معیار پر وہ بھی پوری اترتی تھی۔ اس حدیث میں بھی قتادہ نے انس بن مالک
بیویوں کی تعداد کے متعلق دیا ہے اس بیان میں بیبیوں کی تعداد نو بتائی گئی ہے
حدیث کے بھی اصل الفاظ سامنے رکھئے۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یدور علی نسائه فی اللیلة
وله یومئذ تسع نسوۃ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی
بیبیوں کے پاس دورہ کر لیتے تھے اور
اس وقت اُن کی نو بیبیاں تھیں۔

بھی قتادہ اور انس ہی ہیں جو دونوں صحابی ہیں مگر قتادہ سے پہلے کی راوی مختلف
پہلی کے راوی محمدؐ بن بشار، معاذ، ہشام، قتادہ اور انس ہیں اور دوسری کے
عبدالاعلی بن حماد، یزید بن حماد، یزید بن زریع، سعید، قتادہ اور انس ہیں۔

امام بخاری نے محسوس کیا کہ اگرچہ راوی سب ثقہ ہیں اور روایت کا م
بھی دونوں میں ایک ہے مگر ایک میں قتادہ انس کی سند سے بیویوں کی تعدا
اور دوسری میں نو بتا رہے ہیں۔ تعداد کا یہ فرق ہونا نہیں چاہئے تھا۔ امام بخاری
مقررہ اصول کے مطابق دونوں راویوں کو اصطلاحی اعتبار
"صحیح" قرار دینے پر مجبور تھے، مگر وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ یہ فرق تعداد کا
کرتا ہے کہ اصطلاحی حیثیت سے دونوں حدیثیں ہونے کے باوجود واقعاتی اع
ایک غلط ہونی چاہیئے گیارہ اور نو دونوں برابر نہیں ہو سکتے، اس احساس کے
امام بخاری نے اول الذکر حدیث کو لکھنے کے بعد اپنے قارئین کو متنبہ کر دیا کہ
قتادہ سے انس کی تعداد نو ہے۔

خوب سمجھ لیجیئے کہ بخاری کا یہ اپنا فقرہ ہے وقال سعید عن قتا
ان انسا حدیثھم بتسع نسوۃ (اور سعید نے قتادہ سے روایت کیا کہ انس نے
کو بتایا کہ بیبیوں کی تعداد نو تھی)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بخاری کے نزدیک ان کی جمع کردہ ا
صرف اصطلاحی حیثیت سے "صحیح" ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ واقعاتی حیثیت
اصطلاحی صحت اور واقعاتی صحت کا فرق سمجھنے کے لئے ترمذی کی ا
"صحیح" روایتوں پر غور کیجیئے جن میں ایک میں رسول اللہ کی عمر وفات کے
۶۳ سال اور دوسری میں ۶۵ سال بتائی گئی ہے، دونوں حدیثیں ملاحظہ
• ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

۶۵
پینسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی (حدیث حسن الاسناد اور صحیح ہے)
"عائشہ سے روایت ہے کہ حضور نے ترسیٹھ برس کی عمر میں وفات
پائی (یہ حدیث حسن صحیح ہے)

ظاہر ہے کہ اصطلاحی اعتبار سے دونوں "صحیح" ہونے کے باوجود واقعاتی
یار سے ایک لازماً غلط ہے کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ کی عمر وفات کے وقت
بھی ہو اور ۶۵ بھی ہو۔

ایک اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ابن عباس سے بھی ایک روایت ۶۳ سال
مر کی تائید میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی صحابی سے ۶۳ اور ۶۵ سال
وں ثابت ہیں۔

محدثین کے نزدیک یہ سب روائتیں "صحیح" ہیں۔ پس جو روائتیں "صحیح" ہوتی ہیں
ری نہیں کہ "واقعاتی" اعتبار سے بھی صحیح ہوں یعنی یہ ضروری نہیں کہ "صحیح" حدیث
میں واقعہ کا ذکر ہے وہ درحقیقت عملی زندگی میں اسی طرح پیش آیا ہو۔

اصطلاحی اور واقعاتی کا فرق اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ سو برس
ک یہ احادیث قلمبند نہیں ہوئی تھیں اور اگر قلمبند ہوئی بھی تھیں تو ان تحریری
ریکارڈز کی نشر و اشاعت کے لئے کافی وسائل نہ تھے لہذا تمام دار و مدار زبانی روایت
تھا۔ امام بخاری نے پہلی بڑی حد تک کامیاب کوشش ان ہزاروں راویوں کا جائزہ
لینے کے لئے کی۔ ظاہر ہے کہ بخاری اتنے کثیر التعداد راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کا
ی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے ان میں سے بڑی تعداد مر چکی تھی، لہذا ہم یہ نتیجہ نکالنے پر
ور ہیں کہ بخاری کی تحقیق زیادہ تر منفی تھی۔ یعنی وہ صرف یہ فیصلہ کر سکتے تھے کہ فلاں
راوی کے خلاف سوسائٹی میں کوئی الزام نہیں ہے یعنی جہاں تک اس راوی کا تعلق
وہ غیر ثقہ نہیں ہے، بخاری یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں راوی ثقہ ہے وہ یہ ضرور کہہ سکتے

ہیں کہ میرے علم میں اُس راوی کے خلاف کوئی الزام نہیں کہ اس کی روایت کو

الزام کی بنیاد پر رد کر دیا جائے، مطلب یہ کہ راویوں کے ثقہ ہونے پر کوئی مشتبہ

فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اب بخاری سے ترمذی پر آیئے تو وہاں اس روایت میں "ایک غسل" کے الفاظ

موجود ہیں اور ترمذی نے اس حدیث کو بھی حسن صحیح بتایا ہے۔

الغرض اس سے تین روایتیں کئی جماع کے بعد ایک غسل کی نسبت آئی ہیں

سب میں اختلاف ہیں۔

اب نو اور گیارہ بیویوں کی مزید تفصیل بھی قابل توجہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم جب مدینہ تشریف لائے تھے تو آپ کے نکاح میں صرف سودہ تھیں۔ پھر

نکاح میں آئیں۔ نو کی تعداد تک پہنچنے سے بہت قبل سودہ نے اپنی باری عائشہ

دیدی تھی۔ لہذا حدیث میں جن بیویوں کا ذکر ہو سکتا ہے ان میں سودہ کا شمار

کرنا چاہیے کیونکہ وہ عمر کی ایسی منزل پر پہنچ چکی تھیں جبکہ جماع کا سوال ہی نہ

ہوتا پھر یکے بعد دیگرے ام سلمہ، حفصہ اور زینب بنت خزیمہ سے نکاح ہوئے

زینب بنت خزیمہ صرف دو تین ماہ کے بعد ہی وفات پا گئیں۔ لہذا حدیث میں

گیارہ کا ذکر ہے ان میں زینب بنت خزیمہ کی بھی گنتی نہیں۔ سنہ ۵ھ تک یہی نکاح

تھے، اس کے بعد زینب بنت جحش، جویریہ، صفیہ، ام حبیبہ اور میمونہ نکاح

اگر سودہ اور زینب بنت خزیمہ کو الگ کر دو تو آٹھ ہوئیں۔

بعض محدثین کو بھی تعداد کے متعلق ان مشکلات کا احساس ہوا

نے عجیب عجیب منطقوں سے توجیہ و تطبیق کی کوشش کی ہے، مثلاً یہ کہ پہلی

روایت میں ماریہ اور ریحانہ شامل ہیں اور دوسری نو والی روایت میں یہ

اس لئے شامل نہیں کہ یہ لونڈیاں تھیں۔ ریحانہ کے متعلق اس بارے میں

Marfat.com

ہے کہ وہ باقاعدہ بیوی تھیں یا لونڈی مگر ماریہ کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ لونڈی تھیں۔ لیکن ان دونوں کو بھی شامل کر لیجئے تو تعداد دس تک پہنچتی ہے لیکن ماریہ اور ریحانہ شامل ہوں یا نہ ہوں۔ پائنٹ تو یہ ہے کہ دونوں روائیتوں کے اولین راوی انس اور قتادہ ہیں لہذا یہ دو مختلف روائیتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی روایت ہے اس لئے نو اور گیارہ کا اختلاف ایک ہی روایت میں ناقابل فہم ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ روایت میں "نسائہ" آیا ہے جس کے معنی ہیں "آپ کی بیویاں" ابن حجر نے تطبیق دینے کے لئے جہاں ماریہ اور ریحانہ کو تعداد میں شامل کیا ہے وہاں یہ لکھا ہے "اطلق علیھن لفظ نسائہ تغلیباً" (اور ان پر یعنی ماریہ و ریحانہ پر نساء کا اطلاق مرتبہ بڑھانے کے لئے کیا ہے)

ایک اور مضحکہ خیز توجیہ ملاحظہ ہو۔ ایک روایت میں چونکہ "من لیل او نہار" ہے لہذا بعض محدثین نے یہ تشریح کی کہ جب رسول اللہ دورہ شروع کرتے تھے تو وہ دن کا وقت ہوتا تھا اور ختم کرتے تھے تو رات ہو جاتی تھی۔ اس طرح رات دن میں ایک ساعت ہوتی تھی۔ فتح الباری میں کرمانی کی یہی تشریح لکھی ہے کہ "بانہ تکون تلک الساعۃ جزءاً من آخر احدھما وجزءاً من اول الآخر" اگر دن کے آخر حصہ میں دورہ شروع ہوتا ہوگا۔ تو مغرب کی نماز درمیان میں آتی ہوگی۔ نیز یہ کہ احادیث سے رسول اللہ کے اور مشاغل عصر اور مغرب کے درمیان ثابت ہیں۔ لیکن اگر یہ سمجھا جائے کہ یہ ایک ساعت کا جماعی دورہ رات کے آخری حصہ میں شروع ہو کر دن کے ابتدائی حصہ میں ختم ہوتا تھا تو نماز فجر کا وقت درمیان میں آجاتا ہے ہر طرح لیل و نہار دونوں کو دورہ جماع میں اس طرح شامل کرنے کی تشریح مضحکہ خیز ہو جاتی ہے۔

لیکن روایت کی دوسری شکل میں "فی اللیلۃ الواحدۃ" ہے یعنی یہ دورہ صرف رات میں ہوتا تھا۔

Marfat.com

اس روایت میں نتیجہً قسم قسم کی مشکلات سے بچنے کیلئے ابن حبان نے ایک اور مہمل بات لکھی ہے۔

فقد جمع ابن حبان فی صحیحہ بین الروایتین بان حمل ذلک علی حالتین لکنہ وھم فی قولہ ان الاولی کانت فی اول قدومہ المدینۃ حیث کان تحتہ تسع نسوۃ والحالۃ الثانیۃ فی آخر الامر حیث اجتمع عندہ احدی عشرۃ امراۃ۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا کہ دونوں کو دو حالتوں پر محمول کیا۔ لیکن اپنے قول میں یہ کہا کہ پہلی روایت اس وقت کا ذکر کرتی ہے جب حضور مدینہ میں آئے اور اس وقت ان کی نو بیویاں تھیں اور دوسری روایت میں آخری حالت ہے جب آپ کی گیارہ بیویاں تھیں۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری۔ لابن حجر)

ابن حجر نے ابن حبان کی یہ مہمل تطبیق لکھ کر خود ہی یہ اعتراض کیا ہے، کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تھے، تو ان کی بیویوں کی تعداد اتنی کہاں تھی؟ اور یہ اعتراض بالکل صحیح ہے کئی برس تک مدینہ کی زندگی میں بیویوں کی تعداد کم تھی جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں۔ اگر کھینچ تان کے بھی تعداد بڑھاؤ تو مدنی زندگی کے آخری حصہ میں ہی نو ہو سکتی ہے اور گیارہ تو آخری حصہ میں بھی نہیں ہوتیں۔ ہر حال میں مدنی زندگی کے آغاز میں ابن حبان کا نو بیویاں بتانا بالکل غلط ہے۔

اب اس مسئلہ کے ایک اور پہلو پر نظر ڈالئے، ابوداؤد اور نسائی میں ابورافع سے یہ حدیث ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس دورہ کیا اور پھر اس کے بعد غسل کیا اور پھر اس کے بعد غسل کیا (یغتسل عند ھذہ وعند ھذہ) میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ بعد میں ایک ہی غسل نہیں

Marfat.com

کر لیتے، تو حضور نے جواب دیا کہ یہ زیادہ پاکیزہ، زیادہ طیب اور زیادہ طاہر ہے۔

اہل فقہ نے اس حدیث کی تشریح یہ کر دی ہے کہ یہ حدیث استحباب کی صورت پیش کرتی ہے، اس سے وجوب لازم نہیں آتا۔

یہاں یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ دو یا زیادہ جماعوں کے درمیان وضو کا بھی سوال پیدا ہوتا ہے ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی بیوی کے ساتھ جماع کرے اور پھر اس کا اعادہ کرے تو دونوں جماعوں کے درمیان وضو کرے. بعض محدثین نے یہ رائے دی ہے کہ حدیث میں وضو کے لغوی معنی نہیں لینا چاہیے، اس سے مطلب اعضائے تناسل دھونے سے ہے۔

کتنے اختلافات کی پوری بھول بھلیاں تیار ہو گئی ہے اور نتیجہ ہے اول اس عقیدہ کا کہ صحابی غلط روایت نہیں بیان کر سکتا. دوسرے اس مفروضہ کا کہ بخاری کی ہر روایت واقعاتی اعتبار سے بھی صحیح ہے۔

ہم یہ حقیقت دہراتے کبھی نہیں تھکوں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بڑا اعزاز و شرف ہے اور عہد رسالت میں صحابہ کا جو معاشرہ تھا وہ نمونہ تھا تاریخ میں ایسے اچھے انقلابی معاشرہ کی دوسری مثال نہیں ملتی. لیکن صحابہ کی سوسائٹی انسانوں کی سوسائٹی تھی فرشتوں کی نہ تھی، ان میں ہر قسم کے افراد تھے منافق بھی تھے، اقتدار پرست بھی تھے، زناکار بھی تھے، ایسے افراد بھی تھے جن کو بد ترین جرائم سے عار نہ تھا. مزید یہ کہ ان میں سادہ لوح بھی تھے جو بغیر سوچے غلط بیانی کر سکتے تھے اور ایسے بھی تھے جو عمداً غلط بیانی کے مرتکب ہو سکتے تھے۔

اللہ کو دیکھنے پر اختلافات

کیا رسول اللہ نے اللہ کو دیکھا تھا؟ اور کیا انسان اللہ کو دیکھ سکتا ہے؟

بخاری کی کتاب التفسیر میں جو روایات اس بارے میں ہیں، ان میں ان سوا
کا جواب جلیل القدر صحابہ نے دو بلکہ تین طرح دیا ہے، ابن عباس کا قول تھا
معراج میں رسول اللہ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا، لیکن جب بی بی عائشہ سے
صحابہ کا یہ قول نقل کیا گیا تو انھوں نے نہایت غصہ سے کہا "جو ایسا کہتا ہے، جھ
کہتا ہے"۔ بخاری کی حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

هل رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ربہ فقالت لقد قف شعری
این انت من ثلاث من حدثهن
لقد کذب ثم قرأت لا تدرکه
الابصار وهو یدرک الابصار
وهو اللطیف الخبیر وما کان
لبشر ان یکلمه اللہ الا وحیا او من
وراء حجاب ومن حدثک
انه یعلم ما فی غد فقد کذب ثم
قرأت وما تدری نفس ماذا
تکسب غدا ومن حدثک انه کتم
لقد کذب ثم قرأت یا ایها
الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک
الآیة ولکن رای جبرئیل
علیه السلام فی صورته مرتین

کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو
انھوں نے کہا میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے
تو ہے کہاں جب بھی کوئی تجھ سے ان تین با
میں سے ایک بات کہے تو اس نے جھوٹ بولا
انھوں نے پڑھا لا تدرکہ الابصار وھو
یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر، اللہ
نگاہیں ادراک میں نہیں لا سکتیں اور و
نگاہوں کو ادراک میں لا سکتا ہے۔ وہ لط
اور خبر رکھنے والا ہے، اور بشر کے
یہ ناممکن ہے کہ وہ اللہ سے بات کر
سوائے وحی کے یا پردہ سے اور ج
نے تجھ سے کہا کہ وہ کل کا حال جانتے
تو اس نے جھوٹ بولا پھر یہ آیت پڑھ
وما تدری نفس ماذا تکسب غد
اور جس نے کہا کہ انھوں نے چھپایا تو ا
نے جھوٹ بولا پھر پڑھا یا ایھا الر

Marfat.com

بخاری کتاب التفسیر سورۂ والنجم	بلغ ما انزل الیک من ربک ان جبرئیل کو اپنی شکل میں دوبارہ دیکھا۔

آپ کہیں گے کہ یہ اجتہادی اختلاف ہے لیکن بی بی عائشہ اسے "کذب" (جھوٹ) کے لفظ سے تعبیر کرتی ہیں۔

صحابہ میں اس مسئلہ پر بڑے اختلاف ہوئے۔ عبداللہ ابن مسعود نے بی بی عائشہ کا ساتھ دیا۔ اور ابوذر نے اور ہی رائے پیش کی۔ ایک فریق نے یہ نیا پہلو پیدا کیا۔ کہ رسول اللہ نے ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا تھا بلکہ قلب کی آنکھ سے دیکھا تھا، اس طرح اس گروپ نے ابن عباس اور عائشہ کے بیانات میں تطبیق دینے کی کوشش کی

اب اور ایک اختلاف دیکھیئے۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے اس میں ہے۔ واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا (یہ بات جان لو کہ موت سے پہلے تم اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے۔ پھر صحابہ میں یہ بحث چلی کہ عائشہ نے جو آیت پیش کی اس میں ادراک کا لفظ ہے۔ بے شک نگاہیں اللہ کی ذات کو احاطہ نہیں کر سکتیں مگر آیت میں دیکھنے کی نفی نہیں ہے، چنانچہ قیامت میں رویت ہوگی۔

صحابہ میں اس مسئلہ پر جو اختلافات ہوئے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان پر پوری بحث کی جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے۔ لیکن اب صحابیات کے دلدادگان اور رشد و ہدایت میں ہر صحابی کو ایک آخری سند سمجھنے والے ان اختلافات میں کس کے لئے یہ مرتبہ تجویز کریں گے۔ بایہم اقتدیتم اہتدیتم (جس کی بھی اقتدا کرلو ہدایت پاجاؤ گے، ظاہر ہے کہ نجات کی صورت اس میں ہے کہ صحابہ اور دیگر اہل علم کے دلائل سنو اور کتاب و سنت کی روشنی میں ان پر خود غور کر کے ایک نتیجہ پر پہنچو۔

حرامی لڑکا

حرامی لڑکے کے متعلق بھی بعض صحابہ میں اختلاف تھا۔ انسان کی پیدائش کی

Marfat.com

بابت اسلام کا آغاز اصول تو قرآن نے یہ بیان کردیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (ہم نے انسان کو بہترین اقوام سے پیدا کیا ہے) اسی اصول کو حدیث میں اس طرح پیش کیا گیا ہے ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ و ابواہ یہودانہ و ینصرانہ و یمجسانہ (ہم نے کسی بچہ کو پیدا نہیں کیا مگر فطرت کے اصول پر لیکن اس کے ماں باپ، یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنالیتے ہیں) اسی حدیث کی ایک روایت میں فطرت کے ساتھ اسلام کا لفظ بھی ہے۔ اسی لئے اسلام کو دین فطرت کہا جاتا ہے۔

بہرکیف یہ سارا فلسفہ ایک طرف اور ابوہریرہ کی یہ حدیث دوسری طرف کہ حرامی بچہ تینوں (ماں، باپ، بچہ، ہیں) بدترین ہے۔

بی بی عائشہ نے ابوہریرہ کی اس حدیث کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے، ابوہریرہ نے معاملہ کو غلط سمجھا۔ اصل واقعہ یہ تھا کہ ایک منافق جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا کرتا تھا حضور اس سے اس لئے بہت ناراض تھے بعض صحابہ نے رسول اللہ کو خبر دی کہ وہ حرامی بھی ہے، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تینوں میں بدتر ہے، یعنی ماں باپ تو زناکار ہونے کی وجہ سے بُرے تھے ہی۔ یہ ان سے بھی بدتر ہے، بی بی عائشہ نے فرمایا یہ خاص واقعہ تھا اسے عام نہیں بنانا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لا تزر وازرۃ وزر اخری (ایک کے گناہ کے بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا) زنا میں گناہ تو ماں باپ کا تھا۔ بچہ کیوں مورد الزام قرار دیا جائے۔

اصابہ فی تمیز الصحابہ میں یہ واقعہ درج ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ابوہریرہ کی قوت فہم زیادہ قابل اعتماد نہیں تھی۔ وہ رسول اللہ کی حیثیت کو غلط طریقہ سے پیش کرسکتے تھے، لیکن آپ یہ معلوم کرکے حیرت میں رہ جائیں گے کہ جن

Marfat.com

ابوہریرہ کے فہم پر بی بی عائشہ ایسی تنقید کرتی ہیں وہ پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثوں کے راوی ہیں جن میں تین سو پچیس ایسی ہیں جو بخاری و مسلم دونوں میں ہیں اور اناسی صرف بخاری میں اور ترانوے صرف مسلم نے لی ہیں۔

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ ابو مسلم کہتے ہیں. ہم نے ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمر کے زمانہ میں بھی کیا اسی طرح احادیث روایت کرتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ اگر میں ایسا کرتا تو وہ مجھے درّے سے مارتے۔

بی بی عائشہ نے ابوہریرہ کے خلاف متعدد حدیثوں کے متعلق تنقید کی ہے

سماع موتیٰ

سماع موتیٰ کے متعلق جلیل القدر صحابہ نے ایک دوسرے کی تردید کی ہے. قرآن مجید میں تو صاف ہے کہ مردے سن نہیں سکتے مگر بخاری کی بعض حدیثوں میں بھی بالکل صاف ہے کہ مردوں نے سنا اور رسول اللہ نے فرمایا کہ وہ ایسا ہی سنتے ہیں جیسا تم سنتے ہو، ایک صحابی نے قرآن و حدیث میں تطبیق دینے کے لیے یہ دلچسپ بات گھڑی ہے کہ مرے ہوئے تو نہیں سنتے. مگر رسول اللہ کی بات سننے کے لئے اللہ نے اس وقت مردوں کو زندہ کر دیا ہوگا۔

جن روایتوں میں یہ تمام باتیں ہیں ان کا ترجمہ پڑھئے۔

قتادہ رضؓ کہتے ہیں ہم سے انس بن مالک نے ابی طلحہ سے روایت بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس سرداران قریش کو ایک گندے سڑے کنویں میں ڈلنے کا حکم دیا. اور آپ کی عادت تھی کہ جب آپ کسی قوم پر فتح پاتے تھے، تو اس میدان میں تین دن قیام کیا کرتے تھے. جب فتح بدر کا تیسرا دن ہوا. تو

آپ نے سواری تیار کرانے کا حکم دیا۔ اصحاب آپ کے ہمراہ چلے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے واسطے نکلے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ایک کنویں کے کنارے ٹھہرے اور کفار مقتولین کے نام بہ نام اور ان کی ولدیت کے ساتھ پکارنے لگے۔ اے فلاں ابن فلاں۔ اے فلاں ابن فلاں۔ کیا تمھیں اب اللہ اور رسول کی اطاعت اچھی لگتی ہے؟ ہم سے جو وعدہ ہمارے رب نے کیا تھا، اسے ہم نے سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ ابوطلحہ کہتے ہیں۔ عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کلام فرماتے ہیں ایسے جسموں سے جن میں روح نہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس اللہ کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، میری بات تم ان مردوں سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔

قتادہ کہتے ہیں اللہ نے اپنے نبی کا قول ان مردوں کو زندہ کر کے واسطے جھڑکنے اور رسوائی حسرت، بدلہ لینے اور ندامت کے لئے سنایا۔

(بخاری۔ کتاب المغازی۔ غزوۂ بدر)

اس کے بعد ایک روایت بخاری کی پڑھئے جس میں مردوں کے سننے کے متعلق سابقہ روایت پر بی بی عائشہ کی تنقید پڑھئے۔

ہشام بن عروہ اپنے باپ عروہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ بی بی عائشہ کے سامنے بیان کیا گیا کہ ابن عمرؓ اس حدیث کو حضور تک پہنچی ہوئی بیان کرتے ہیں کہ مردہ کو گھر والوں کے رونے سے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، عائشہؓ نے کہا معنی قول رسول اللہ کے صرف یہ ہیں کہ میت کو صرف اس کے گناہ اور خطا کی وجہ سے عذاب ہو

رہا ہے۔ اور گھر والے ابھی تک اُسے رو رہے ہیں، عائشہ نے فرمایا ابن عمر کی اس حدیث کی بھی ایسی تاویل ہے، جیسے حضور کے اس قول کی ہے جو مقتولین بدر کے بارے میں ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے کنویں پر جس میں مقتولین بدر کی لاشیں تھیں. کھڑے ہوئے اور ان سے باتیں کیں، ابن عمر نے اس کلام سے یہ سمجھا کہ وہ سنتے ہیں جو میں ان سے کہتا ہوں. حالانکہ معنی کلام حضرت کے یہ تھے اب جان لیں گے جو میں ان سے کہتا تھا۔ وہ حق تھا۔ بی بی عائشہ نے سماع کا مطلب علم لیا) پھر بی بی عائشہ نے دلیل کے لئے یہ آیت پڑھی انک لا تسمع الموتی وما انت بمسمع من فی القبور۔ (تم اے محمدؐ نہیں سنا سکتے مردوں کو۔ اور نہ تم قبروں کے مردوں بات سن سکتے ہو۔

"عروہ کہتے ہیں مراد عائشہ (نفی سماع سے) جب ہے کہ وہ اپنی جگہ دوزخ میں بنالیں۔" (بخاری. کتاب المغازی۔ غزوہ بدر)

اسی بارے میں ایک اور روایت بخاری کی پڑھئے، اس کا ترجمہ حاضر ہے۔ اس میں بھی بی بی عائشہ کی تنقید ہے۔

"عروہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے کنویں پر کھڑے ہو کر کہا کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ حق پایا، پھر آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ یہ کافر سن رہے ہیں کسی نے عائشہ سے پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کہا تھا، اب کافر جان لیں گے، میرا کہنا سچ تھا، یعنی حضور نے تعلمون کہا ہوگا۔ ابن عمر نے یسمعون غلط یاد کیا۔ پھر

Marfat.com

عائشہ نے دلیل میں وہی آیت پڑھی. یعنی تم اے محمدؐ مردوں کو نہیں سنا سکتے آخر تک)
(بخاری. کتاب المغازی. غزوہ بدر)

ان حدیثوں میں متعدد صحابہ کا اختلاف ہے، بی بی عائشہ، عبداللہ عمر ابن عمر قتادہ، حضرت عمر، ابوطلحہ، ابن مسعود، انس بن مالک سب ہی تو آجاتے ہیں. پھر یہ اختلافات صرف اجتہادی نہیں ہیں بلکہ ان میں سے بعض روایتی بھی ہیں. کیونکہ اس سے مطلقاً انکار کر رہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسیمعون کہا، وہ کہتی ہیں کہ حضور نے لیعلمون کہا تھا، مطلب یہ ہے کہ حضور نے یہ نہیں کہا کہ یہ لوگ سن رہے ہیں" بلکہ یہ کہا کہ ان کو علم ہے"

یہاں ضمناً اتنا اور عرض کر دیا جائے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حدیث کی روایت کے مطابق یہ قانون بنا دیا تھا کہ وہ باللفظ ہونی چاہئے شبلی نے " الفاروق" میں حضرت عمر کے اس قانون پر بہت زور دیا ہے، لیکن ان روائتوں میں حضرت عمر بھی کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ نے یہی فرمایا تھا یہ مردے تمہاری طرح سن رہے ہیں۔

لیکن حضرت قتادۃؓ نے کمال کر دیا ہے، انھوں نے جو دیکھا کہ صحابہ میں اس بارے میں اختلاف ہو رہا ہے تو یہ دلچسپ بات پیش کی کہ جب رسول اللہ ان مقتولین سے خطاب کیا تھا تو اتنی دیر کے لئے انھیں اللہ تعالے نے زندہ کر دیا تھا، یعنی یہ کہ عائشہ بھی سچ کہہ رہی ہیں عمر اور عبداللہ ابن عمر وغیرہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں، لیکن یہ اختلافات یہ ماننے سے رفع ہو جاتا ہے کہ اتنی دیر کے لئے اللہ نے مردوں کو زندہ کر دیا تھا۔

قتادہ صحابی سہی اور بڑے جلیل القدر صحابی سہی، مگر وہ اپنے اس تصور کی تائید میں نہ کوئی قول رسول کا پیش کرتے ہیں، نہ کوئی اور ثبوت

Marfat.com

کی بنا پر دیتے ہیں کہ منٹ دو منٹ کے لئے وہ مقتولین رسول اللہ کی بات سننے کے لئے زندہ ہو گئے تھے، ان مقتولین کو کنوئیں میں گرے ہوئے تین دن ہو چکے تھے جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے، قتادہ نے ان لاشوں میں کوئی حرکت پائی تھی؟ یا کوئی نشانہ ایسا ہوا؟ کیسے اندازہ ہوا کہ اللہ نے اپنے رسول کی بات سننے کے لئے ایک منٹ کے لئے زندہ کر دیا تھا، مزید یہ کہ ہم قتادہ جیسے جلیل القدر صحابی پر تنقید کرنے کے لئے مجبور ہو رہے ہیں یہ محض اس مفروضہ کی بنا پر کہ بخاری کی ہر حدیث صحیح ہے اور اس پر شک کرنا کفر تو نہیں ہے کفر کے قریب ضرور ہے۔

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقتولین سے گزرتے ہوئے محض طنزیہ بات کہی ہوگی کہ جو وعدہ ہمارے رب نے کیا تھا وہ تو ہمارے لئے سچا ثابت ہوا کیا تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ بھی تمہارے لئے سچا ثابت ہوا، اس میں مقتولین کے سننے، جواب دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن روایتوں میں جو اضافے اور الحاق ہیں ان پر دراصل غور کرنے کی ضرورت ہے، لیکن یہ غور و فکر اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ بخاری کی روایات کی صحت اٹل طے شدہ حقیقت نہ سمجھی جائے اور صحابی کے نام پر بے چون و چرا ہر بات قبول کرنے کی عادت ترک نہ کی جائے

باپ بیٹی میں اختلاف

یہ اختلافات اس حد تک ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور بی بی عائشہ کے درمیان تک موجود ہیں، لیکن عموماً لوگ ان پر غور نہیں کرتے اور چونکہ محدثین نے ان اختلافی احادیث کو "صحیح" قرار دیا ہے لہذا ان پر تنقید کرنا خلاف آئین اسلام سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اسی حجرہ میں بنائی گئی تھی جس میں انھوں نے وفات پائی تھی، اس کا سبب حضرت ابوبکر صدیق رضی نے یہ بتایا ہے کہ نبی وہیں دفن

Marfat.com

ہوتے ہیں جہاں وفات پائیں؟ لیکن بخاری کی ایک حدیث میں بی بی عائشہ نے رسول اللہ کے حجرے میں دفن ہونے کا اور ہی سبب بتایا ہے، ملاحظہ ہو۔

قالت، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی لم یقیم منہ لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد لولا ذلک ابرز قبرہ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجدا

(بخاری، کتاب الجنائز)

عائشہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے اس مرض میں جس سے وہ نہیں اٹھے فرمایا اللہ لعنت کرتا یہود و نصاریٰ پر جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بنا لیا۔ (عائشہ کہتی ہیں) اگر یہ ڈر نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلی جگہ ہوتی، چونکہ اس کا خوف تھا کہ وہ کبھی سجدہ گاہ نہ بن جائے، اس لئے حجرہ میں دفن کئے گئے۔

اب کوئی بتائے کہ رسول اللہ کے حجرہ میں دفن ہونے کا وہ سبب مانا جائے، جو حضرت ابوبکر نے بتایا۔ یا جو بی بی عائشہ نے بتایا یا پھر بخاری کی حدیث کو رد کر دیا جائے۔

رسول اللہ سے سوالات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ جو سوالات مختلف مسائل کی نسبت کرتے تھے ان کے بارے میں حضرت ابن عباس کی اس عجیب روایت پر غور کیجئے۔

عن ابن عباس قال ما رأیت قوما کانوا خیرا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما سألوہ الا عن ثلاث عشرۃ مسئلۃ حتی قبض کلھن فی القرآن منھن یسئلونک عن الشھر الحرام، ویسئلونک عن المحیض

ابن عباس نے روایت کی کہ میں نے اصحاب رسول اللہ سے بہتر کوئی جماعت نہیں دیکھی انھوں نے احتراماً تیرہ مسئلوں سے زیادہ کی بابت حضور سے سوال نہیں کیا۔ اور یہ سب قرآن میں آگئے ہیں۔ ان میں سے ہی ہیں۔ یسئلونک عن الشھر الحرام

قال ما کانوا یسئلون الا عما ینفعھم (مسند دارمی، ص ۲۹)

یسئلونک عن المحیض. ابن عباس نے کہا نہیں پوچھتے تھے سوائے ان باتوں کے جو مفید ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ بے فائدہ سوالات کرنے سے صحابہ کو منع کیا گیا تھا مثلاً جب یہ سوال کیا گیا کہ روح کیا ہے تو قرآن کی ایک آیت نازل ہوئی۔

یسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

تم سے اے نبی سوال کرتے ہیں روح کے متعلق، کہہ وہ روح اللہ کا ایک حکم ہے، اور تمہیں نہیں دیا گیا ہے علم مگر تھوڑا

لیکن یہ حدیث تو صریحاً غلط ہے کہ صرف تیرہ سوال صحابہ نے کیے جو سب کے سب قرآن میں ہیں کیونکہ صحابہ تو عمر بھر سوال ہی کرتے رہے قرآن کریم کا اکثر حصہ در اصل صحابہ کے سوالوں کے جواب میں ہی آیا ہے۔

طلاق کے مسئلہ میں اختلاف

ایک مجلس کی تین طلاقوں کے متعلق عجیب اختلاف ہیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ عہد رسالت میں بلکہ بعد میں بھی ایک عرصہ تک ایک صحبت کی تین طلاقیں ایک ہی طلاق کے برابر ہوتی تھیں، بخاری و مسلم دونوں میں ایک ابن عباس سے یہ صریح روایت آئی ہے۔

قال کان الطلاق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فامضاہ علیہم عمر۔

ابن عباس نے کہا کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور عہد ابوبکر میں نیز دو برس تک خلافت عمر میں بھی تین طلاقیں (ایک مجلس کی) ایک ہی مانی جاتی تھیں مگر عمر نے

Marfat.com

تین کا فیصلہ کردیا۔

ابن عباس نے روایت کیا۔

قال طلق رکانة زوجه ثلاثا فی مجلس واحد فحزن علیها حزنا شدیدا فسأله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف طلقتها قال طلقتها ثلاثا فی مجلس واحد قال انما تلک طلقة واحدة فارجعها۔

ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ہی مجلس میں دیدیں، اس پر پھر بہت رنج کرنے لگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تو نے طلاق کس طرح دی۔ کہا میں نے ایک مجلس میں تین بار طلاق دی، آپ نے فرمایا یہ ایک طلاق کے برابر ہوئی۔ رجوع کرے۔

رکانہ کے علاوہ اور بھی واقعات ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس بارے میں ذرا اختلاف نہیں کہ عہد رسالت میں نیز ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے عہد کے ابتدائی دو سال میں طلاق کا طریقہ یہ ہی تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق مانا جاتا تھا۔ لیکن حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ میں ان کو آئندہ تین ہی مان لونگا اور کہا یہ جاتا ہے کہ حضرت عمر کے اس فیصلہ کو صحابہ نے قبول کر لیا۔ گویا اجماع صحابہ ہوگیا۔

لیکن حضرت عمر کے اس فیصلہ نے یہ سوال کھڑا کر دیا ہے کہ کیا اجماع صحابہ اللہ اور رسول کے فیصلہ کو تبدیل کر سکتا ہے کیونکہ عہد رسالت میں جو عمل تھا وہ قرآن کی آیت الطلاق مرتان الخ کے مطابق سمجھا جاتا تھا۔

اگرچہ فتح الباری کے مولف ابن حجر عسقلانی نے "تطبیق جمع" کے بارے میں یہ روایت لکھی ہے، مگر اس کا اطلاق موجودہ بحث پر بھی ہو سکتا ہے وہ لکھتے ہیں۔

قال اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل طلق امراته ثلاث تطبیقات

محمود بن لبید روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق جمع

Marfat.com

جمیعا فقام مغضبا فقال ایلعب بکتاب اللہ وانا بین اظہرکم	دیدیں تو آپ غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ یہ کتاب اللہ سے کھیل کرتا ہے اور میں ابھی موجود ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے کے طریقہ کو حضرت عمر نے بدل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حکم بربنائے مصلحت تھا، اگر اس استدلال کو مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اسلام کے قوانین اجماع کے ذریعہ بدلے جاسکتے ہیں۔

تاریخ اسلام کا یہ نہایت ہی اہم واقعہ ہے دنیائے اسلام کے بعض فرقے مثلاً اہلحدیث حضرت عمر کے اس فیصلہ پر عمل نہیں کرتے مگر حنفیہ اس زمانے میں بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین تسلیم کر کے طلاق بائن کا حکم لگا دیتے ہیں۔ یہ اختلاف آئین اسلام پر اثر انداز ہوتا ہے۔

۱۰

ایک صحابی کے کارنامے

اس صداقت کو ایک بار اور دہرا دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اللہ کی ایک بڑی نعمت تھی، ساتھ ہی اس صداقت کو بھی دہرا دیا جائے کہ ان ہی صحابہ میں بعض ایسے شقی القلب بھی تھے کہ ان پر رسول اللہ کی صحبت کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا، جس طرح بارش ہوتی ہے تو زمین کے ہر حصہ کو اس کی استعداد کے مطابق فائدہ پہنچتا ہے، پتھروں پر اس باران رحمت سے کچھ نہیں اگتا، بنجر زمین پہ بارش گرنے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، لیکن جس زمین میں قوت نمو ہوتی ہے، اس پر چمن کھلتے اور کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ رسول اللہ کے فیضان صحبت کا یہ بھی حال تھا کہ ؎

ہست ایں میکدہ و دعوت عام ست اینجا — قسمت بادہ باندازۂ جام است اینجا

پس بعض "صحابہ" ایسے بھی تھے کہ ان پر ظرف اعلیٰ تھے، جنھوں نے روحانیت کے اس میخانہ سے ان کو بھرا اور بھر بھر کے خوب پی، لیکن بعض ظرف بہت ادنیٰ تھے اور بعض تو ہاتھوں میں ظرف کی بجائے آستینوں میں خنجر چھپائے ہوئے تھے موقع پاتے ہی اسلام کے سینہ میں خنجر گھونپ دیا۔

ان ہی "صحابہ" میں ایک معاویہ بن ابی سفیان تھے۔ فتح مکہ کے زمانے میں چار و ناچار مسلمان ہوئے، فتح مکہ کے بعد کافروں کے زمرہ میں رہنا غیر ممکن ہوگیا تھا چونکہ ایسے خاندان سے تھے جس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف برسوں محاذ جنگ بنائے رکھا تھا۔ فتح مکہ کے بعد بھی شر و فساد کے امکانات تھے اس لیے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ تالیف قلوب کی پالیسی سے اس تلوار کی دھار کو کند کر دیا جائے، لہٰذا اس خاندان کے آدمیوں کو مؤلفۃ القلوب میں شمار کر کے اپنا لیا۔ ان میں سے بعض کو خدا نے ہدایت دی اور وہ تائب ہو گئے مگر بعض معاویہ کی طرح موقعہ کے منتظر رہے جیسے ہی معاویہ کو حضرت عثمان کی اقربا پروری اور دیگر کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا یہ اسلامی قدروں کو مٹانے کیلئے تیار ہو گئے

اولیات معاویہ

حدیث میں آیا ہے کہ جس نے کسی اچھی سنت کی بنیاد ڈالی تو اس سنت پر چل کر قیامت تک جتنے آدمی نیک کام کریں گے تو ان نیکی کرنے والوں کو تو ثواب ملے گا ہی مگر ساتھ ہی برابر کا عذاب اس سنت کی بنیاد رکھنے والوں کو بھی ملتا رہیگا۔

ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے ہمارے اس دین میں بدعت جاری کی تو وہ ہم میں سے نہیں ہے بلکہ مردود ہے"۔

ان حدیثوں کی روشنی میں "صحابی" معاویہ کی اولیات پر غور کیجئے دین کی کتنی باتوں کو بدل کر معاویہ نے ان کی جگہ "سنتہ سیئۃ" کی بنیاد ڈالی اس کا تذکرہ ایک دفتر چاہتا ہے مگر چند اولیات اس صحابی کی یہ ہیں۔

۱۔ اسلام میں سب سے پہلے بیٹے کو ولیعہد بنانے کی بدعت شروع کی اس طرح کے نظام کو ملوکیت میں بدل دیا۔ یہ سنت ہمیشہ کے لئے جاری ہو گئی اور معاویہ "من سن سنتا سیئتا" اور "من احدث فی امرنا ھذا" کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔

اس سنتہ سیئۃ کے قائم کرنے کے لئے معاویہ کو ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لینا پڑا۔ بڑے بڑے لوگوں کو قتل کراتا اور زہر دلاتا رہا۔ بیت المال کا سرمایہ رشوت دینے اور رائیں خریدنے پر خرچ کرتا رہا۔ کذب و افترا کے حربے استعمال کرنے پڑے، حدیثیں وضع

Marfat.com

کرنے پڑیں، اور رسول اللہ کے اہلبیت خصوصاً ان کے پیارے نواسوں کے خلاف محاذ بنانا پڑا۔

یہ سب کچھ کر کے ولیعہدی کی سنت قائم کی، جو آج تک جاری ہے اور جس کے باعث امام حسین کی شہادت اور انصار مدینہ کا قتل عام ہوا۔

۲۔ معاویہ نے بیت المال کی دولت کو اپنی ذاتی دولت بنا لیا جس کو چاہا بغیر استحقاق دے دیا اور جس کا چاہا حق مار لیا اس طرح قرآن کی آیت لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل کا مصداق ہو گیا۔

مغیرہ نے جب یزید کی ولیعہدی کی تائید میں ایک وفد بھیجا تو معاویہ نے صاف کہا کہ کتنی رقم کے بدلے میں وفد آیا ہے جب یزید کی ولیعہدی کی حمایت کے لئے مدینہ میں رقمیں تقسیم ہونے لگیں تو معاویہ نے ہدایت کی کہ انصار کو نہ دو کیونکہ رقموں کے لئے ایمان بیچنے کے عادی نہیں ہیں، یزید کی ولیعہدی کے لیے عبداللہ بن عمر کو جب ایک بہت بڑی رقم بھیجی تو انھوں نے یہ کہہ کر واپس کر دی تھی۔ کہ کیا معاویہ اس رقم سے میرا ایمان خریدنا چاہتا ہے، تاریخ میں ہے کہ جب معاویہ کے پاس حضرت علی کا خط پہنچا جس میں بیت المال کے برباد کرنے اور ناجائز باتوں پر خرچ کرنے کا ذکر تھا معاویہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ الارض للہ وانا خلیفۃ اللہ فما اخذت من مال فھولی وما ترکتہ کان جائزا لی (ملک اللہ کا ہے اور میں اللہ کا خلیفہ ہوں پس اللہ کے مال سے میں نے جو کچھ بھی لیا ہے اور جو چھوڑ دیا وہ میرے لئے جائز ہے، اس وقت صعصعہ بن صوحان بھی موجود تھا۔ اس نے یہ شعر کہا ہے

تمنیک نفسک ما لا یکو — ن جہلا معاوی لا تاثم

ابتدا میں معاویہ نے کچھ احتیاط کی تھی مگر جب ان کا اقتدار مضبوط ہو گیا، تو اس بارے میں ڈھیٹ ہو گئے تھے، یہاں تک کہ اپنے خطبہ تک میں، اس قسم کی اسلام آزار باتیں کہنے لگے تھے، ابن حجر نے ایک طویل روایت میں بتایا ہے کہ معاویہ نے جمعہ کے خطبہ میں کہا

انما المال مالنا والفیء فیئنا فمن شئنا — سب مال تو ہمارا مال ہے اور غنیمت ہمارا مال

Marfat.com

اعطینا ہ ومن ضنینا متعنا ہ ہے ہم جب چاہیں دیں اور جب چاہیں منع کر دیں۔

استیعاب میں ابن عبد البر نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ زیاد نے حکم بن عمرو الغفاری کو لکھا کہ امیر المومنین (معاویہ) نے حکم بھیجا ہے کہ جتنا مال غنیمت ملا ہے اس میں جتنا سونا چاندی ہو ہمارے لئے بھیج دو، حکم بن عمرو خراسان کا عامل تھا اسے جب زیاد کا مکتوب پہنچا تو اس نے جواب میں لکھ بھیجا کہ مجھے امیر المومنین کی کتاب اس بارے میں ملی کہ سونے چاندی کی تمام چیزیں ان کے لئے بھیجدوں مگر امیر المومنین کی کتاب سے بہت پہلے مجھے اللہ کی کتاب مل چکی ہے، جس کے مطابق میں عمل کرونگا، چاہے زمین و آسمان بھی پھٹ جائیں تو اللہ اپنے بندے کے لئے کوئی صورت نکال دیگا۔ اس کے بعد حکم بن عمرو الغفاری نے وہ مال قرآنی احکام کے مستحقین کو بانٹ دیا۔

حکم بن عمرو الغفاری کو اس طرز عمل کا انجام معلوم تھا لہذا انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ اگر اسمیں میرے لئے خیر ہو تو مجھے اپنے پاس بلالے اسی زمانے میں انکا انتقال ہو گیا

حکم بن عمرو الغفاری بھی صحابی تھے، ان سے احادیث بھی مروی ہیں اور بخاری نے بھی ان کی حدیث قبول کی ہے بخاری تو معاویہ اور حکم دونوں کو دیانتدار سمجھتے ہیں مگر بخاری کے یہ صحابی راوی ایک دوسرے کی دیانت پر کیا رائے رکھتے ہیں اسکا اندازہ اوپر کے واقعہ سے ہو گا

اسلام میں پہلا ظالمانہ قتل

معاویہ کی اولیات میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے صحابی ہو کر دوسرے صحابی کو ایسے ظلم کے ساتھ بھوکا پیاسا رکھ کے قتل کرایا کہ اس قسم کا قتل اسلام میں معاویہ سے قبل کسی نے نہیں کیا تھا۔ بی بی عائشہ نے جب سنا کہ زیاد نے حجر بن عدی کو گرفتار کرا کے مع ان کے اصحاب کے معاویہ کے پاس دمشق بھیجا ہے اور ان کی جان خطرے میں ہے تو انھوں نے فوراً معاویہ کے پاس قاصد دوڑایا تاکہ معاویہ حجر بن عدی کو قتل نہ کرے

افسوس کہ ان کا قاصد پہنچتے پہنچتے ان کو قتل کر دیا گیا۔

حجر بن عدی بہت معزز صحابی تھے، اور بی بی عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حجر بن عدی اور اس کے اصحاب کو قتل کیا جائیگا تو قاتلوں پر اللہ اور آسمان والے غضبناک ہوں گے ابن عساکر کی روایت ہے کہ جب حجر بن عدی کے قتل کے بعد معاویہ حج کے لئے گیا اور بی بی عائشہ سے ملنے گیا تو انھوں نے سرور دوکر رسول کا یہ قول بیان کیا۔

بی بی عائشہ کی روایت ترمذی میں ہے۔ اور عبداللہ ابن عمر کی روایت ابن عساکر نے دی ہے کہ جن لوگوں نے حجر بن عدی کو قتل کیا ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ ان معاویہ اول من قتل مسلما صبرا (حجر و اصحابہ) (معاویہ پہلا آدمی ہے جس نے ایک مسلم کو اس ظلم کے ساتھ قتل کیا۔ اور یہ قتل حجر اور ان کے ساتھیوں کا تھا۔)

اس قتل کا ساری دنیائے اسلام پر بہت اثر پڑا تھا۔ عبداللہ بن عمر کو ایسی حالت میں خبر ملی کہ وہ بازار سے کچھ سامان لا رہے تھے یہ سب سامان گر پڑا اور ایک عرصہ تک وہ سکتہ کے عالم میں رہے۔

مورخ ابن اثیر نے تاریخ الکامل میں اس واقعہ کی تفصیلات لکھی ہیں، اس نے بتایا ہے کہ معاویہ نے حجر بن عدی کے پاس پیام بھیجا کہ یا تو علیؓ سے براۃ ظاہر کرو اور ان پر لعنت کرو۔ ورنہ موت قبول کرو، جب حجر بن عدی نے علیؓ پر لعنت کرنے سے انکار کر دیا ان کے سامنے ان کی قبر کھودی گئیں ان کے کفن تیار کئے گئے اور مصیبت کے حال میں قتل کیا گیا۔ حجر بن عدی نے وصیت کی کہ جن زنجیروں میں، میں جکڑا ہوا ہوں اور میرے جسم کا خون کوئی چیز نہ ہٹائی جائے کیونکہ میں اللہ کے سامنے معاویہ سے اسی حالت میں مقابلہ کروں گا۔ حجر بن عدی کے دو ساتھیوں عبدالرحمٰن بن حسان اور کریم الخثعمی نے کہا کہ ہم

Marfat.com

امیر المومنین کے پاس لے چلو۔ ہم علیؓ کے متعلق جو وہ کہلوائیں گے، وہی کہدینگے۔
چنانچہ معاویہ نے ان کو اپنے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا۔ یہ پہنچے تو ان سے حضرت علیؓ
پر لعنت کرنے کا مطالبہ کیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں نے معاویہ کے سامنے جاکر
خود اسی پر لعن طعن کا موقعہ پیدا کیا تھا چنانچہ ان دونوں نے معاویہ کو بتایا کہ مجھے اس
ذلیل دنیا کو کبھی چھوڑ کر آخرت کی زندگی میں بھی جانا ہے اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔
دونوں کے اور معاویہ کے درمیان سخت کلامی ہوئی اور دونوں کو نہایت ظالمانہ طریقہ پر
قتل کیا گیا۔

زندہ دفن کردیا

عبدالرحمن بن حسان کو معاویہ نے غضبناک ہوکر زیاد کے نزدیک اس ہدایت
کے ساتھ بھجوا دیا کہ اس کو نہایت بھیانک طریقہ سے قتل کردیا جائے معاویہ کو معلوم تھا
کہ زیاد وحشیانہ طریقوں کا ماہر تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عبدالرحمن بن حسان کو زندہ دفن کردیا گیا
صحابیت کا وظیفہ پڑھنے والے اس صحابی مرتبت مسلمان کو زندہ دفن کرنے
والے اس صحابی کے لیے کیا دفاع پیش کرسکتے ہیں زندہ دفن کرنیکا واقعہ بھی تاریخ اسلام
میں پہلا ہی تھا، معاویہ کی متعدد اولیات ایسی ہی ہیں کہ کسی فرعون شداد اور ہلاکو
کی زندگی میں بھی ایسی ہولناک مثالیں نہیں ملتیں
یہ کہا جائیگا کہ یہ ثابت نہیں کہ خود معاویہ نے زندہ دفن کرنے کا حکم دیا تھا مگر اس
کا جواب یہ ہے کہ اول تو تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ معاویہ کا حکم تھا کہ بدترین طریقہ سے عبدالرحمن
کو قتل کیا جائے، دوسرے یہ بالکل ثابت نہیں کہ معاویہ نے زیاد کے اس فعل کی ندامت کی ہو۔
اس کو سزا دینا تو درکنار اس بھیانک واقعہ کی پوری ذمہ داری معاویہ پر آتی ہے۔
یہاں اس صحابی معاویہ کے حامیوں کے سامنے قرآن کی آیت پیش کرنیکی ضرورت

Marfat.com

ہے۔ ومن یقتل مومنا متعمدا فجزآؤہ جہنم (جو قتل کرے کسی مومن کو عمداً تو اس کا بدلہ جہنم ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ آگے قرآن کہتا ہے خالدا فیہا و غضب اللہ علیہ ولعنہ واعد لہم عذابا عظیما (وہ جہنم میں پڑا رہیگا اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ کی لعنت اس پر ہوگی اور اسکے لیے بہت بڑا عذاب ہے)

قرآن کریم کی اس وعید سے حضرت علی کی اس روایت کا مقابلہ کیجئے یا اھل العراق سیقتل منکم سبعۃ نفر بعذراء مثلھم کمثل اصحاب الاخدود فقتل حجر واصحابہ (اے اہل عراق تم میں سے سات آدمی ایسے قتل کیے جائینگے کہ ان کی مثل اصحاب الاخدود پس حجر اور ان کے اصحاب قتل ہوئے۔

اصحاب الاخدود کا ذکر قرآن کے پارے عم کی سورۂ بروج میں آیا ہے اصحاب الاخدود کی نسبت مفسرین نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں مگر مذکورہ بالا روایت میں مفسرین کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جسمیں اصحاب الاخدود سے مطلب مومنین کی وہ جماعت ہے جسے ایک ظالم بادشاہ نے نہایت ظلم کے ساتھ قتل کرایا تھا یا آگ میں جلایا تھا اور وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے تھے جب اہل مکہ نے عمار اور بلال وغیرہ پر ظلم توڑے تھے اور وہ ثابت قدم رہے تھے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی معاویہ کی مثال اس ظالم بادشاہ کی سی ہے جس نے اصحاب الاخدود کو بڑے ظلم کے ساتھ مارا تھا۔ حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے تمام حوالے اہلسنت کے محدثین و علماء کے اقوال و کتب سے لئے گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے صحابی بھی قابل تعریف ہیں جو ظلم و ستم کی ایسی مثالیں قائم کریں۔

گدھے کی کھال میں صحابی نے صحابی کو جلادیا

معاویہ کے نامۂ اعمال میں ایک بھیانک واقعہ یہ بھی ہے کہ اس کے

Marfat.com

رفیقوں نے ایک صحابی محمد بن ابی بکر الصدیق کو بھوکا پیاسا کر کے مارا اور ایک گدھے کی کھال میں جسم کو ڈال کر اسے جلادیا یہ صحابی جن کو اس طرح قتل کیا اور جلایا حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹے تھے، بی بی عائشہ کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر ملی تو انھوں نے رو رو کر جل تھل کر دیئے۔ معاویہ کے لئے بد دعا کی اور روزانہ قنوت کے ساتھ بد دعا کیا کرتی تھیں یہ بھی روایت ہے کہ بی بی عائشہ نے بعض لذیذ چیزوں سے پرہیز کیا۔

حضرت علیؓ کو جب خبر ملی تو انھیں بڑا صدمہ ہوا لیکن معاویہ کو جب اطلاع پہنچی کہ حضرت علیؓ کے ایک زبردست رفیق کا خاتمہ ہوگیا، اور اس طرح وہ قتل کئے گئے تو معاویہ نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔

یہ حرکت معاویہ کے رفیق و افسر فوج عمرو بن العاص نے کی اور معاویہ نے اظہار مسرت کر کے اس پر مہر تصدیق ثبت کی۔ عمرو بن العاص بھی صحابی ہیں اور ان سے بھی حدیثوں کی روایت ہے سب ۳۹۔ احادیث ہیں ان میں سے تین پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور ایک صرف بخاری نے لے لی ہے اور دو صرف مسلم نے لی ہیں۔

ہم حیران ہیں کہ جو صحابی دوسرے صحابی کے ساتھ ایسی ذلیل اور مسلم آزار حرکت کرے اس سے کوئی حدیث کیونکر لی جا سکتی ہے

نسائی اور سنن ابن ماجہ میں محمد بن ابی بکر الصدیق سے بھی احادیث مروی ہیں اگرچہ وہ خود رسول اللہ سے روایت نہیں کرتے مگر حضرت ابوبکر صدیق سے جو ان کے والد ہیں روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ سے اس لئے نہیں کرتے کہ وہ عہد رسالت کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے بہرکیف حدیث کی کتابوں میں ان کی روایات موجود ہیں۔

اب کوئی بتائے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ معاویہ، عمرو بن العاص اور

Marfat.com

محمد بن ابی بکر الصدیق تینوں عدول ہوں اور تینوں کی روایات قبول کرلی جائیں۔ اگر ان میں سے محمد بن ابی بکر صدیق اس کے مستحق نہ تھے کہ ان کو اس طرح ظلم کے ساتھ قتل کیا جائے تو صحابی عمرو بن العاص کی جگہ دوزخ میں ہے کیونکہ انھوں نے ایک مسلم بلکہ رسول کے صحابی کو بلا وجہ قتل کر دیا اور اگر محمد بن ابی بکر اس لائق تھے کہ ان کو قتل کر دیا جائے تو ان کی حدیث کیوں قبول کی جائے اور پھر معاویہ کی پوزیشن کیا ہے جبکہ وہ اس ظالمانہ قتل پر اظہار مسرت کرتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ محمد بن ابی بکر الصدیق اس لئے سزاوار قتل تھے کہ انھوں نے حضرت عثمان کے قتل میں شرکت کی تھی، لیکن یہ واضح رہے کہ متعدد اور صحابہ بھی حضرت عثمان کے قاتلوں کو امداد دے رہے تھے، علاوہ بریں جب محمد بن ابی بکر الصدیق نے حضرت عثمانؓ کی داڑھی پکڑی تھی تو انھوں نے کہا تھا کہ اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو تمہارے اس فعل پر بہت ناراض ہوتے یہ سنتے ہی محمد بن ابی بکر الصدیق نے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا، دوسرے لوگوں نے حملہ کر کے قتل کر دیا لیکن فرض کرو کہ محمد بن ابی بکر مجرم ہیں یا حضرت عثمان کے قاتلوں میں سے ہیں تو نسائی اور ابن ماجہ انہی محمد بن ابی بکر الصدیق کی روائتیں کیوں قبول کرتے ہیں؟ اور ایسے صحابی کی موت پر بلکہ بھیانک قتل پر بی بی عائشہ کیوں ماتم کرتی ہیں اور حضرت علیؓ کیوں رنج کرتے ہیں اور بی بی عائشہ معاویہ کو بد دعا کیوں دیتی ہیں؟

یہ کہا جاسکتا ہے کہ گدھے کی کھال میں بند کر کے ایک صحابی کو جلانے کی ذمہ داری معاویہ پر کیوں ڈالی جاتی ہے؟ لیکن یہ سوال تو بی بی عائشہ سے کرنا چاہیے کہ انھوں نے نمازوں کے بعد معاویہ کو کیوں بد دعا دی اور یہ معمول کیوں بنا لیا تھا، ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ذمہ داری معاویہ کی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ ذمہ داری معاویہ کی ہی تھی

حدیث رسولؐ کے ساتھ مضحکہ، معاویہ کی صحابیت بھی

Marfat.com

عجیب صحابیت تھی، جب جنگ صفین میں عمار بن یاسر شہید ہوئے تو متعدد صحابہ اور دوسرے مسلمانوں میں یہ چرچا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ عمار جس گروہ کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہوں گے، وہ برسر حق ہوگا، اور جو فریق مخالف ہوگا اور ان کو قتل کرے گا وہ دوزخ کی طرف دعوت دینے والا ہوگا۔ یہ حدیث نہایت تواتر کے ساتھ متعدد صحابہ سے مروی ہے، ستائس صحابہ اس کے کسی نہ کسی شکل میں راوی ہیں، خود معاویہ بھی ان راویوں میں تھا اور حدیث کی تمام کتابوں میں پائی جاتی ہے پس جب عمار بن یاسر جنگ صفین میں حضرت علی رض کی طرف سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے تو سب پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت علی رض حق پر اور معاویہ باطل پر ہیں اور اس حدیث کا چرچا ہونے لگا جس سے معاویہ کی اقتدار پرستانہ پالیسی کو صدمہ پہنچے گا تو معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک محکم و مشہور حدیث کی عجیب تاویلات پیش کیں۔

معاویہ نے کہا کہ عمار بن یاسر کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ علی ہیں کیونکہ انھوں نے ہی عمار کو میدان جنگ میں بھیجا تھا۔ اس تشریح و تاویل کی خبر جب حضرت علی رض کو ملی، تو انھوں نے کہا سبحان اللہ کیا بات ہے اس طرح تو حمزہ رض کے قاتل رسول اللہ ہوئے چونکہ انھوں نے ہی حمزہ رض کو میدان جنگ میں بھیجا تھا۔

جب یہ تاویل کامیاب نہیں ہوئی تو نئی تاویل یہ پیش کی کہ حدیث میں عمار بن عمار کے قاتل کو "باغی گروہ" کہا گیا ہے، مگر ہم تو باغیوں کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، یہ لوگ حضرت عثمان کے باغی ہیں اور ہم ان کے باغی ہیں لہذا حدیث میں فئتہ باغیہ (باغی گروہ) اسی معنی میں آیا ہے۔ ہم باغی تو ہیں مگر ہم نے باغیوں کے خلاف بغاوت کی معاویہ ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ رسول اللہ کی احادیث کا مذاق اڑا دیتے تھے۔

ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں بڑی تفصیل کے ساتھ

Marfat.com

کعب بن الاشرف یہودی کا واقعہ پیش کیا ہے جس میں معاویہ کے دربار میں اس یہودی کے سردار کے قتل کے تذکرہ میں ایک یہودی ابن یامین کہتا ہے کہ کعب بن الاشرف کو "غدر" سے قتل کیا گیا تھا، اس وقت مشہور صحابی محمد بن مسلمہ بھی بیٹھے تھے، یہ ان ایک یا دو انصار میں سے تھے جو بعض خالص تعلقات کے زیر اثر معاویہ کے ساتھ تھے لیکن معاویہ کے دربار کے اس تذکرہ کو یہ بھی برداشت نہ کر سکے اور انھوں نے معاویہ کو اسی وقت زجر و توبیخ کی اور کہا اے معاویہ تیری صحبت میں رسول اللہ کی ایسی توہین ہوتی ہے کہ کعب بن الاشرف کو ہم نے رسول اللہ کی ہدایت کے تحت قتل کیا تھا اور تمھارے ہاں اس فعل کو غدر سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ برا بھلا کہتے ہوئے اسی وقت معاویہ کی صحبت سے اٹھ گئے اور قسم کھائی کہ ابن یامین کو زندہ نہیں چھوڑونگا۔

کعب بن الاشرف کا واقعہ حدیث کی تمام کتابوں اور تمام تاریخوں میں دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کعب بن الاشرف نے اسلام اور اللہ کے رسول کی مخالفت اور سب و شتم میں حد کر دی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں اپیل کی کہ اس دشمن سے کون نجات دلائے گا، چند صحابہ نے وعدہ کیا کہ ہم اس دشمن کا خاتمہ کریں گے ان لوگوں نے کعب بن الاشرف کے قتل کے لئے ایک خاص پلان بنایا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے لی تھی کہ ہم اس مقصد کے لئے اس سے جو چاہیں کہیں چنانچہ اس کے قلعہ جیسے گھر پر پہنچ کر انھوں نے یہ ظاہر کیا کہ جب سے محمد مدینہ میں آئے ہیں ہم لوگ پریشان ہیں اس طرح کی باتیں کر کے اس کی ہمدردی حاصل کی اور باتوں میں لگا کر یکایک حملہ کر کے قتل کر دیا اس کا قتل اسلام کے لئے اتنا اہم تھا کہ رات کو خبر کے انتظار میں رسول اللہ جاگتے رہے تھے اور جب قتل کی خبر آئی تو تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔

ایسے اہم واقعہ کی توہین معاویہ کی مجلس میں ہوئی تو اس کے خاص حامی محمد بن مسلمہ انصاری بھی بھڑک گئے اور انھوں نے اسی وقت معاویہ پر اپنا غصہ اتارنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

اب کوئی بتائے کہ کیا معاویہ کی صحابیت ان گناہوں پر پردہ ڈال سکتی ہے؟ اور کیا ایسے صحابی کی روایت کردہ حدیثوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے محمد بن مسلمہ سے بھی احادیث مروی ہیں مگر محمد بن مسلمہ یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ معاویہ کی مجلس میں رسول اللہ کی توہین کی جاتی ہے اور ان پر غور کرنے کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور یہ بھی قابل غور امر ہے، کہ کیا اس قسم کے صحابی بایھم اقتدیتم کے مصداق ہو سکتے ہیں؟

حسن بصری کی رائے

معاویہ کے بارے میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ کی یہ رائے قابل توجہ ہے، وہ فرماتے ہیں

> معاویہ میں چار خصائل ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتا تو اس کے عذاب کی تلوار امت مسلمہ پر ہوتی۔ اول یہ کہ اس نے بغیر مشورہ کے ایسے وقت حکومت اسلامی پر قبضہ کر لیا جبکہ صحابہ اور صاحب فضیلت لوگ موجود تھے، دوم یہ کہ ایک شرابی نشہ باز کو جانشین بنایا جو ریشم پہنتا اور گانے بجانے کا دھنی تھا۔ تیسرے یہ کہ اس نے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا قرار دیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ الولد للفراش وللعاھر الحجر (بیٹا شوہر کے ہوتا ہے۔ اور زانی کے لئے پتھر ہے) چوتھے یہ کہ اس نے حجر اور اس کے اصحاب کو قتل کرایا۔ (الکامل)

ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بڑی توہین ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ کرتا تھا چونکہ عقیدہ صحابیت کے جادو کا اثر عوام پر ہے اس لئے ان کے پہلے تاثرات یہی ہونگے کہ "ڈھٹائی اور بے حیائی" کے الفاظ ہم نے بہت سخت استعمال کئے ہیں لیکن اگر لغات میں اس سے بھی سخت الفاظ ہوتے تو ان سخت الفاظ کو استعمال کرنا جائز ہوتا۔ ذرا غور کیجئے کہ زیاد کے استلحاق کا واقعہ کیا ان سخت الفاظ کے استعمال پر مجبور نہیں

Marfat.com

کرتا۔ صرف اس مقصد کے لئے کہ زیاد کو حضرت علیؓ کی حمایت سے منحرف کر دیا جائے یہ صحابی یہ "امیر" یہ یوگس "کاتب وحی" اور یہ "رضی اللہ عنہ" اللہ کے گھر یعنی مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم صریح کے خلاف اپنے باپ کے زنا کے ثبوت میں ایک مجمع کے سامنے شہادتیں دلاتا ہے اور زیاد کو یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ تو تو میرا بھائی ہے، میرے باپ کے نطفہ سے ہے، زیاد کے دماغ میں بھی یہ خبط تھا کہ زیاد ابن سمیہ کی بجائے وہ زیاد ابن ابی سفیان کہلانے لگے، حضرت علیؓ نے زیاد کو معاویہ کی ان سازشوں سے متنبہ بھی کر دیا تھا مگر زیاد معاویہ کے دام فریب میں پھنس گیا۔

بی بی عائشہ نے بھی بالراست تو نہیں، مگر بالواسطہ زیاد کو صحیح اسلامی پوزیشن محسوس کرائی، مگر اس کی ہوس نے بی بی عائشہ کی تنبیہ کو بھی رد کر دیا اس نے بی بی عائشہؓ کو فریب دے کر خط میں "زیاد بن ابی سفیان" لکھوانے کی کوشش کی مگر انھوں نے اس کے بجائے "من عائشۃ ام المومنین الی ابنھا زیاد" (منجانب عائشہ ام المومنین اپنے بیٹے زیاد کے نام) لکھا یہ خط اور بی بی عائشہ کے الفاظ زیاد اور معاویہ کی مجلس میں زیر بحث بھی آئے زیاد اپنی اسکیم ناکام ہونے پر بہت بگڑا، مگر اس کو بعض لوگوں نے سمجھایا کہ اس میں خفا ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ بی بی عائشہ اپنا بیٹا لکھ رہی ہیں

مگر معاویہ نے زیاد کو اسلام کے ایک مسلمہ اصول سے بغاوت پر آمادہ رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی تاریخ میں معاویہ کی وجہ سے اس شرمناک باب کا اضافہ ہوا۔ یہ باب ایسا شرمناک ہے کہ حسن بصری نے جو رائے اس بارے میں ظاہر کی ہے وہ بالکل صحیح ہے اور اگر ہم نے معاویہ کے متعلق "ڈھیٹ اور بے حیا" کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ہمیں معذور سمجھا جائے۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ زیاد کی ولدیت کے بارے میں رسول اللہ کی جس حدیث کے خلاف معاویہ نے یہ شرمناک تماشہ کیا وہ ایسی حدیث نہیں ہے جو غیر معروف ہو اور معاویہ کو اس کا علم نہ ہو، اس حدیث کا جو درجہ ہے اس کا اندازہ حسب ذیل اقتباس سے ہوگا، جو

Marfat.com

حمزہ کی مشہور کتاب "اسباب ورود الحدیث کا ہے۔

الولد للفراش وللعاھر الحجر امام احمد نے اس کو لیا اور سوائے ابوداؤد کے چھٹیوں (یعنی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ) نے ابوہریرہ سے لیا ہے۔ اور عائشہ سے سوائے ترمذی کے چھٹیوں نے لیا ہے ابوداؤد نے عثمان رضی اللہ سے روایت کیا ہے، نسائی نے ابن مسعود اور ابن زبیر سے یہ حدیث لی ہے، ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے لی ہے اور ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے۔

اس حدیث کا سبب ورود جیسا کہ بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے، عائشہ کہتی ہیں کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے درمیان ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا ہوا، سعد نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے انھوں نے مجھے وصیت کی ہے کہ یہ ان کا بیٹا ہے، آپ اس کی شکل تو دیکھئے، عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ یا رسول اللہ، یہ میرے باپ کے تحت جو عورت ہے اس سے پیدا ہوا ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نظر ڈالی اور اس کی شباہت دیکھی پھر فرمایا کہ اے عبد یہ لڑکا تیرے لئے ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر اے سودہ بنت زمعہ تم اس سے پردہ کرو، انھوں نے کہا کہ سودہ کو اس نے پھر کبھی نہیں دیکھا۔

زیاد کی ماں سمیہ کا شوہر تھا۔ مگر وہ زناکار عورت تھی۔ زنا کے لئے اسے ابوسفیان کے پاس لایا گیا تھا۔ دعویٰ معاویہ کا یہ تھا کہ زیاد ابوسفیان کے نطفہ سے تھا اس لئے معاویہ کا بھائی ہوا۔ اس طرح معاویہ نے اسلام کے ایک مسلمہ اصول کو پامال کردیا اور ایسا کرتے ہوئے بے حیائی اور جگ ہنسائی اور اسلام کے بدنامی کے متعدد مرحلے

صرف اس لیے طے ہو گئے کہ زیاد کی خدمات معاویہ کی اقتدار پرستانہ حکمت عملی کے لئے ضروری تھیں۔

معاویہ کے اسلحہ خانہ میں زہر کا حربہ

معاویہ کے اسلحہ خانہ میں زہر کا بھی حربہ تھا۔ جسے خاص خاص حالات میں خاص خاص آدمیوں کے خلاف استعمال کیا جاتا ہے، امام حسن، مالک الاشتر اور عبد الرحمن بن خالد کو راستہ سے ہٹانے کے لئے معاویہ نے اسی حربہ کا استعمال کیا تھا، امام حسن علیہ السلام کے مسئلہ پر تو الگ باب ہو گا لیکن مالک الاشتر اور عبد الرحمٰن بن خالد کے حالات یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

مالک الاشتر حضرت علی کے سرگرم رفیق تھے، اور بڑے جانباز و سرفروش رفیق تھے جنگ صفین میں انھوں نے معاویہ کے لشکر کی صفوں کو درہم برہم کر دیا تھا، جب معاویہ میدان جنگ میں سر بر نہ ہو سکے تو انھوں نے دوسرے طریقے استعمال کئے، حضرت علیؑ نے مالک الاشتر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تو معاویہ نے بحر احمر کے علاقہ کے منتظم سے سازش کی۔ اس کو لالچ دی اگر مالک الاشتر کو ختم کر دے تو جتنی مالگزاری باقی ہے سب معاف کر دی جائے گی اس نے کی ہدایت کاری کے تحت ڈرامہ تیار کر لیا جب مالک الاشتر اس علاقہ میں پہنچے تو ان کے خیر مقدم کی ایکٹنگ کی گئی گویا کہ خیر مقدم کرنے والے حضرت علی کے طرفدار اور مالک الاشتر کے تابعدار ہیں۔ مالک الاشتر اس دن روزہ سے تھے، روزہ کھولنے کے لئے معاویہ کے ایجنٹ نے اپنے مہمان محترم کو ایک پیالہ میں جو شہد دیا اس میں زہر ملا دیا تھا جو مالک الاشتر ان کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔

جب مالک الاشتر کے اس قتل کی خبر معاویہ کو پہنچی تو اس نے مسرت کا اظہار کیا۔

دعا کا ڈھونگ

ایک طرف تو معاویہ نے سازش کر کے مالک الاشتر کو زہر دے کر مار ڈالے

منصوبہ بنایا۔ دوسری طرف دمشق میں اپنی روحانیت کا سکہ جمانے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا کہ مالک الاشتر کے لئے عوام کے سامنے بد دعا کرنی شروع کر دی۔ جیسے ہی مالک الاشتر کی موت کی خبر آئی تو معاویہ نے منبر پر چڑھ کر یہ دعویٰ کیا کہ مالک الاشتر کی موت میری بد دعا سے ہوئی ہے میں نے دعا کی تھی کہ علی کا ساتھ دینے کی سزا ملے اللہ نے یہ دعا قبول کر لی۔

معاویہ نے یہ بھی کہا کہ اللہ نے علی کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے، ایک ہاتھ عمار بن یاسر تھا جسے اللہ نے صفین میں کاٹ دیا، دوسرا ہاتھ مالک الاشتر تھا اسے بھی اللہ نے اب کاٹ دیا۔ تاریخ ابن اثیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ معاویہ نے کہا کہ اللہ نے ان کو یہ سزا دی ہے

عمار بن یاسر کے مرتبہ اور شہادت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خیالات ظاہر کئے تھے ان کی کافی تفصیل ہو چکی ہے، لیکن یہ صحابی (معاویہ) رسول اللہ کے تمام ارشادات کے خلاف کہتا ہے کہ اللہ نے ان کو سزا دی۔

اب رہے مالک الاشتر تو صحابیت کے زمرہ میں ان کا بلند مرتبہ ہے ہی مگر ان کا شمار بھی صحابہ میں کیا گیا ہے اور صحاح ستہ کی کم از کم ایک کتاب سنن نسائی میں انکی روایت کردہ حدیث موجود ہے بعض لوگوں نے مالک الاشتر پر محض اسلئے کہ وہ حضرت علی کے سرگرم رفیق معاویہ کے مخالف اور آخری دور میں حضرت عثمان کے مخالف تھے یہ عجیب الزام لگایا ہے کہ وہ سبائی تھے اور عبد اللہ ابن سبا کے ایجنٹ تھے اس لئے بہتر ہے کہ اہلسنت کی کتاب اسماء الرجال سے حوالے پیش کر دیئے جائیں علامہ خزرجی کی کتاب خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں مالک الاشتر کا ذکر ان الفاظ میں موجود ہے

مالک بن الحرث بن عبد یغوث النخعی الکوفی المعروف بالاشتر مخضرم[1] — مالک بن حرث بن عبد یغوث نخعی کوفی جو الاشتر کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں مخضرم ہیں جنھوں نے

---

[1] مخضرم وہ آدمی جس کی زندگی کا کچھ حصہ جاہلیت اور کچھ اسلام میں گزرا۔

عن عمرو وعلی وکان من اکبر امرائہ شہد الیرموک وذھبت عینہ یومئذ وقال ابن حبان الب علی عثمان ووثقہ العجلی وقال ابن یونس ثمانیۃ سبع و ثلاثین۔

عمرو اور علی سے روایت کیا ہے اور وہ ان کے معززامرائیں سے تھے یرموک کی جنگ میں شر ہوئے جس میں ان کی آنکھ ضائع ہو گئی۔ ا حبان نے کہا ہے کہ عثمان پر حملہ کیا عجلی نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے ابن یونس نے کہا ہے کہ ۳۷ھ میں وفات

اسماء الرجال کی دوسری کتاب "التہذیب" میں ہے کہ انھوں نے علی عمرو ابن ذر سے روایت کیا "تہذیب" نہایت مستند کتاب اسمائے رجال کی ہے اس کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ ہو

قیل مات مسموماً بمصر لما ولاہ علی رضی اللہ عنہ علیہا

کہا جاتا ہے کہ مصر میں زہر دینے سے موت وا ہوئی جبکہ علی رضی اللہ عنہ نے انکو مصر کا والی

زہر خورانی کا ایک اور واقعہ بھی معاویہ کے نامۂ اعمال میں ہے یہ عبدالرحمٰن بن کا واقعہ ہے یہ اگرچہ معاویہ کی پارٹی کے آدمی تھے لیکن شام میں ان کا اثر اتنا زیادہ تھا کہ معاویہ سے خطرہ محسوس ہونے لگا عبدالرحمٰن کا یہ اثر ان کے باپ خالد بن الولید کے باعث تھا جو شام میں ان کی فتوحات ہوئی تھیں لہٰذا لوگ ان کو بہت مانتے تھے اسی اثر کے باعث خ سیف اللہ کے بیٹے عبدالرحمٰن کا بھی اقتدار تھا۔ معاویہ نے ان کو رقیب سمجھ کر ایک عیسائی کی خدمات حاصل کیں، عیسائی سے اس قسم کی خدمات لینے کی حکمت عملی بھی معاویہ نے ہی کی تھی یہاں تک کہ پولیس میں بھی عیسائیوں کو ذمہ داری کے عہدے دیئے جاتے تھے، اور خص جن علاقوں کے مسلمانوں کی وفاداری پر شبہ ہوتا تھا۔ وہاں عیسائی پولیس اور آف بھیجے جاتے تھے اسی لئے متعدد عیسائی مورخین نے معاویہ و یزید کی رواداری اور و الخیال کے تذکرے کئے ہیں۔ بہرکیف عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دینے کے لئے اس عیس کو مقرر کیا۔ جب عبدالرحمٰن بن خالد ایک جنگ سے کامیاب واپس آیا تو ابن اثال حمص میں اسے شربت میں زہر دیدیا۔ معاویہ نے ابن اثال کے اپنے تمام ٹیکس معا

دنے اور حمص کا خراج اسے بخشدیا۔

ان صحابہ میں سے کس کو مانو گے؟

اوپر جو چند واقعات پیش کیے گئے ان میں کئی صحابہ کا دامن پھنسا ہوا ہے۔ یہ سوچ کر انسان پریشان ہوتا ہے کہ عوامی عقیدہ کے مطابق ان میں ہر ایک کیونکر وہ "ستارہ" بن سکتا ہے جس کی تعداد سے منزل مل سکتی ہے یا یہ ستارے تو علانیہ مخالف سمتوں میں جا رہے ہیں۔ تو کیا انسان کی منزل مخالف سمتوں میں بھی ہو سکتی ہے؟

یہ اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ صحابیت تو بڑی نعمت ہے۔ مگر ایسے بھی افراد تھے، جو صحابہ کے زمرہ میں اس لئے شامل ہوئے تھے کہ اندر سے توڑ پھوڑ کر کے اسلام کو تباہ کر دیں۔ نام کے لئے تو یہ بھی صحابیوں کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ مگر یہ وہ ہیں جو ستارۂ ہدایت بننا تو کجا۔ اس قابل ہیں کہ ان کی گمراہی کا پردہ چاک کر دیا جائے۔ تاکہ عوام ان کی نام نہاد صحابیت سے گمراہ نہ ہو جائیں۔

یہ اختلاف جو پیش کئے جا رہے ہیں "اجتہادی" نہیں ہیں۔ یہ تو وہ اختلافات ہیں۔ جو فتنہ پروری پر مبنی تھے، اور ان کے خیر و شر کا تجزیہ کئے بغیر کوئی انسان صراط مستقیم نہیں پاسکتا۔

مثلاً اوپر ایک واقعہ حضرت ابوبکر صدیق کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر کا تاریخ سے پیش کیا گیا ہے، یہ بھی صحابی تھے۔ مگر حضرت علی اور اہلبیت کے شیدائی تھے، اس لئے اہلبیت کے دشمنوں کے دشمن تھے، حضرت علی کی طرف سے مصر کے عامل مقرر ہوئے تھے، ادھر معاویہ نے عمرو بن العاص کو مصر کی حکومت رشوت میں دی تھی اور جب یہ سودے بازی ان دو "صحابیوں" میں ہو رہی تھی

تو عمرو بن العاص نے معاویہ سے صاف کہہ دیا تھا کہ تمھاری رفاقت سے مجھے دین تو مل نہیں سکتا۔ پھر دنیا بنانے کے لئے میں مصر چاہتا ہوں۔ عمرو بن العاص اور معاویہ کی یہ سودا بازی تاریخ کا عام واقعہ ہے۔ پس عمرو بن العاص معاویہ کی طرف سے مصر پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ محمد بن ابی بکر ایک جگہ بعض لوگوں کی غداری سے گھر گئے اور عمرو بن العاص کی فوج نے گرفتار کر لیا۔ پھر جیسا کہ سابق میں بیان ہوا۔ ان کو پیاسا رکھ کر قتل کیا۔ اور ان کے جسم کو گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا۔

کیا کسی دشمن کو قتل کرنے کا یہی وہ طریقہ ہے جو صحابیت کے شایان شان ہے؟ ممکن ہے کہا جائے کہ معاویہ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ لیکن عمرو بن العاص تو ضرور ذمہ دار ہیں۔ وہ تو موقع پر موجود تھے، مگر وہ بھی تو "صحابی" ہیں۔ ان کا نام بھی تو "حضرت" اور "رضی اللہ عنہ" کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ اب رہی معاویہ کی ذمہ داری تو تاریخ کے صفحات پر غائر نظر ڈالئے تو یہ ذمہ داری بھی عیاں ہو جائے گی۔

غور کیجیے کہ تاریخ میں اس واقعہ کا ردعمل تین مختلف "صحابیوں" پر کیا پڑا۔ یہ تین صحابی ہیں۔ حضرت علیؓ، معاویہ اور بی بی عائشہ۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب حضرت علی کو اس بیدردانہ قتل کی خبر پہنچی تو انھوں نے بہت رنج کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ اسلام کے باغی ہیں اور اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ لیکن معاویہ تک جب اطلاع پہنچی تو وہ پھولا نہ سمایا اور بہت خوشی کا اظہار کیا۔ حالانکہ اسے یہ اطلاع ملی تھی کہ "منعوہ الماء حتی اشتد عطشہ"، اس کا پانی روک دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی پیاس سے بری حالت ہو گئی تھی۔ اگر صرف اجتہادی اختلاف ہوتا تو اس بیدردی سے قتل کرنے کا کوئی سوال نہ

اور پھر پیاسا رکھنے کے بعد "ثم اوخلوہ فی جیفتہ حمار واحرقوۃ"
(پھر اس کو گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا)۔ کیا اسی کا نام اجتہادی
اختلاف ہو سکتا ہے؟ اگر معاویہ یا عمرو بن العاص کے نزدیک محمد بن ابی بکر کا قتل
ضروری تھا۔ تو معمولی قتل پر اکتفا کیا جاتا۔ کیا کسی قابل تقلید صحابی کی ذہنیت
ایسی ظالمانہ بھی ہو سکتی ہے؟

لیکن اس واقعہ کے متعلق ایک معنی خیز شہادت بی بی عائشہ کی ہے، جن
کو حضرت علی کی پارٹی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے کسی
واقعہ کے متعلق حضرت علی سے اختلاف ظاہر کرنے والی ہو، لیکن یہ نہیں ہو سکتا
کہ انھوں نے اس قتل کے واقعہ کی ذمہ داری معاویہ پر حضرت علی کے زیر اثر
ہو کر ڈالی ہو۔

یہ واضح رہے کہ بی بی عائشہ اور حضرت علی کے درمیان اس وقت سے خلش
پیدا ہو گئی تھی جب سے افک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ
سے مشورہ لیا تھا اور حضرت علی نے ایسا مشورہ دیا تھا جو عائشہ کے بالکل خلاف تو نہ
تھا مگر سو فیصدی ان کے موافق بھی نہ تھا۔ ان کے دل کی یہ کدورت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں رنگ نہ لا سکی مگر اس کا مظاہرہ کسی نہ کسی رنگ میں ہوتا رہا
تا آنکہ جنگ جمل میں یہ شعلہ بھڑک اٹھا۔

حضرت علی اور بی بی عائشہ کے تعلقات کی تشریح بہت طوالت چاہتی ہے جنگ
جمل کے بعد یہ اختلافات ختم ہوئے اب چونکہ ان کا ذکر آ گیا ہے لہذا چند اشارات پیش
کر دینا ضروری ہے دراصل یہ بحث بھی کتاب کے موضوع سے خارج نہیں ہے لہذا
احتیاط کے ساتھ چند باتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اگر محمد بن ابی بکر
صدیق کے ظالمانہ قتل کی ذمہ داری اگر بی بی عائشہ کی یہ شہادت بالکل غیر جانبدارانہ

ہے اس میں حضرت علی کی پارٹی کا کوئی اثر شامل نہیں ہے۔

بی بی عائشہ کو جب یہ خبر پہنچی تو ان کو بہت صدمہ ہوا اور انھوں نے زندگی بھر نمازوں کے بعد معاویہ اور عمرو بن العاص کو بد دعا کی اور لذید کھانوں تک سے پرہیز کیا۔ اپنی بد دعا میں معاویہ اور عمرو بن العاص دونوں پر اس وحشیانہ قتل کی ذمہ داری تھی، پس معاویہ کو یہ کہہ کر نہیں بچایا جا سکتا کہ وہ اس قتل کا ذمہ دار نہیں تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ محمد بن ابی بکر صدیق سے معاویہ کو تازہ صدمہ یہ پہنچا تھا کہ محمد بن ابی بکر صدیق نے معاویہ کو حسب ذیل خط لکھا تھا۔ مفصل خط مورخ مسعودی مشہور کتاب مروج الذہب میں دیکھئے، خلاصہ حاضر ہے۔

"محمد بن ابی بکر الصدیق کی طرف سے گمراہ معاویہ کے نام۔ اللہ تعالیٰ نے تمام خلقت پیدا کی صرف اس لئے کہ انسان اس کی عبادت کریں ان میں نیک و بد اور شقی و سعید دونوں قسم کے ہو گئے تو اللہ نے نبی بھیجے، ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبشر و نذیر منتخب کر کے بھیجا۔ پس پہلا انسان جس نے محمدؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور تصدیق کی۔ ان کے بھائی علی بن ابی طالب ہیں۔ جن کو اللہ نے مکرّم بنایا۔ انھوں نے رسول اللہ کا ایسا ساتھ دیا کہ خوف، بھوک مصیبت، دن رات میں ایسا ساتھ دیا کہ اس کی نظیر نہیں ان کی گرد کو کوئی بھی نہیں پہنچتا، تو تو ہی ہے اور وہ وہی ہیں۔ وہ نیت کے لحاظ سے بھی افضل الناس ہیں۔ اور ذریت کے لحاظ سے بھی افضل الناس ہیں۔ زوجہ کے اعتبار سے بھی بہترین ہیں... مگر تو لعین ابن لعین ہے۔ تو اور تیرا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف محاذ بناتے رہے، اور اللہ کے

Marfat.com

نور کو بجھانے کی ہر جد وجہد کرتے رہے، اس شیطانی کام کے لئے خرچ کر کے لڑنے والے جمع کرتے رہے اور قبائل کو لڑنے کی دعوت دیتے رہے، تیرا باپ یہ ہی حرکتیں کرتے کرتے مرگیا، اور اس کے بعد تو اس کا جانشین ہوا ہے، اور تو نے نفاق کی قوتوں کو اپنے گرد جمع کر لیا ہے۔

اس کے برخلاف علی کے فضل و کرم کے ساتھ وہ مہاجرین و انصار ہیں جن کی فضیلت اللہ نے بیان کی ہے۔ اور وہ لوگ علی کے ساتھ ہیں جو ان کی اتباع میں حق پاتے ہیں۔ اور ان کی مخالفت میں شقاوت پاتے ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں۔ اور ان کے وصی ہیں اور ان کی اولاد کو نسل دینے والے ہیں۔ وہ علی ہیں جن کو رسول نے اپنے اسرار بتائے۔ اور اپنی ذمہ داریاں بتائیں۔

اور تو ان کا دشمن ہے، اور دشمن باپ کا بیٹا ہے، پس جب تک ہو سکے، دنیا کمائے اور ابن العاص کی امداد بھی شامل کرے، لیکن تجھے موت آنے والی ہے۔ جب کہ تیرا سارا مکرو فریب کھلے گا۔ اور تجھے اس مکرو فریب کی سزا خدا دے گا۔ تیرا برا ٹھکانہ ہو گا۔

والسلام

"علی من اتبع الھدیٰ"

یہ خط محمد بن ابو بکر صدیق نے مصر سے ہی معاویہ کو لکھا تھا۔ معاویہ نے

اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔ یہ خط حقائق و واقعات اور دینی و اسلامی جذبات سے لبریز ہے۔ اور معاویہ کا جواب یہ ہے کہ خط بھیجنے والے صحابی کو گدھے کی کھال میں بھر کر آگ میں جلا دیا۔ اس سے معاویہ کے کریکٹر پر روشنی پڑتی ہے۔

بہرکیف اب شمہ حال ان اختلافات کا سنئے، جو بی بی عائشہ اور حضرت علیؑ کے درمیان تھے۔

Marfat.com

— ۱۱ —

بی بی عائشہؓ اور حضرت علیؓ

جنگ جمل کا پس منظر

بہت لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ جنگ جمل کا سبب حضرت عثمان کی شہادت سے پیدا ہوا ہے، لیکن یہ خیال صرف ایک حد تک ہی درست ہے۔ زمانۂ ماضی ہو یا زمانۂ حال جنگوں کے اسباب متعدد ہوتے ہیں، کچھ فوری اور کچھ زمانۂ گزشتہ کے واقعات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ جنگ جمل کا بھی ایک پس منظر ہے جس پر اس کتاب میں نظر ڈالنا ضروری ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ اسلام کی دو ایسی ممتاز شخصیتوں کا تذکرہ ہے جن کا احترام ضروری ہے لہذا بحث کی نزاکتوں کا خیال و پاس کر کے صرف ان اشارات پر اکتفا کیا جائے گا۔ جو صحابیت کی بعض حدود کو نمایاں کر دیں۔

اس اختلاف کی سیر حاصل بحث کے لئے ضروری ہے کہ بعثت رسول کے وقت مکہ و مدینہ کے باشندوں کے مختلف گروہوں کے نظریات اور رقابتوں پر تبصرہ ہو۔ اور یہ بتایا جائے کہ ہجرت کرنے والے میں حبشہ اور مدینہ جانے والوں میں گروہوں کی تقسیم کس طرح ہوئی تھی، اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا احتیاط برتی تھی اور مہاجرین حبشہ سے بہت لوگ مدینہ میں اسلامی غلبہ ہونے کے بعد بھی کیوں جلد نہ آئے ان مہاجرین میں کن

Marfat.com

رجحانات کے لوگ تھے اور عہد رسالت میں قرآن اور رسول اللہ نے کس طرح ان کے شیرازہ کو متحد رکھا، عہد رسالت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے زمانوں میں ان گروہوں کے رجحانات کا کیا عالم رہا۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ میں کس طرح یہ رجحانات سطح پر آئے، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ فتنہ کا دروازہ ٹوٹ جائے گا۔ حضرت عمر رضؓ نے حدیث کے راوی سے پوچھا کہ یہ دروازہ ٹوٹے گا یا کھلے گا۔ اور جب راوی حدیث نے بتایا کہ دروازہ ٹوٹ جائے گا، اور فتنہ کا سیلاب اسلام میں داخل ہو جائے گا۔ اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر دروازہ "کھلتا" تو اس کے بند ہونے کی امید تھی۔ لیکن اگر دروازہ ٹوٹتا ہے، تو اس کے بند ہونے کی کوئی صورت نہ ہو گی۔

حضرت عثمان کی شہادت سے یہ دروازہ ٹوٹ گیا اور فتنوں کے لئے اندر آنے کا راستہ مل گیا۔

بی بی عائشہ اور حضرت علی کے جو اختلافات عثمان کی شہادت کے بعد رونما ہو گئے ان کا پس منظر سمجھنے کے لئے تو تاریخ کے مذکورہ بالا واقعات تفصیل سے پیش ہونے چاہئیں۔ لیکن ان سب کو صرف اتنے اشارات کے بعد مصلحتاً نظر انداز کرتے ہیں، اور پس منظر میں صرف وہ چند واقعات پیش کرتے ہیں، جن کو خواص کے علاوہ عوام بھی سمجھ سکتے ہیں، اور جن کے اختلاف و تصادم کا اندیشہ کم ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بحث حدیث افک سے شروع کی جا سکتی ہے بی بی عائشہؓ کے دل میں اس وقت سے خاص طور سے حضرت علیؓ کے متعلق دل میں میل آ گیا تھا، دل میں خلش پیدا ہو گئی تھی جس کا مظاہرہ عہد رسالت میں ممکن

نہ تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات درمیان میں تھی حضرت علی، رسول اللہ کے اتنے پیارے تھے کہ ان کی پیاری بیوی بھی حضرت علی کے خلاف زبان نہیں کھول سکتی تھیں، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کے زمانوں میں چونکہ حضرت علی کا اقتدار بہت کم تھا، اور یہ دونوں خلیفہ اتنے مضبوط تھے کہ بی بی عائشہ کو اجازت بھی نہ دیتے اور بی بی عائشہ کے لئے مخالفت کا کوئی قرینہ ہی تھا اس لیئے وہ کوئی مخالفانہ مظاہرہ نہ کرسکیں یا یہ کہیئے۔ کہ انھوں نے ضرورت ہی نہ سمجھی۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں حضرت علی کی مخالف پارٹی ہر طرف کلیدی جگہوں پر قبضہ کر رہی تھی، اس لیئے بی بی عائشہ کو مخالفت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بنی امیہ اس عہد میں خصوصاً اس دور کے آخر میں تو بنی امیہ کا پلان ہی یہ تھا کہ حکومت واقتدار اب بنی امیہ سے نکلنے نہ پائے ابوسفیان نے تو حضرت عثمان کے خلیفہ بنتے ہی ان کو یہ مشورہ دیا کہ اب حکومت کو ایسے طریقے پر چلایا جائے کہ بنی امیہ میں ہی اقتدار برقرار رہے، اس وقت حضرت عثمان نے ابوسفیان کا مشورہ رد کردیا تھا لیکن بنی امیہ کے دوسرے لوگوں نے حضرت عثمان کے اس فیصلہ کے باوجود ابوسفیان کے مشورہ پر عمل کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ ان ہی لوگوں نے حضرت عثمان کو بدنام بھی کرایا۔ اور ان کے قتل کا باعث بھی ہوئے۔ حضرت عثمان کو مدینہ میں آمنا بر دلعزیز بنا دیا کہ جب حضرت عثمان کے مکان کا مخالفوں نے محاصرہ کرلیا تو مدینہ کے انصار و مہاجرین اس حصار کو نہ توڑ سکے، حضرت علی نے حضرت عثمان کی حفاظت کے انتظامات کئے بھی مگر ان کے مخالفین نے ناکام بنا دیا۔ بعض صحابہ نے اگر حضرت عثمان کے حق میں آواز اٹھائی بھی تو دوسرے صحابہ نے اس آواز کو دبا دیا۔

Marfat.com

حضرت عثمان کی غیر ہر دلعزیزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ شہادت کے بعد بھی تیسرے دن اور وہ بھی رات کی تاریکی میں ان کو دفن کیا جا سکا مزید یہ کہ ان کو جنت البقیع میں دفن نہیں کیا جا سکا بلکہ یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا۔ اس زمین کو بعد میں عہد معاویہ میں درمیان کی دیوار گرا کر جنت البقیع میں شامل کیا گیا۔ تاکہ حضرت عثمان کی قبر اس میں آجائے۔

بہرکیف واقعہ افک کے بعد سے حضرت عثمان کی شہادت تک بی بی عائشہ کے لئے کھلی مخالفت کا کوئی سبب پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس دور میں بی بی عائشہ کا دل صاف تھا۔ بعض واقعات ایسے کتابوں میں موجود ہیں۔ جن سے دل کے اس بخار کا شبہ محدثین و مورخین کو ہوا ہے۔

بخاری کے ابواب الامامہ اور کتاب المغازی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے متعلق احادیث ہیں۔ جن میں بتایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا۔ تو اس وقت وہ بی بی عائشہ کی کوٹھری میں جانا چاہتے تھے، مگر چلنے کی طاقت نہیں تھی لہذا ان کو دو آدمی سہارا دے کر لے گئے، اس حدیث کو روایت بی بی عائشہ سے ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "عباس اور ایک دوسرا آدمی لے جا رہے تھے۔

اس روایت میں عائشہ سے نیچے کے راوی عبید اللہ ہیں۔ انھوں نے اس حدیث کو ابن عباس سے بیان کیا۔ تو ابن عباس نے بتایا کہ عائشہ نے جس دوسرے آدمی کا نام نہیں بتایا۔ وہ علی بن ابی طالب ہیں۔ حدیث کا متعلقہ ٹکرا حسب ذیل ہے:-

فاخبرت عبد الله بالذی قالت عائشۃ فقال لی عبد اللہ ابن عباس ھل تدری من الرجل الآخر الذی لم تسم عائشۃ قلت لا قال ابن عباس ھو علی ابن ابی طالب۔	عبید اللہ نے کہا میں نے عبداللہ کو بتایا کہ عائشہ نے ایسا کہا تو عبداللہ ابن عباس نے کہا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا آدمی کون تھا؟ جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا۔ کہا میں نے میں نہیں جانتا۔ ابن عباس نے کہا کہ وہ علی ابن ابی طالب تھے،

اس حدیث میں بی بی عائشہ نے رسول اللہ کو سہارا دینے والے "دوسرے آدمی" کا نام جو نہیں بتایا تو اس پر محدثین نے چہ میگوئیاں کی ہیں بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ بی بی عائشہ کے دل میں حضرت علی کے لئے بعض ایسے جذبات مخالفانہ تھے کہ ان کے زیر اثر انھوں نے حدیث میں ان کا نام لینا گوارا نہیں کیا۔ بلکہ "دوسرا شخص" کہہ کر اس دوسرے آدمی کے لئے ابہام پیدا کر دیا۔

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں الحواب الامامۃ والی روایت میں "قال ھو علی بن ابی طالب" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

زاد الاسماعیلی من روایۃ عبد الرزاق عن معمر ولکن عائشۃ لا تطیب نفسا لہ بخیر ولابن اسحاق فی المغازی عن الزھری ولکنھا لا تقدر علی ان تذکرہ بخیر۔	اسماعیلی نے عبدالرزاق سے اور انھوں نے معمر سے آثار روایت میں بڑھایا ہے "لیکن عائشہ اپنے دل میں اس (علی) کے متعلق اچھا نہیں رکھتی تھیں اور ابن اسحاق نے مغازی میں زہری سے روایت کیا ہے "لیکن وہ (عائشہ) اسکا (یعنی علی) کا ذکر خیر کے ساتھ نہیں کر سکتی تھیں

کرمانی نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ اضافہ ان کے علم میں نہیں اور عائشہ کے متعلق یہ سوء ظنی ٹھیک نہیں۔ انھوں نے یہ تشریح کی کہ عائشہ نے دوسرے آدمی کا نام

Marfat.com

اس لئے نہیں دیا ہے کہ راستہ میں عباس بن عبد المطلب تو قائم رہے مگر دوسری طرف کا آدمی بدلتا رہتا تھا۔ کبھی اسامہ سہارا دیتے تھے، کبھی فضل، اور کبھی علی۔ لیکن آگے ابن حجر لکھتے ہیں کہ عائشہ نے دوسرے آدمی کے متعلق جو ابہام پیدا کیا ہے ابن عباس کی تشریح اس کی مذکورہ بالا توجیہات کے خلاف ہے کیونکہ ابن عباس کی تشریح سے ثابت ہوتا ہے کہ علی راستہ بھر حضور کو سہارا دے رہے تھے لہذا یہ دعویٰ غلط ہے کہ عباس تو ساتھ رہے اور دوسری طرف آدمی بدلتا رہا۔

ہم اس روایت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرنا نہیں چاہتے ہمارا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ ایسے محدثین بھی ہیں جن کا خیال ہے کہ بی بی عائشہ کے دل میں حضرت علی کے متعلق کدورت تھی۔

صحیح مسلم میں بھی جو روایات ہیں ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ بی بی عائشہ کے دل میں کدورت تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کدورت کیسے پیدا ہوئی، اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ جب بی بی عائشہ پر غزوۂ مریسیع میں تہمت کا واقعہ پیش آیا تھا۔ اور منافقین کے پروپیگنڈے کے ساتھ بعض صحابہ بھی ملوث ہو گئے تھے حضرت علی کا رویہ بی بی عائشہ کے نزدیک قابل اطمینان نہیں تھا۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت علی اس پروپیگنڈے میں شریک نہیں تھے مگر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشورہ دیا تھا، اس سے بی بی عائشہ کو غلط فہمی ہو گئی ہے، یہ مشورہ اس وقت دیا گیا تھا۔ جب اس تہمت کے واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پریشان کر رکھا تھا۔ ادھر بی بی عائشہ کو دن رات رونے سے کام تھا۔ اور سبھی صحابہ بہت پریشان تھے۔ ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے مشورہ کیا

Marfat.com

حضرت علی نے رسول اللہ کی بیحد پریشانی اور رنج کو دیکھ کر بقول بی بی عائشہ مشورہ دیا :-

اما علی فقال یا رسول اللہ
لم یضیق اللہ علیک والنساء
سواہا کثیر وسل الجاریۃ
تصدقک قالت فدعا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریرہ
فقال ای بریرۃ ہل رأیت من
شیٔ یریبک قالت لہ بریرہ والذی
بعثک بالحق ما رأیت علیہا
امرا اغمصہ عنی انہا جاریہ
حدیثۃ السن تنام عن عجین
اہلہا فتاتی الداجن فتاکلہ
قالت فقام رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من یومہ فاستعذر
من عبد اللہ بن ابی وہو علی المنبر
فقال یا معشر المسلمین من
یعذرنی من رجل قد بلغنی
عنہ اذاہ فی اہلی واللہ ما
علمت علی اہلی الا خیرا...

اب رہے علی تو انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ پر اللہ نے اس بارے میں تنگی نہیں کی ہے اور عورتیں اس کے سوا اور بہت ہیں۔ اور آپ لونڈی سے پوچھ لیجئے وہ سچ بات کہدیگی۔ (عائشہ نے) کہا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا، اس سے کہا اے بریرہ کیا تو نے کوئی مشتبہ بات دیکھی ہے، بریرہ نے جواب دیا، اس خدا کی قسم جس نے تم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا۔ میں نے کبھی ایسی بات نہیں دیکھی سوائے اس کے کہ یہ نوعمر لڑکی ہے خمیر کو چھوڑ کر سو جاتی ہے، اور بکری آکر کھا جاتی ہے پھر عائشہ نے کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر منبر پر فرمایا کہ میں عبد اللہ بن ابی سے دق ہوں، اس آدمی سے مجھے کون نجات دلائے گا جو میرے اہل کے بارے میں تکلیف پہنچاتا ہے حالانکہ میں اپنے اہل کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتا۔

اس حدیث میں حضرت علی کا مشورہ قابل توجہ ہے، اس پر بھی مومنین کا

اختلاف ہے کہ یہ مشورہ بی بی عائشہ کے حق میں تھا۔ یا مخالفت میں اور یا بین بین تھا جو نہ مخالف تھا نہ موافق۔

جو لوگ حضرت علی کے اس مشورہ کو مخالفانہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ اے رسول اللہ آپ کے لئے اور بہت عورتیں ہیں کسی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں رسول اللہ کو حضرت علی نے ترغیب دی کہ عائشہ کو چھوڑ دیجئے۔ اور اس کی بجائے کسی دوسری عورت سے نکاح

جو لوگ اس مشورہ کو عائشہ کی موافقت میں قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ نے عورتیں تو بہت پیدا کی تھیں اور ان کے انتخاب میں تنگی نہیں تھی، اس کے باوجود آپ کے لئے اللہ نے عائشہ کو منتخب کیا تھا (اس لئے ایسا شبہ مناسب نہیں) آپ لونڈی سے (جو عائشہ کے ساتھ رہتی ہے)، پوچھ لیجئے وہ اس خیال کی تصدیق کر دیگی، مثلاً مرزا حیرت دہلوی نے بخاری کا جو ترجمہ کیا ہے اس میں اس حدیث کے ذیل میں یہ نوٹ دیا ہے۔

"اس سے حضرت علی کا حضرت عائشہ کی برائی مقصود نہیں بلکہ ان کی برئیت بیان کرنا مقصود ہے، کیونکہ باوجود کثیر عورتیں ہونے کے جب اللہ نے اپنے رسول کے واسطے عائشہ کو پسند کیا تو معلوم ہوا وہ سب سے بری ہیں۔"

جو لوگ تیسرا نقطۂ نظر رکھتے ہیں، وہ حدیث کے الفاظ کے یہ معنی لیتے ہیں کہ حضرت علی نے تہمت کے متعلق کوئی رائے اثبات یا نفی میں نہیں دی بلکہ اس پر زور دیا کہ لونڈی جو ساتھ رہتی ہے اس سے تحقیق کیجئے، اس کی شہادت اہم ہوگی۔ اور اگر تحقیق میں تہمت صحیح ثابت ہو تو آپ کے لئے پریشانی کی ضرورت نہیں، عورتوں کی آپ کے لئے کوئی کمی نہیں۔

ہمارے نزدیک آخر الذکر نقطۂ نظر صحیح ہے، حضرت علی کے لئے بی بی عائشہ کی مخالفت د موافقت کا کوئی سوال نہیں تھا، ان کے پیش نظر رسول اللہ کی پریشانی کا مسئلہ تھا لہذا انھوں نے عورتوں کی کثرت کا ایک عام واقعہ اور اصول بیان کرکے لونڈی سے تحقیق کرنے کا نہایت صائب اور غیر جانبدارانہ مشورہ دیا۔

لیکن نتائج کے اعتبار سے حضرت علی کا مشورہ بی بی عائشہ کی موافقت میں ثابت ہوا کیونکہ بریرہ سے تحقیقات کے بعد سے ہی رسول اللہ کا رویہ اس بارے میں بدل گیا۔ یہ تبدیلی بی بی عائشہ کے حق میں تھی، مثلاً رسول اللہ نے بریرہ کا بیان لینے کے بعد ہی منبر پر کھڑے ہوکر عبد اللہ بن ابی اور دوسرے منافقین کی شکایت کی، اور اس کے بعد ہی آپ نے بی بی عائشہ کے پاس بیٹھ کر سب باتیں کیں جن کے نتیجہ میں ان کی برات کے لئے وحی آئی ورنہ حضرت علی کے مشورہ اور بریرہ سے تصدیق سے قبل حضور عائشہ سے کلام کرتے تھے۔ اور نہ قریب جاکر بیٹھتے تھے۔

حدیث کے بعض قابل ذکر پہلو

چونکہ حضرت علی اور بی بی عائشہ کے اختلافات پر اس حدیث کے سلسلہ میں محدثین نے متضاد مگر اہم باتیں کہی ہیں اس لئے یہاں قدرے تفصیل درکار ہے

پہلی بات تو یہ جاذب توجہ ہے کہ حضرت علی کے جو جملے حدیث میں شامل ان کی راوی بی بی عائشہ ہیں، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بی بی عائشہ نے حضرت علی کے یہ جملے کس سے سنے، حدیث کے متن میں یا اور کسی روایت میں یہ نہیں بتایا گیا۔ کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ کو بتایا کہ میں نے علی سے ایسا

Marfat.com

پوچھا تو انھوں ایسا جواب دیا۔

نیز یہ کہ یقین کے ساتھ نہ سہی تاہم اغلب گمان کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ نے حضرت علی سے یہ مشورہ بالکل خلوت میں کیا ہوگا۔ لہذا یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ بی بی عائشہ کو حضرت علی کے فقرے تک معلوم ہوگئے حد یں جو فقرات حضرات علی کے ساتھ منسوب کئے گئے ہیں، ان کے الفاظ کی اس لئے اہمیت ہے کہ الفاظ کے معنی ہی پہنا کر مختلف مطلب نکال رہے ہیں۔ حدیث کے اس پہلو پر مفصل بحث درکار ہے۔

دوسری اہمیت یہ ہے کہ بخاری نے اس حدیث کے ساتھ ایک اور روایت بھی اسی باب میں لکھی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی امیہ نے اس حدیث کے مبہم الفاظ سے فائدہ اٹھا کر حضرت علی کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ بخاری کی یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

حدثنی عبد اللہ ابن محمد قال املی علی ہشام ابن یوسف من حفظہ قال اخبرنا معمر عن الزہری قال قال لی الولید بن عبد الملک ابلغک ان علیا کان فیمن قذف عائشۃ قلت لا ولکن قد اخبرنی رجلان من قومک ابو سلمۃ بن عبد الرحمن و ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث ان عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت لہما کان علی

عبد اللہ بن محمد نے روایت کیا کہ ہشام ابن یوسف نے اپنی یاد سے کہا کہ معمر نے زہری سے ہم کو بتایا کہ انھوں نے کہا کہ مجھ سے ولید بن عبد الملک نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہوا کہ عائشہ پر تہمت لگانے والوں میں علی بھی تھے، میں نے کہا کہ نہیں بلکہ مجھے تیری قوم کے دو آدمیوں نے بتایا جن کے نام ابو سلمہ بن عبد الرحمن اور ابو بکر بن عبد الرحمن بن الحارث ہیں کہ ان سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ علی میرے معاملے میں خاموش

مسلمانی شانھا نزاجعوہ فلم یرجیع وقال مسلما لاشک فیہ وعلیہ وکان فی الحنین کفالک

تھے، وہ واپس ہوتے اور وہ پھر لوٹ کر نہیں گیا۔ اس میں شک نہیں کہ انھوں نے خاموش کہا تھا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

اس کے بعد بخاری میں ایک اور حدیث اسی باب میں ہے، اسے بھی سامنے رکھئے، تاکہ معاملہ فہمی میں آسانی ہو، اس حدیث کے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے:-

سرورق بن الاجارع کہتے ہیں۔ مجھ سے ام رومان نے جو عائشہ کی ماں ہیں۔ حدیث بیان کی۔ وہ کہتی ہیں اور عائشہ بیٹھے تھے کہ ایک انصاری عورت آئی اور کہنے لگی، خدا فلاں کرے۔ ام رومان نے کہا۔ یہ کیا بات تو نے کہی، وہ بولی میرا بیٹا بھی تہمت لگانے والوں میں ہے، ام رومان نے کہا تہمت کا کیا قصہ ہے اس نے تمام قصہ بیان کیا، عائشہ نے پوچھا۔ کہ رسول اللہ نے بھی یہ بات سنی ہے، وہ بولی ہاں۔ عائشہ بیہوش ہو کر گر پڑیں۔ ہوشیار ہوئیں تو انھیں کپکپی کا بخار چڑھ رہا تھا میں نے عائشہ پر کپڑے ڈال دیئے اور انھیں ڈھانک دیا رسول اللہ عائشہ کو زلزلہ کا بخار چڑھا ہوا ہے، رسول اللہ نے فرمایا شاید عائشہ کو اس ذکر کے سننے سے جو لوگ کہتے ہیں بخار آگیا، میں نے کہا ہاں، عائشہ اٹھ بیٹھی اور بولی بخدا اگر میں قسمیہ بھی کہوں تو تم میری تصدیق نہ کرو گے اور اگر میں اپنا عذر بیان کرتی ہوں تو میرا عذر نہ سنو گے، میری اور تمہاری مثال یعقوب اور اس کے بیٹوں کی سی ہے جبکہ یعقوب نے واللہ المستعان علی ما

Marfat.com

تصفون کہا یعنی اللہ سے ہی تمہاری باتوں پر مدد مانگی جا سکتی ہے، اُم روماں کہتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے اور کچھ جواب نہ دیا۔ پھر اللہ نے عذر اتارا تو عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ میں اللہ ہی کا شکر ادا کرونگی، نہ آپ کا نہ اور کسی کا۔ مجھ پر اس بریت کا شکر لازم ہے۔"

(اوپر صرف دو روائتیں بخاری سے نقل کی ہیں اور تیسری بہت ہی طویل روایت کا وہ حصہ نقل کیا ہے، جس سے حضرت علی کے مشورہ کا تعلق ہے۔

اس حدیث کی روایتوں میں تضاد پائے جاتے ہیں، مثلاً بی بی عائشہ سے جو روایت مروی ہے اس پر بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے قرآن کی آیت یعقوب اور ان کے بیٹوں والی رسول اللہ کو سنائی تو رسول اللہ اٹھنے نہ پائے کہ میری براۃ کے متعلق وحی آگئی، لیکن ام رومان والی روایت میں ہے کہ بی بی عائشہ نے جب یہ آیت سنائی تو رسول اللہ بغیر کوئی جواب دیئے، باہر چلے گئے اور پھر جب وحی کے ذریعہ براۃ آئی تو ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔

دونوں روائیتوں میں رسول اللہ کا طرز عمل نہایت بے لاگ، صاف اور پرزور الفاظ میں بتایا گیا ہے، بی بی عائشہ فرماتی ہیں۔

فواللہ مارام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلسہ ولا خرج احد من اھل البیت حتی انزل علیہ فاخذہ ما کان یاخذہ من البرحاء حتی اخذ لا یجد رسہ العراق مثل الجمان وھو فی یوم ستان	پس اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے نہ اٹھنے پائے اور نہ کوئی اور گھر سے باہر جانے پایا۔ اہلبیت میں سے کہ آپ پر وحی اتری اور شدت آپ پر نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی، وہ ہوئی اور وحی کے بوجھ سے پسینہ موتیوں کی طرح

Marfat.com

من ثقل القول الذی انزل علیہ قالت فسری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یضحک فکانت اول کلمۃ تکلم بھا ان قال یا عائشۃ اما اللہ فقد برأک قالت فقالت لی امی قومی الیہ... الخ

ٹپکنے لگا حالانکہ وہ سردی کا دن تھا پھر وہ سختی دور ہوئی تو آپ اس حالت سے ہنستے ہوئے اٹھے پس پہلی بات جو آپ نے کہی یہ تھی کہ اے عائشہ اللہ نے تجھے بری کر دیا ہے۔ بی بی عائشہ فرماتی ہیں تو میری ماں نے مجھ سے کہا اٹھو اور رسول اللہ کا شکر ادا کر.... الخ

اس روایت میں کتنی وضاحت کے ساتھ بی بی عائشہ نے کہا ہے، کہ یعقوب اور ان کے بیٹوں کے متعلق آیت پیش کئے جانے کے بعد نہ کوئی اٹھا نہ رسول اللہ اپنی جگہ سے ہٹے اور نزول وحی شروع ہو گیا، لیکن ام رومان والی روایت میں بھی اتنا ہی واضح ہے کہ رسول اللہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور باہر چلے گئے (فقالت والصرف ولم یقل شیئاً) یہ تضاد ان حدیثوں کو مشتبہ بنا دیتا ہے اس کے باوجود کہ یہ بخاری میں ہے، بخاری کی "صحیح" حدیثوں کے متعلق یہ تشریح کی جا چکی ہے کہ وہ امام بخاری کے مقرر کردہ معیار پر پوری اترتی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ بخاری کی ہر حدیث درایتاً بھی صحیح ہو، روایت اور درایت سے بسا اوقات مختلف نتائج نکلتے ہیں۔ درایت اور روایت کو جھٹلا دیتی ہے

بخاری کے باب کے عنوان سے بھی یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بخاری کو روایت قبول کرتے وقت اس سے کوئی مطلب نہ تھا کہ درایت کے لحاظ سے روایت کا کیا مرتبہ ہے اگر دو بالکل مختلف یا متضاد بیانات بھی ملتے ہیں تو بخاری ان بیانات کو اپنی "صحیح" کے لئے قبول کر لیتے ہیں، بشرطیکہ یہ بیانات ان کے معیار پر پورے اترتے ہوں، بسا اوقات جن بیانات کو وہ معیار پر پورا نہیں پاتے ان کو باب کے عنوان میں لے آتے ہیں۔ یہ تہمت کا واقعہ غزوہ مریسیع میں پیش آیا تھا۔

Marfat.com

باب کے عنوان میں امام بخاری لکھتے ہیں (وقال ابن اسحق وذالک سنتہ ست وقال موسیٰ بن عقبہ سنۃ اربع) ابن اسحٰق نے کہا کہ یہ واقعہ ۶ھ اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ ۴ھ میں پیش آیا۔

چونکہ بخاری نے ۴ھ باب کے عنوان میں لکھا ہے لہذا ابن حجر نے فتح الباری میں یہ تصریح کردی ہے کہ ابن عمر سے بخاری نے جہاد کے بیان میں روایت کیا ہے کہ انہ غزا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی المصطلق فی شعبان سنتہ اربع (عبداللہ بن عمر نے بنی المصطلق کے غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی، اور یہ شعبان ۴ھ میں ہوا) الغرض اس غزوہ کے سال کے متعلق بہت اختلاف ہے ۴ھ ۵ھ اور ۶ھ مختلف روایتوں میں ہیں۔ ان اختلافات سے بھی روایت میں ایک قسم کی کمزوری ہے۔

ایک اور اہم اختلاف بھی ملاحظہ ہو۔ امام بخاری کی اس روایت کے لحاظ سے یہ افک کا واقعہ شعبان ۴ھ میں ہوا، لیکن شعبان ۴ھ میں یہ واقعہ کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ آیۂ حجاب ذی قعدہ ۵ھ میں نازل ہوئی تھی اس حدیث میں بی بی عائشہ نے بتایا ہے کہ یہ واقعہ آیہ حجاب کے نزول کے بعد کا ہے، کیونکہ جب وہ لشکر کے پیچھے رہ گئی تھیں تو صفوان نے انھیں سوتے ہوئے پہچان لیا۔ کیونکہ آیہ حجاب سے قبل وہ دیکھ چکا تھا۔ بخاری کی حدیث کا یہ ٹکڑا ملاحظہ ہو۔

فبینا انا جالسۃ فی منزلی غلبتنی عینی فنمت وکان صفوان بن المعطل السلمی ثم الذکوانی من وراء الجیش فاصبح عند منزلی فرای سواد انسان نائم فعرفنی حین رآنی وکان

اس طرح میں اپنی جگہ بیٹھی تھی مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا تو سو گئی۔ صفوان بن المعطل السلمی ثم ذکوانی جو لشکر کے پیچھے رہتا تھا، میرے قریب پہنچا اور سوتے آدمی کا سایہ دیکھ اس نے مجھے پہچان لیا جب اس نے مجھے

Marfat.com

وكان رآني قبل الحجاب فاستيقظت
باسترجاعه حين عرفني فخمرت وجهي
بجلبابي والله ما يكلمنا بكلمة
ولا سمعت منه كلمة غير استرجاعه
وهوى حتى اناخ راحلته فوطئ
على يدها فقمت اليها فركبتها
فانطلق يقود بي الراحلة حتى
اتينا الجيش موغرين في نحر
الظهيرة .... الخ

کیونکہ اس نے مجھے پردہ کا حکم آنے سے قبل دیکھا تھا اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جس سے میں بیدار ہوگئی اور اپنی چادر سے منھ چھپا لیا نہ اس سے کوئی بات کی اور نہ انا للہ وانا الیہ راجعون کے علاوہ کوئی بات اس سے سنی. صفوان نے اتر کر اور اپنی سواری کو بٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دئے میں اٹھ کر اس پر سوار ہوگئی صفوان سواری کو کھینچتا ہوا چلا یہاں تک کہ ہم لشکر میں پہنچ گئی، گرمی میں بوقت دوپہر۔

بی بی عائشہ کا اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے، پھر یہ شعبان سنہ ۴ھ میں کیسے پیش آسکتا ہے؟ پردہ کی آیت زینب بنت جحش کے نکاح کے وقت یا اس کے بعد جلد ہی نازل ہوئی تھی اور یہ نکاح طبری کے مطابق سنہ ۵ھ میں ہوا تھا۔ ابن حجر عسقلانی نے بھی بخاری کی "کئی جماع کے بعد ایک غسل" والی حدیث کی شرح میں زینب بنت جحش کا نکاح سنہ ۵ھ میں ہی بتایا ہے. طبری نے بی بی عائشہ کی تہمت کا واقعہ (حدیث افک) سنہ ۶ھ کا بتایا ہے، اگر سنہ ۶ھ کا واقعہ اسے تسلیم کرلیں تو جس تضاد کی طرف ہم توجہ دلا رہے ہیں. وہ ختم ہوجائے گا اور بی بی عائشہ کی روایت کا یہ فقرہ کہ صفوان نے مجھے نزول حجاب سے پہلے دیکھا تھا ٹھیک ہوجائے گا۔ مگر تعجب ہے کہ امام بخاری نے باب کے عنوان میں اور عبداللہ بن عمر والی روایت میں سنہ ۴ھ کو کیوں قبول کیا۔ انھوں نے سنہ ۶ھ کا بھی تذکرہ کیا اور بعض محدثین

Marfat.com

ساری اہمیت اسی کو دیدی۔

ایک اور عجیب تضاد ہے، بی بی عائشہ والی طویل روایت میں بتایا گیا ہے کہ تہمت کی خبر بی بی عائشہ کو ام مسطح سے پہلی بار معلوم ہوئی جبکہ یہ دونوں جنگل میں رفع حاجت کے لئے گئی تھیں، وہاں سے واپسی کے دوران ام مسطح نے اپنے بیٹے کو برا بھلا کہا اس پر بی بی عائشہ نے ٹوکا کہ مسطح بدری ہے اور تم اس کو اس طرح برائی کرتی ہو! ام مسطح نے کہا تجھے خبر بھی ہے کہ وہ کیا کہتا پھرتا ہے، میں نے پوچھا کیا کہتا ہے، ام مسطح تہمت کی بات بتا چکی تو عائشہ گھر آئی تو اس کی بیماری خطرناک ہو گئی۔

اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہیئے کہ بی بی عائشہ کو یہ خبر پہلے ام مسطح سے ملی، لیکن ام رومان والی حدیث میں بتایا گیا ہے، کہ ایک انصاری عورت سے سب سے پہلے خبر ملی، ملاحظہ ہو، اس حدیث کا یہ متعلقہ حصہ:

"سروق بن الاجدع کہتے ہیں، مجھ سے ام رومان نے جو عائشہ کی ماں ہیں۔ حدیث بیان کی۔ وہ کہتی ہیں، میں اور عائشہ بیٹھے تھے کہ ایک انصاری عورت آئی اور کہنے لگی کہ خدا فلاں کے ساتھ برائی کرے، ام رومان نے کہا اس کا مطلب کیا؟ وہ بولی میرا بیٹا بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہے، ام رومان نے پوچھا تہمت کا کیا واقعہ ہے اس نے تمام قصہ بیان کیا، عائشہ نے پوچھا کیا رسول اللہ نے بھی یہ بات سنی ہے، وہ بولی ہاں۔ عائشہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔"

واضح رہے کہ ام مسطح انصاد عورت نہیں تھیں۔ خود بی بی عائشہ والی طویل حدیث میں ام مسطح کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

Marfat.com

"جوابی رہم بن عبد المطلب بن مناف کی بیٹی ہیں۔ اور ام مسطح کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی ہیں جو ابو بکر کی خالہ تھیں۔ ان کا بیٹا مسطح اثاثہ بن عباد بن عبد المطلب کا بیٹا ہے۔"

ظاہر ہے کہ ام مسطح اور ایک انصاریہ میں بہت فرق ہے اور حدیث میں اس بارے میں بھی تضاد ہے۔

اس حدیث میں حضرت علی نے جو مشورہ بی بی عائشہ کے معاملہ میں رسول اللہ کو دیا تھا اس میں حدیث کے متن کا ترجمہ کرنے والوں نے بھی۔ ایک غلط فہمی پیدا کر دی ہے، عائشہ والی طویل حدیث میں بتایا گیا ہے، کہ رسول اللہ نے حضرت علی کے ساتھ اسامہ بن زید سے بھی مشورہ کیا تھا۔ غالبًا ان دو آدمیوں کو مشورہ کے لئے منتخب کرنے کا سبب یہ تھا کہ یہ دونوں رسول اللہ کے معتمد علیہ بھی تھے اور دونوں کا رسول اللہ کی گھریلو زندگی سے خاص تعلق تھا حضرت علی سے جو گہرا تعلق تھا وہ کسی تصریح کا محتاج نہیں، لیکن اسامہ بھی گھر کے ہی آدمی تھے اور محبوب رسول تھے، وہ زید بن حارثہ کے بیٹے تھے جو حضور کے آزاد کردہ غلام تھے اور منہ بولے بیٹے کہلاتے تھے نیز انکی ماں برکہ رسول اللہ کی کھلائی تھیں۔

حدیث میں عائشہ بتاتی ہیں کہ "فاما اسامۃ فاشار علی رسول اللہ...." تو اسامہ نے رسول اللہ کو مشورہ دیا کہ وہ .... ان کی بیوی کے متعلق سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں جانتے .... "واما علی فقال یا رسول اللہ .... الخ

حدیث کے اس فقرہ میں "واما" کا ترجمہ اگر لیکن سے کر دو۔ تو پڑھنے والے پر یہ اثر پڑتا ہے کہ حضرت علی کا مشورہ اسامہ کے مشورہ کے خلاف تھا یا کم از کم ایسا محسوس تھا۔ جو بی بی عائشہ کے مفاد کے خلاف تھا۔ لیکن اگر "واما علی"

کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ "اب رہے علی تو انھوں نے کہا ...." تو حضرت علی کی پوزیشن ایک غیر جانبدارانہ مشیر کی سی ہو جاتی ہے، عائشہ کا بیان اسامہ کے مشورہ اور حضرت علی دونوں کے مشورہ کے متعلق حدیث میں "واما" سے ہی شروع ہوتا ہے، پھر کوئی وجہ نہیں دونوں جگہ کے ترجموں میں اختلاف کیا جائے

اس تمام بحث کا انجام یہ دکھانا ہے کہ حضرت علی نے عائشہ کے معاملہ میں نہ مخالفت کی نہ موافقت کی بلکہ تحقیقات کا ایک طریقہ بتا دیا اور ساتھ ہی کہدیا کہ آپ اتنے پریشان نہ ہوں، آپ کے لئے عورتوں کی کمی نہیں ہے جبکہ حضرت علی کو تہمت کے واقعہ کی حقیقت بالکل نہیں معلوم تھی تو وہ کوئی فیصلہ کن بات کیسے کہتے لہذا آپ نے ایک اصولی بات کہتے ہوئے تحقیقات کا راستہ بتا دیا لہذا لہذا ہمارے خیال میں وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو حضرت علی کے مشورہ کو مخالفانہ قرار دیتے ہیں اور وہ بھی غلطی پر ہیں جو اس مشورہ کو بی بی عائشہ کے حق میں ثابت کرتے ہیں۔ حدیث میں جو الفاظ حضرت علی کی طرف سے منسوب ہیں، ان کے یہ معنی پہنانا دماغ کی اپج ہے کہ عورتیں دنیا میں بہت تھیں۔ اور آپ کے لئے کوئی تنگی نہیں تھی۔ مگر اس کے باوجود اللہ کے آپ کے لئے عائشہ کو منتخب کیا تھا۔ یہ معنی حضرت علی کے الفاظ سے پیدا نہیں ہوتے

الحاصل حضرت علی کا مشورہ بالکل غیر جانبدارانہ تھا، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس مشورہ کا انجام بی بی عائشہ کے لئے مفید ہوا، کیونکہ بریرہ نے عائشہ کے کریکٹر کی تصدیق کر دی اور اس کے بعد فوراً ہی رسول اللہ نے ایسے اقدامات کئے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کا دل عائشہ کے متعلق صاف ہونے لگا۔

ان حدیثوں میں ایک تضاد اور بھی ہے، وہ یہ کہ بی بی عائشہ والی حدیث میں ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کے پاس آئے اور پوچھے

Marfat.com

لگے کہ:—

"اے عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی اور ایسی خبریں پہنچی ہیں۔ اگر تو بری ہے تو عنقریب اللہ تیرا بری ہونا بیان کر دیگا، اور اگر تجھ سے گناہ ہو گیا ہے، تو اللہ سے اپنی بخشش کی دعا کر اور اس کی طرف رجوع کر کیونکہ جب بندہ گناہ کا اقرار کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس پر رجوع ہوتا ہے۔۔۔ الخ"

یہ اتنا اہم واقعہ ام رومان کی حدیث میں نہیں ہے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ سے یہ توقع بھی نہیں کی جاتی کہ وہ عائشہ کو اس مرحلہ پر ایسا مشورہ دیتے کیونکہ اس مشورہ کے ساتھ زنا کی حد اور رسول اللہ کے نکاح میں رکھنے کا سوال آتا۔ اگر رسول اللہ کو اس بارے میں وحی کی توقع تھی تو یہ مشورہ بالکل غیر متوقع ہے۔
بہر کیف ولید بن عبدالملک والی حدیث میں بی بی عائشہ کی طرف سے یہ الفاظ ہیں کہ "علی میرے معاملہ میں مسلم رہے۔"

ایک اور اختلاف ان روایتوں کا قابل ذکر ہے، اور اس لحاظ سے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناصبیوں نے حضرت علی کے خلاف کذب وافترا کا کتنا طومار کھڑا کیا تھا۔

یہ اختلاف ولید بن عبدالملک والی حدیث میں ہے، اس حدیث میں جب ولید بن عبدالملک کہتا ہے کہ علی نے عائشہ پر تہمت لگانے میں تعاون کیا۔ تو راوی نے ولید کو جھٹلایا اور ثبوت میں عائشہ کا یہ قول نقل کیا: "کان علی مسلما فی شانها" (علی تھے خاموش ان کے معاملے میں) حدیث کے ہر فقرے میں "مسلما" کا ترجمہ ہم نے "خاموش" کیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت علی نے جو مشورہ دیا، وہ عائشہ کے خلاف نہ تھا، لیکن

Marfat.com

اس روایت کے اور بھی طرق ہیں جن میں "مسلماً" کے بجائے "مسیئاً" آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ علی نے جو مشورہ عائشہ کے بارے میں رسول اللہ کو دیا۔ وہ مخالفانہ تھا جو برائی کے ساتھ دیا گیا تھا اور بری نیت سے دیا گیا تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے ان علیا اساء فی شانہ (علی نے میرے بارے میں بری بات کہی) کمال یہ ہے کہ بعض محدثین نے خود بخاری سے "مسیئاً" میں روایت کیا ہے، اس طرح خود بخاری کے ماننے والے محدثین میں اختلاف ہو گیا ہے۔

اس اختلاف پر شارح بخاری ابن حجر عسقلانی نے جو رائے ظاہر کی ہے ذرا اس پر بھی غور کیجئے انھوں نے فتح الباری میں اس شرح کرتے ہوئے لکھا ہے

"بعض ناصبیوں نے بنی امیہ کی طرف اس جھوٹ کے ساتھ رجوع کیا، پس انھوں نے تحریف کر دی، عائشہ کے قول میں اور اسے نیا رخ دیدیا۔ یہ انھوں نے جان بوجھ کر علی کی مخالفت کے لئے کیا، پس لوگوں نے اس کو اس وقت تک صحیح جانا جب تک ولید سے زہری نے یہ نہ کہا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اللہ اس (زہری) کو جزائے خیر دے اور زہری نے بتایا کہ ہشام بن عبد الملک بھی اسی پر اعتقاد رکھتا تھا۔"

اس سے اندازہ ہو گا کہ بخاری کی حدیثوں تک میں مفسدہ پردازوں کی کارگزاری موجود ہے اور بنو امیہ نے کس کس طرح حدیثوں میں ایسا عنصر داخل کیا ہے جو حضرت علی کے خلاف ہے۔

اس سلسلہ کی ابھی اور کڑیاں باقی ہیں، قرآن شریف میں متعدد آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں، جن سے حضرت علی کی مدح کا پہلو نکلتا ہے، قرآن کی آیتیں آیات کی شان نزول حضرت علی کے متعلق ہے، اتنی آیتوں کا نزول کسی بھی صحابی

Marfat.com

کے متعلق نہیں بلکہ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ جتنی آیات تمام صحابہ کیلئے مجموعی طور سے بھی نہیں آئیں۔ ان تمام آیتوں سے حضرت علی کی عظمت کا ثبوت ملتا ہے۔ اتنی تعداد سنی مفسرین کے نزدیک ہے، شیعہ مفسرین کے نزدیک یہ تعداد اور بھی زیادہ ہے لیکن بی بی عائشہ کے اس قضیہ کے ساتھ بنو امیہ نے قرآن کی ایک آیت بھی حضرت علی کے خلاف ڈھونڈ نکالی۔ یہ آیت مدینہ کے منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے لیے نازل ہوئی تھی مگر بنو امیہ نے حضرت علی پر چسپاں کرنے کی شیطانی کوشش کی تھی۔

قرآن کی یہ آیت حسب ذیل ہے۔

إن الذين جاءو بالافك عصبة منكم لا تحسبوه شرا لكم بل هو خير لكم لكل امرئ منهم ما اكتسب من الاثم والذي تولى كبره منهم له عذاب عظيم (سورہ نور)

تحقیق تم میں سے ایک گروہ نے بہتان باندھا نہ سمجھو کہ یہ تمہارے لیے برائی ہوئی بلکہ تمہارے لیے اس میں یہ بھلائی ہوئی کہ (عظمت و عفت کی آیات نازل ہوئیں) جس نے بھی بہتان باندھنے کا گناہ کیا اور جس نے تم میں سے اس گناہ کو فروغ دیا اس کے لیے عذاب عظیم ہے۔

اس آیت میں جس گروہ کی طرف اشارہ ہے اس کے خاص ارکان تھے عبداللہ ابی، زید بن رفاعہ، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ (حضرت ابوبکر کی خالہ کا بیٹا جو بدری صحابہ میں ہے) حمنہ بنت جحش (ام المومنین زینب کی بہن۔ خود زینب عائشہ کی عفت و پاکیزگی پر شہادت دیتی تھیں)

اس آیت سے حضرت علی کا کوئی تعلق نہیں مگر ناصبیوں نے تعلق جوڑ دیا ہو اگرچہ اس شیطانی کام میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی۔ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ روایت لکھی ہے جو اس ناصبی الزام کی تردید کرتی ہے

کہ:- عن الولید بن عبد الملک — میں ولید بن عبد الملک کے پاس تھا ایک

Marfat.com

ليلة من الليالي فتلا هذه الآية
والذي تولى كبره منهم له عذاب
عظيم فقال نزلت في علي بن ابي
طالب قال الزهري اصلح الله الامير
ليس الامر كذلك اخبرني عروة
عن عائشة قال وكيف اخبرك
قلت اخبرني عروة عن عائشة
انها نزلت في عبد الله بن ابي
ابن سلول۔

ولابن مردويه من وجه آخر
عن الزهري كنت عند الوليد بن
عبد الملك ليلة من الليالي وهو
يقرء سورة النور مستلقيا فلما
بلغ هذه الآية ان الذين جاؤ
بالافك عصبة منكم حتى بلغ
والذي تولى كبره جلس ثم قال
يا ابا بكر من تولى كبره منهم
اليس علي بن ابي طالب قال فقلت
في نفسي ماذا اقول لئن قلت لا
لقد خشيت ان القى منه شرا
ولئن قلت نعم لقد جئت بامر عظيم

رات اس نے یہ آیت پڑھی والذی تولیٰ
کبرہ منھم لہ عذاب عظیم پھر بولا یہ
علی بن ابی طالب کے لئے نازل ہوئی زہری
نے کہا اللہ امیر کو اصلاح کرے، ایسی بات تو
نہیں ہے، مجھے عروۃ نے عائشہ سے روایت
کی ہے اس نے کہا کہ روایت کی ہے، میں نے
کہا عروہ نے عائشہ کی یہ روایت کہی کہ یہ آیت
عبد اللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں
نازل ہوئی ہے،

ابن مردویہ نے دوسرے طریقہ سے یوں
روایت کیا ہے زہری سے کہ میں ایک رات
ولید بن عبد الملک کے پاس تھا۔ اور وہ
سورۂ نور پڑھ رہا تھا لیٹا ہوا جب وہ اس
آیت پر پہنچا۔ ان الذین جاءوا بالافک
عصبۃ منکم یہاں تک کہ جب وہ والذی
تولیٰ کبرہ پر پہنچا تو بیٹھ گیا پھر کہنے لگا
کہ اے ابا بکر من تولیٰ کبرہ منھم
کیا یہ علی بن ابی طالب کے لئے نہیں
اتری ہے کیا میں نے دل میں کہا اگر کہتا ہوں
نہیں تو ڈرتا ہوں یہ مجھے نقصان پہنچائے
اور اگر میں ہاں کہتا ہوں تو یہ بڑے گناہ

...متنی نفسی بقد عوتی الله علی
...صدق حنیو افذت لا فال نفوت
...قضیة علی الرییمة قال ضحی ضحت
...ق دق دخل مراء افذت لکن
...عبد الله بن ابی۔

کی بات ہوگی۔ پھر اپنے دل میں میں نے کہا اللہ نے سچائی کو نیکی قرار دیا ہے میں میں نے نہیں کہہ دیا۔ زہری کہتے ہیں یہ سنکر اس نے لکڑی کو تخت پر مارا اور کہنے لگا کس کیلئے کہا کس کیلئے انزی؟ وہ بار بار یہی کہتا رہا۔ میں نے کہا عبد اللہ بن ابی کے لئے۔

اب ہم وفات رسولؐ والی حدیث کی طرف لوٹتے ہیں، جس میں بی بی عائشہ نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو آدمی دو طرف سے پکڑ کر سہارا دے رہے تھے، ایک طرف عباس تھے، دوسری طرف ایک اور آدمی تھا، ابن عباس کو جب بی بی عائشہ کی حدیث روایت کی گئی تو انھوں نے پوچھا کیا تم جانتے ہو یہ دوسرا آدمی جس کا نام نہیں بتایا گیا کون تھا۔ راوی نے جب لاعلمی کا اظہار کیا تو ابن عباس نے بتایا کہ یہ آدمی علی بن ابی طالب تھے۔

سوال یہ ہے کہ بی بی عائشہ نے حضرت علی کا نام کیوں نہیں لیا۔ اس کے سبب پر بعض لوگوں نے یہ رائے دی ہے کہ بی بی عائشہ کے دل میں افک کے موقع پر حضرت علی کے مشورہ سے حضرت علی کی طرف سے میل آگیا تھا اور جمل کے موقع پر یہ پرانی دشمنی رنگ لائی اور حالات نے انتقام کا موقع دیدیا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ اگر حضرت علی کے مشورہ کو غیر جانبدارانہ اور مخالفت و موافقت کے بین بین ہی سمجھا جائے، جب بھی بی بی عائشہ کو یہ شکایت ہو سکتی ہے کہ میری موافقت میں مشورہ کیوں نہ دیا۔ بہر حال جنگ جمل میں بی بی عائشہ کے طریق کار کا یہ پس منظر ایک طالب علم کے لئے قابل توجہ ضرور ہے۔

Marfat.com

— ۱۲ —

قصاص قتل عثمانؓ کی مہم!

حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ اسلام کی تاریخ میں اس لحاظ سے المناک ترین ہے کہ اس کے بعد ایسی خانہ جنگی ہوئی، جس کے اثرات آج تک موجود ہیں اگرچہ اس خانہ جنگی کے لیے حضرت عثمان کے زمانہ میں ہی فضا تیار کر دی گئی تھی مگر اس کا کھلا مظاہرہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ہی شروع ہوا

حضرت عثمان کے عہد خلافت کے آخری دور میں بنی امیہ نے نظام اقتدار پر قبضہ کرنے کا پلان بنا لیا تھا۔ اسی منصوبہ بندی نے جو حضرت عثمان کے ایما سے نہ سہی، مگر ان کی کمزوری اور لاپرواہی سے ہوئی تھی ہزاروں مسلمانوں کو حضرت عثمان کی مخالفت پر آمادہ کر لیا اور اسی کے باعث ہزاروں مسلمان جن میں صحابہ کی کثیر تعداد شامل تھے، حضرت عثمان کی دفاع کے لئے نہ کھڑے ہو سکے حالانکہ وہ حضرت عثمان کی شہادت نہیں چاہتے تھے، اور ان کے مرتبہ کے باعث عزت بھی کرتے تھے۔

حضرت عثمان کے سوانح حیات میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ اگرچہ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے خاندان بنی امیہ سے ہی ان کا تعلق تھا۔ مگر ان کی نانی ام حکیم عبدالمطلب کی بیٹی تھیں، اس تعلق کے باعث اپنے رہن سہن کے لحاظ سے وہ بنی ہاشم کے اثر میں آگئے تھے اسی لئے وہ تبلیغ رسالت کے ابتدائی مرحلہ میں ہی دائرہ اسلام میں آگئے تھے، حالانکہ بنو امیہ عام طور سے اسلام کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس طرح حضرت عثمان کے دل و دماغ پر دو متضاد اثرات کام کر رہے تھے ایک طرف وہ اموی تھے، اور دوسری طرف بنی ہاشم کے بھی اثرات تھے، اپنے

Marfat.com

عہد حکومت کے ابتدائی دونوں میں انھوں نے اموی اثرات کو بڑی حد تک قبول نہیں کیا. مگر آخری دنوں میں اموی قبیلہ کے اکابر نے ان پر پورا قبضہ کر لیا تھا معاویہ، عبداللہ بن ابی سرح، اور مروان وغیرہ اتنے اچھا گئے کہ حضرت عثمان کو یہ خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ یہ لوگ کیا غضب ڈھا رہے ہیں، متعدد صحابہ خصوصاً حضرت علی نے ان کو متنبہ بھی کیا مگر حضرت عثمان نے اصلاح نہ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ ان کے قتل پر آمادہ ہو گئے،

اس پروپیگنڈے میں کوئی دم نہیں کہ حضرت عثمان کا قتل صرف سبائی پروپیگنڈے کا نتیجہ تھا، سبائی پروپیگنڈا اتنا موثر نہیں ہو سکتا تھا کہ خاص مدینہ منورہ میں جو اسلام کا مرکز اور حضرت عثمان کا دار الخلافہ تھا اتنے عرصہ تک طولانی ان کا حصار کر سکتے اور مدینہ کے مہاجرین و انصار ان کو حصار سے نہ نکال سکے واقعہ یہ ہے کہ خود مدینہ میں اکثر صحابہ کو حضرت عثمان کے طریق کار نے اتنا مایوس کر دیا تھا کہ وہ زیادہ تر مخالفین یا مذبذبین میں ہو گئے تھے رائے عامہ کی یہ حالت تھی کہ وفات کے کئی روز بعد صرف رات کے اندھیرے میں صرف چند آدمیوں نے یہود کے قبرستان میں ان کو دفن کیا، بعض روایتوں میں ہے کہ صرف چار یا پانچ آدمی تھے جن میں تین ان کے غلام اور ایک بیٹی شامل ہیں۔ ایک مروان بن الحکم تھا۔ حضرت عثمان کے خاندان کے لوگ اس لئے شامل نہ ہو سکے کہ لوگوں نے ان کا راستہ روک لیا تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدینہ کے انصار و مہاجرین اور اکثر دیگر صحابہ کا رویہ ہمدردانہ تھا۔

حضرت علی کا جہاں تک تعلق ہے انھوں نے حضرت عثمان کی حفاظت کی انتہائی کوشش کی اور ان کی شہادت کے بعد مخالفین پر غصہ کیا اور پھر میت کی تدفین میں بھی لیپنا

اثر استعمال کیا۔

معاویہ و قتلِ عثمانؓ

جب حضرت عثمانؓ کے خلاف بلوائیوں کے حملے خطرناک رنگ اختیار کر گئے تو حضرت عثمانؓ نے معاویہ سے امداد کی اپیل کی تھی، بعض مورخین نے معاویہ امداد کے دلچسپ واقعات لکھے ہیں، جن سے معاویہ کے کریکٹر اور طریق کار پر کافی روشنی پڑتی ہے، مورخین کے ان تبصروں کا خلاصہ یہ ہے کہ معاویہ کی عین خواہش تھی ک ایسی صورت پیدا ہوجائے، جس سے اسے پروپیگنڈے کا موقع ملے۔

مختلف مورخین نے معاویہ کی اس حکمت عملی کو مختلف طریقوں سے نمایاں کیا ہے، مثلاً بلاذری اور بعض دیگر مصنفین نے بتایا ہے کہ معاویہ نے حضرت عثمانؓ کی امداد کے نام سے فوج بھیجی، اور فوج کے قائد کو ہدایت کردی کہ ذاخشب مقام پر پہنچ کر ٹھہر جانا۔ یہ قائد جس کا نام یزید بن اسد القشیری تھا ذاخشب پر پہنچ انتظار کرنے لگا، حالانکہ یہ وہ وقت تھا جبکہ حضرت عثمانؓ محصور تھے اور اگر یہ فوجی امداد پہنچ جاتی تو ان کی شہادت کا واقعہ نہ ہوتا مگر معاویہ کا حکم یزید بن ا کو ملا تھا کہ اس کی تعمیل میں چون وچرا نہ ہو اور کوئی دلیل اس کے لئے نہ دی کہ مدینہ کی طرف بڑھنا ضروری ہے۔

جب حضرت عثمانؓ کی یہ شہادت ہوچکی تو معاویہ اپنے لشکر کے پاس پہنچ اور اسے دمشق واپس لے گیا، معاویہ کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوگیا، حضرت عثمانؓ کے خلاف پروپیگنڈے کی بنیاد پڑ گئی۔

اس کے بعد معاویہ نے پہلے انتظار کیا کہ علی اس کو شام کی گورنری پر بحال کردیں، پھر جب یہ امید بر نہ آئی تو قصاص کی مہم شروع کردی، اسی امید پر

Marfat.com

شاید علی راضی ہو جائیں۔ معاویہ جنگ جمل میں کھلم کھلا شریک نہیں ہوا لیکن خفیہ طور سے ہر قسم کی امداد کر رہا تھا۔ بی بی عائشہ جس اونٹ پر سوار تھیں۔ وہ معاویہ کے ایک حامی کا ہی لایا تھا۔

اس پائنٹ پر متعدد روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ نے حضرت عثمان کی کوئی مدد اس وقت نہیں کی جب مدد کرنی تھی اور جان بوجھ کر نہیں کی سیوطی کی تاریخ الخلفاء میں ابو الطفیل کی روایت ہے کہ میں ایک روز معاویہ کے پاس بیٹھا تھا معاویہ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم بھی عثمان کے قاتلین میں شامل تھے؟ میں نے کہا کہ نہیں میں قاتلوں میں تو شامل تھا جو وہاں موجود ہوتے ہوئے ان کی مدد نہیں کر رہے تھے معاویہ نے پوچھا کہ تم نے ایسا رویہ کیوں نہیں اختیار کیا؟ میں نے جواب دیا کہ مہاجرین و انصار کا بھی رویہ تھا کہ نہ انھوں نے قتل میں شرکت کی اور نہ مدد کی۔ معاویہ نے کہا مگر عثمان کا یہ حق تو ان پر تھا کہ وہ مدد کرتے، میں نے جواب میں پوچھا" مگر آپ نے کیوں نہیں مدد کی۔ حالانکہ اہل شام کی طاقت آپ کے ساتھ تھی، معاویہ نے جواب دیا مگر قصاص قتل طلب کرنا بھی ان کی مدد ہی ہے (اما طلبی بدمہ نصرتہ لہ) اس جواب پر ابو الطفیل نے ہنس کر کہا کہ آپ ہی کے لئے اور عثمان کے لئے غالباً شاعر نے کہا تھا کہ" میری موت کے بعد تیرے ماتم سے کیا فائدہ جب کہ زندگی میں تجھ سے کوئی فائدہ نہ پہنچا۔

بیہقی نے" المحاسن والمساوی" میں شبث بن ربعی کی روایت لکھی ہے انھوں نے معاویہ سے صاف کہا کہ" انک ابطأت عنہ بالنصر" تم نے عثمان کی مدد کرنے میں جان بوجھ کر تاخیر کی تاکہ ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ تم لوگوں کے سامنے قصاص کا نعرہ لگا سکو اور ان کو بھڑکا سکو۔ اے معاویہ اللہ سے ڈرو اور علی کے مقابلہ میں یہ جھگڑا نہ کھڑا کرو۔

Marfat.com

فہم البلاغتہ میں حضرت علی کے وہ خطوط و پیامات ہیں جو حضرت علی نے معاویہ کو بھیجے جن میں متنبہ کیا تھا کہ ایسے شیطانی کاموں سے پرہیز کرے اور عامۃ الناس کو فریب میں نہ ڈالے کیونکہ موت دور نہیں ہے جبکہ اللہ کے سامنے حساب دینا ہوگا۔

معاویہ کے دل و دماغ کی افتاد ایسی نہیں تھی کہ ان نصیحتوں کا اثر ہوتا وہ بس ایک ہی مقصد رکھتے تھے اور وہ یہ کہ اقتدار حکومت پر کیونکہ قبضہ کیا جائے یہی ان کا مذہب تھا اور یہی ان کا ایمان، اکثر عیسائی مورخین معاویہ کے حق میں جانبدارانہ رائیں اس لئے دیتے ہیں کہ عیسائیوں کے ساتھ معاویہ نے خاص مراعات کی تھیں اگرچہ یہ مراعات بھی ہوس اقتدار کے تحت ہی تھیں کیونکہ ان عیسائیوں کی خدمات مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جاتی تھیں۔ بہرحال عیسائی مورخین نے معاویہ کی عیسائیت نوازی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا معاوضہ یہ دیا ہے کہ معاویہ کے بدترین اعمال میں سے بھی بحد امکان خوشگوار پہلو پیدا کئے ہیں، عیسائی مورخین کی اس معاویہ نوازی کے باوجود یہ اس بارے میں متفق ہیں کہ معاویہ کی زندگی کا بڑا مقصد اقتدار حاصل کرنا، اسے قائم رکھنا اور بڑھانا تھا اس مقصد کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کرنے کو تیار رہتے تھے، نکلسن تاریخ ادب العربی میں لکھتا ہے۔

> مسلمانوں نے معاویہ اور حضرت معاویہ کے غلبہ کو قریش کے اس بت پرست عنصر کی فتح سے تعبیر کیا جس نے اسلام لانے سے قبل رسول اللہ کی سخت مخالفت کرنے اور آپ کے صحابہ سے دشمنی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور جو رسول اللہ کی وفات کے قریب تک آپ سے برسر پیکار رہا تھا۔ ادھر مسلمانوں نے بھی نہایت پامردی و استقلال سے ان لوگوں کا مقابلہ جاری رکھا اور بالآخر

Marfat.com

فتحیاب ہوئے۔ اس عنصر کی شکست سے دین اسلام کو اپنے وہ سادہ اصول عرب میں رائج کرنے کا موقع مل گیا جن کی بدولت تمام باشندگان عرب بلا استثنا ایک صف میں کھڑے ہو گئے اور کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی کسی معمولی سے معمولی انسان پر فضیلت اور بڑائی جتانے کا غرور باقی نہ رہا۔ اس صورت حال کے پیش نظر اس قبائلی سیاست کا خاتمہ ہو گیا جو غریبوں کو ذلیل سمجھتی، کمزوروں کو حقیر جانتی اور دوسروں کے اموال کو ہتھیانا معمولی چیز خیال کرتی تھی، اس لئے ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بنی امیہ کے دوبارہ عروج کو انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھا، ان کا خیال تھا کہ بنی امیہ کے برسر اقتدار آ جانے سے تمام پرانے کینے، نئے سرے سے زندہ ہو جائیں گے۔ اور جاہلی روح کو دوبارہ پنپنے کا موقع مل جائے گا۔

بنو امیہ سے جمہور مسلمانوں کی نفرت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ امویوں کا بہت بڑا عنصر ایسا تھا جو محض شخصی مصالح اور ذاتی فوائد کی خاطر اسلام میں داخل ہوا تھا، اور اسلام سے اس کا حقیقی تعلق نہ تھا۔ مزید براں بنو امیہ کی سیاست نے خلافت کو کسروی بادشاہت میں تبدیل کر دیا تھا چنانچہ معاویہ نے خود یہ بات تسلیم کرتے ہوئے کہا تھا "میں مسلمانوں کا سب سے پہلا بادشاہ ہوں۔ (تاریخ الادب العربی (نکلسن)

یورپین مستشرقین خواہ مسلمان ہوں یا عیسائی اگرچہ بنی امیہ کے اقتدار

پر اسلامی نقطہ نظر سے بحث کرنے کا عادی نہیں ہیں، لیکن اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں کہ علی کے مقابلہ میں معاویہ کی جیت اس لئے ہوئی کہ علی متبذل حربے نہیں استعمال کر سکتے تھے، لیکن معاویہ کو یہ حربے استعمال کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہ تھا۔ ڈاکٹر نکلسن نے یہ بھی لکھا ہے:-

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علی نہایت بالغ نظر، بے نظیر مدبر، بہترین مشیر، بڑے عقلمند، وہ وعدہ کو کامل طور پر ایفا کرنے والے، اور دشمنوں سے انتہائی شرافت کا برتاؤ کرنے والے تھے، مگر ان سب فضائل کے باوجود ان میں سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی تھی انھیں اپنی سلطنت کی سالمیت کی حفاظت کے لئے بھی ان حربوں کے استعمال کرنے میں تردد ہوتا ہے جن حربوں کو ان کے حریف بے تکلف ان کے خلاف استعمال کرتے تھے اسی لئے ان کے حریف ان پر غالب آگئے، کیونکہ ان حریفوں کا اصول تھا کہ جنگ میں ہر قسم کے داؤ پیچ استعمال کرنے مباح ہیں۔ لیکن حضرت علی نہ ان حربوں سے واقف تھے اور نہ ایسا کرنا جائز سمجھتے تھے"

(تاریخ الادب العربی از نکلسن)

یہ ظاہر ہے کہ حضرت علی وہ متبذل حربے استعمال نہیں کر سکتے تھے جو معاویہؓ کے نزدیک جائز تھے، مثلاً معاویہ نے جگہ جگہ حضرت عثمان کی خون آلود قمیص اور ان کی بیوی کی انگلیوں کی نمائش کر کے حضرت علی پر قتل کی شرکت کا الزام لگایا معاویہ کو خوب معلوم تھا کہ حضرت علی پر قتل کی ذمہ داری نہیں ہے مگر جان بوجھ کر یہ حربہ استعمال کیا گیا۔ حضرت علی ایسے حربے نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ ان کے سامنے اللہ اور رسول کے احکام تھے اور وہ اسلامی اصول کو کسی حالت میں قربان

Marfat.com

نہیں کر سکتے تھے، ان کا مقصد اعلائے کلمتہ الحق تھا اور معاویہ کا مقصد حکومت و اقتدار تھا۔ دونوں کے نقطۂ نظر میں بعد المشرقین ہے، یورپین اسے حضرت علی علیہ السلام کی کم فہمی اور سیاسی سوجھ بوجھ سے بیگانگی قرار دیتے ہیں، لیکن جو لوگ اصول حکومت کو بلند و بالا رکھنے والے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی اور امام حسین اگرچہ اقتدار حاصل نہ کر سکے۔ مگر بلاشبہ اسلام کے اصول محفوظ کر گئے، آئندہ نسلوں کے لئے ان میں ہدایت ہے، اگر حضرت علی بھی معاویہ کی سی عیاریاں اور فریب کاریاں کرتے تو شاید حکومت تو محفوظ ہو جاتی مگر اسلام اس طرح ختم ہو جاتا کہ پھر پہنچانا بھی نہ جاتا۔

سوال یہ ہے کہ معاویہ نے جو ڈرامہ کھیلا اس میں کتنے صحابہ شریک تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک کا طرز عمل مختلف تھا کسی کا رول ایسا تھا کہ اسے اسلامی اصول کا حامل قرار دیا جا سکتا ہے اور کسی کا رول ایسا تھا کہ اس میں ضلالت کا بدترین مظاہرہ تھا، ان دونوں کے درمیان مختلف درجوں کے اعمال متعدد صحابہ سے سرزد ہوئے، پس یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بدکاروں اور نیک کاروں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے سب کا احترام کرنے کا اصول قائم کر لیا جائے۔

Marfat.com

— ۱۳ —

عمرو بن العاص کے تین دور

اس کتاب کی بحث کے لئے عمرو بن العاص کی زندگی خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس زندگی کے تاریک پہلو نمایاں ہیں مگر بعض پہلو ایسے بھی ہیں جو کم از کم بعض لوگوں کے لئے روشن نظر آتے ہیں، "صحابیت" کے وہ شیدائی جو کسی صحابی کے خلاف کوئی لفظ سننا نہیں چاہتے، ان کے مطالعہ کے لئے اس زندگی کے بعض عبرت انگیز حصے پیش کئے جا رہے ہیں، تاکہ "صحابیت" کے متعلق وہ اپنے نقطۂ نظر کی اصلاح کر لیں۔

پہلے سنیوں کی مشہور کتاب "استیعاب" جس میں صحابہ کے سوانح حیات ہیں، ملاحظہ فرمائیے، اس میں عمرو بن العاص کی وفات کے وقت کا حسب ذیل واقعہ توجہ طلب ہے (یہ ترجمہ دار المصنفین کی اعظم گڈھ کی کتاب سیر الصحابہ سے نقل کیا جا رہا ہے)

" ابن عباس عیادت کو آئے، سلام کے بعد پوچھا عبد اللہ ابا کیا حال ہے، جواب دیا کیا پوچھتے ہو۔ دنیا کم بنائی اور دین زیادہ بگاڑا اگر اس کو بگاڑا ہوتا جس کو بنایا ہے اور اس کو بنایا ہوتا جس کو بگاڑا ہے تو یقیناً کامیاب ہوتا اگر اس وقت کی آرزو فائدہ مند ہوتی تو ضرور آرزو کرتا۔ اگر بھاگنے سے بچ سکتا تو ضرور بھاگتا مگر اب منجنیق کی طرح زمین و آسمان کے درمیان معلق ہوں، نہ ہاتھوں کے سہارے اوپر چڑھ سکتا ہوں، نہ پاؤں کے سہارے نیچے اتر سکتا ہوں۔ اے بھتیجے! مجھ کو کوئی ایسی نصیحت کر کہ اس سے فائدہ اٹھاؤں، ابن عباس نے کہا افسوس اب وہ وقت کہاں۔ اب وہ بھتیجا بوڑھا ہو کر آپ کا بھائی ہو گیا،

Marfat.com

اگر آپ رونے کے لئے کہیں تو میں رونے کو تیار ہوں، مقیم سفر کا کیسے یقین کر سکتا ہے، عمرو بن العاص نے کہا اس وقت اسّی برس سے کچھ اوپر میری عمر ہے اور تو مجھ کو پروردگار کی رحمت سے ناامید کرتا ہے۔ خدایا! ابن عباس مجھ کو تیری رحمت سے ناامید کر رہا ہے ابھی تو مجھے یہاں تک تکلیف دے کہ راضی ہو جائے، ابن عباس نے کہا ہیہات! ابوعبداللہ جو چیز لی تھی. وہ تو نئی تھی اور جو دے رہے ہو وہ پرانی ہے. عمرو بن العاص نے کہا. ابن عباس تم کو کیا ہو گیا ہے، جو بات میں کہتا ہوں تم اس کا الٹا کہتے ہو" (استیعاب جلد ۳ صفحہ ۹ ۴ ۴)

اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن عباس کے نزدیک عمرو بن العاص کی زندگی کا وقت تھا جب توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں آیا ہے کہ فرعون نے موت کے وقت توبہ کی مگر اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ اب کیا ہوتا ہے، اب توبہ کا وقت نکل گیا ابن عباس نے جو جواب عمرو بن العاص کو دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس جو ایک معزز صحابی ہیں ان کی نظر میں عمرو بن العاص کی زندگی نہایت تاریک تھی جس کی تلافی کا وقت نکل چکا ہے۔

یہ واضح رہے کہ عمرو بن العاص کا یہ اعتراف اس زمرہ میں نہیں آتا کہ ہر انسان مرتے وقت اپنے گناہوں پر غور کر کے غمگین ہو جاتا ہے اس قسم کا احساس تقریباً عام ہوتا ہے اور نہایت متقی و پرہیزگار مسلمان بھی موت کے وقت اس قسم کے جذبات کا اظہار کیا کرتا ہے، بلکہ عمرو بن العاص نے حضرت علی کے خلاف جو سازشیں مصر کی حکومت کی لالچ میں کی تھیں وہ سب وفات کے وقت بھیانک شکل میں سامنے تھیں اور عمرو بن العاص کو یہ خیال ستاتا رہا تھا کہ کیا ایسے گناہوں کی معافی بھی ہو سکتی ہے؟ ان سازشوں نے اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا تھا، اس کا اندازہ عمرو بن العاص کو

Marfat.com

تھا۔ اسی لئے وہ موت سے ڈر رہا تھا، عمرو بن العاص کے جذبات کا اندازہ صحیح مسلم کی حسب ذیل حدیث سے ہوگا۔

"ابن شماسہ مہری رض کہتے ہیں کہ ہم عمرو بن العاص کے پاس گئے جبکہ ان کی موت کا وقت قریب تھا۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے پھر اپنا منھ دیوار کی طرف پھیر لیا۔ ان کے بیٹے نے کہنا شروع کیا" ابا جان۔ کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فلاں بات کی خوشخبری نہیں دی اور ابا جان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے آپ کو فلاں بات کی بشارت نہیں دی (یعنی آپ روتے کیوں ہیں آپ کے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ایسا فرمایا ہے) ابن شماسہ رض کہتے ہیں بیٹے کے یہ الفاظ سن کر عمرو بن العاص نے منھ پھیرا اور کہا" ہمارے خیال میں ہمارے لئے بہترین چیز شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، بیٹا تم کو معلوم ہے ، میں نے تین زمانے گزارے ہیں۔ ایک زمانہ تو وہ تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھ کو کسی سے بغض نہ تھا اور میرے نزدیک اس سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی کام نہ تھا، کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پالوں اور آپ کو قتل کر ڈالوں۔ اگر میں اس حالت میں مر جاتا تو یقیناً دوزخی ہوتا۔ پھر دوسرا زمانہ وہ تھا جب اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈالا۔ اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اپنا ہاتھ لائیے تاکہ میں بیعت کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا۔ تو میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری حالت دیکھ کر فرمایا۔ عمرو، کیا بات ہے ؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

Marfat.com

میں کچھ شرط کرنی چاہتا ہوں. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا شرط ہے بتاؤ. میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ میرے پہلے گناہ معاف کر دیے جائیں. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عمر تم کو معلوم نہیں کہ اسلام پہلی تمام باتوں کو مٹا دیتا ہے، اور ہجرت پہلے تمام گناہوں کو ڈھا دیتا ہے، اور حج تمام پہلے معاصی کو محو کر دیتا ہے (اس کے بعد میں نے اسلام قبول کر لیا. اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھے کسی سے محبت نہ تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ میری نظر میں کسی کی وقعت و عظمت نہ تھی. میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلال کے سبب آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جلال کے سبب میں نے کبھی آپ کے چہرۂ مبارک کو غور سے نہ دیکھا تھا اس لئے اب اگر کوئی مجھ سے حضور کا حلیہ دریافت کرے تو میں نہیں بتا سکتا. اگر میں اسی حالت میں مر جاتا تو امید تھی کہ میں جنتی ہوتا."

پھر تیسرا دور یہ ہے کہ ہم پر بہت سے معاملات کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے معلوم نہیں ان باتوں کے باعث میرا کیا حال ہوگا. پس جب میں مر جاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ نہ تو کوئی نوحہ گر ہو، اور نہ آگ. پھر جب تم مجھ کو دفن کر چکو اور مجھ پر مٹی ڈال چکو تو میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کیا جاتا ہے، اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے. تاکہ میں تم سے مانوس رہوں اور دیکھوں کہ اپنے پروردگار کے فرشتوں سے کیا گفتگو کرتا ہوں." (مسلم. کتاب الایمان)

اس حدیث میں حالات کا پورا نقشہ ہے. یہ واقعہ صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ

Marfat.com

عمرو بن العاص کی زندگی نے تین پلٹے کھائے۔ اول تخریب کا دور تھا، دوسرا دور اسلام کا یا اسے تعمیر کا دور کہہ سکتے ہیں۔ تیسرا دور پھر تخریب کا ہے جب کہ اسلامی قدروں کو مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ پہلے تخریبی دور اور تیسرے تخریبی دور میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے دور میں اسلام کی تخریب باہر سے کی تھی اور تیسرے دور میں یہی تخریب اسلام کے اندر سے کی تھی، درمیانی دور جسے بعض شرائط کے ساتھ تعمیری دور کہا جا سکتا ہے وہ تھا جس میں یا تو عمرو بن العاص نے صدق و خلوص کے ساتھ اسلام کی خدمت کی یا شاید ذاتی اغراض اور اسلامی مقاصد میں ہم آہنگی ہو گئی تھی اور شاید عمرو بن العاص اسلامی خدمت پر مجبور تھا۔

ذاتی اغراض و اسلامی مقاصد کی ہم آہنگی کا مطلب یہ ہے کہ عمرو بن العاص کی ذاتی منفعت، ذاتی اقتدار، اور ذاتی حکومت درکار تھی اور یہ چیزیں صرف اسلامی جھنڈے کے نیچے ہی مل سکتی تھیں۔ دراصل مصر کی فتح کے لئے فوجی اقدام کی مخالفت ابتداء میں خود حضرت عمر نے کی تھی۔ ان کی بغیر اجازت حملہ کر دیا گیا تھا۔ حضرت عمر کو جیسے ہی اس حملہ کی خبر ملی انھوں نے عمرو بن العاص کو فوراً تاکیدی خط لکھا کہ اگر ابھی تک مصر میں اقدام نہ کیا ہو تو باز رہو اور اگر آگے بڑھ چکے ہو تو مجبوری ہے، جب معلوم ہوا کہ عمرو بن العاص نے حملہ کر دیا اور ایک معمولی جنگ کے بعد ایک مقام پر قبضہ بھی کر لیا تو حضرت عمر نے پھر فوجی کمک بھیج دی۔ اور مصر سے جنگ باقاعدہ ہونے کے بعد عمرو بن العاص کی کمان میں مصر فتح ہو گیا

اس فتح سے بے شک اسلام کو فائدہ پہنچا۔ لیکن اللہ ہی جانتا ہے کہ عمرو بن العاص کی نیت کیا تھی۔ حضرت عمر کے زمانہ میں اس کی مجال نہیں تھی کہ سرتابی کر سکے، کھلی مخالفت تو تصور میں بھی نہیں آسکتی۔ مگر معمولی بے عنوانیوں پر بھی حضرت عمر کے اقتدار میں ذلیل ہونا پڑا۔ ایک بار عمرو بن العاص کے بیٹے نے

Marfat.com

ایک معمولی آدمی کو مارا۔ جب حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انھوں نے برسرِ عام عمرو بن العاص کے سامنے ان کے بیٹے کو اسی آدمی کے ہاتھوں سے کوڑے لگوائے عمرو بن العاص منھ تکتے رہ گئے، ایک بار جب حضرت عمر نے مصر کے محصول کی بابت سخت گیری کی تو عمرو بن العاص نے کہا تھا کہ خدا کی شان ہے کہ جب میرا باپ کمخواب کے کپڑے پہنے پھرتا تھا تو عمر کا باپ خطاب لکڑیوں کا بوجھ اٹھایا کرتا تھا۔ مگر آج عمر مجھ پر اپنا رعب جماتا ہے!"

ان مثالوں سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ حضرت عمر کے سامنے عمرو بن العاص کی یہ مجال نہیں تھی کہ کوئی تخریبی کارروائی کرسکے۔

حضرت عثمان کی حالت حضرت عمر کی سی نہیں تھی۔ وہ کمزور تھے اس لئے عمرو بن العاص نے ان کو بہت ستایا اور اتنے جھگڑے ہوئے کہ آخر مصر کی گورنری چھوڑنی پڑی۔ علاوہ اور اختلافات کے ایک بڑا اختلاف یہ تھا کہ مصر کے محاصل کتنے ہوں۔ حضرت عثمان کو شکایت ہوئی تو انھوں نے محصول کا کام عبداللہ ابی سرح کو سپرد کردیا جو ان کا رضاعی بھائی تھا۔ اور کتابت وحی کرتے کرتے مرتد ہوکر مکے بھاگ گیا تھا۔ ارتداد کے بعد اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اتنا غلیظ پروپیگنڈا کیا تھا کہ حضور اس سے بہت ہی زیادہ متنفر ہوگئے تھے علاوہ سب ستم کے ایک پروپیگنڈا اس کا یہ تھا کہ میں محمد کی وحی میں خلل ڈال آیا ہوں۔ محمدؐ کچھ لکھنے کو کہتے اور میں کچھ لکھتا اگر غفور الرحیم ہوتا تو میں غفور حلیم لکھ دیتا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب رسول اللہ نے مکہ فتح کیا تو مکہ کے باشندوں کے لئے معافی کا اعلان کردیا تھا اور ان کو حضرت یوسف کی طرح لاتثریب علیکم الیوم (آج تمہارے لئے کوئی سزا نہیں) کا پیام دیا تھا۔ اور ان کو "طلقاء" کا خطاب دیا تھا۔ مگر اس

علم معافی سے مکہ کے صرف چند نفوس کو مستثنیٰ کر دیا تھا۔ اور یہ حکم دیا تھا۔ کہ یہ چند لوگ جہاں ملیں ان کو بغیر قتل کیے نہ چھوڑنا۔ رسول اللہ کے اس اعلان کے باوجود حضرت عثمان نے اسے چھپائے رکھا اور جب مکہ میں حالات معمول پر آگئے، تو حضرت عثمان اسے لے کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفارش کی کہ اس کا اسلام قبول کر لیا جائے اور گزشتہ خطاؤں کی معافی دی جائے۔ حدیث وسیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے کافی انتظار کیا کہ سابقہ حکم کے تحت کوئی گردن مار دے مگر کسی نے ایسا نہیں کیا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کی سفارش سے اس کا اسلام قبول کر لیا جب عبداللہ بن ابی سرح اس طرح مسلمان ہو کر چلا گیا تو حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میں نے انتظار کیا کہ تم میں سے کوئی قتل کر دے، صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ حضور نے ذرا اشارہ ہی آنکھ سے کر دیا ہوتا۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ "نبی کی آنکھ خیانت نہیں کیا کرتی۔

اپنے اس قسم کے رضاعی بھائی کو حضرت عثمان نے مصر کا گورنر بنا دیا۔ عبداللہ ابی سرح بھی عیاری میں عمرو بن العاص سے کم نہ تھا۔ اور پھر خلیفہ وقت اس کے ساتھ تھے۔ اس لئے عمرو بن العاص نے چاروناچار مصر چھوڑ دیا۔ جب مدینہ پہنچے تو حضرت عثمان سے اتنے خفا تھے کہ سیدھے منہ جواب بھی نہ دیتے تھے، مورخ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ جب واپسی میں پہلی بار ملے تو ایک لبادہ پہنے ہوئے تھے حضرت عثمان نے پوچھا کہ اس لبادہ میں کیا ہے، جواب دیا "عمرو بن العاص"۔ حضرت عثمان نے کہا یہ تو مجھے معلوم ہے، میں یہ پوچھ رہا تھا کہ روئی ہے یا کوئی اور چیز۔ حضرت عثمان نے پوچھا۔ عبداللہ بن ابی سرح کو کس حال میں چھوڑا۔" جواب ملا "جس حال میں تم چاہتے تھے"، پوچھا۔ اس کا کیا مطلب؟ جواب ملا" اپنے نفس کے لئے تیز اللہ کے لئے کمزور

Marfat.com

عمرو بن العاص کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اس بحث میں قابل توجہ ہے۔ مسند احمد بن حنبل اور دوسری کتابوں میں اس کی جو تفصیلات ہیں، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس وقت اسلام لائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دینے کی توقعات ختم ہو چکی تھیں جنگ اور عیاری دونوں حربے ناکام ہو چکے تو ان کا استدلال یہ تھا کہ مکہ والوں کا عقیدہ غلط ہے، کیونکہ اس دنیا میں یہ ذلیل و شکست خوردہ ہیں۔ اور دوسری دنیا میں تو ان کا عقیدہ ہی نہیں۔

پھر بھی انھوں نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ مسلمان ہو جائیں۔ بلکہ آخری تدبیر اسلام سے بچنے اور اسلام کی تباہی کا انتظار کرنے کی یہ کی۔ اس سے عمرو بن العاص کے ذہن و رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔

"بیان کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے تھے، اور میری بات سنتے تھے، جمع کر کے کہا کہ خدا کی قسم یقین مان لو کہ محمد کی بات سب سے بالاتر ہو کر رہے گی۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں۔ میری ایک رائے ہے تم اس کو کیسی سمجھتے ہو۔ لوگوں نے پوچھا کیا رائے۔ انھوں نے کہا کہ ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں۔ اگر محمد ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم لوگ نجاشی کے پاس ٹھہر جائیں گے۔ کیونکہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنے سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے اور اگر ہماری قوم محمد پر غالب ہوئی۔ تو ہم ممتاز لوگ ہیں۔ ہمارے ساتھ اس کا طرز عمل بہتر ہی ہوگا۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کیا۔ میں نے کہا پھر کوئی چیز مہیا کرو، جو اس کو تحفہ میں دی جاسکے۔ نجاشی کے لئے ہمارے یہاں کا سب سے بہتر تحفہ چمڑا تھا۔ چنانچہ بہت سا چمڑا لے

Marfat.com

ہم حبشہ پہونچے، اور ابھی نجاشی کے پاس تھے کہ عمرو بن امیہ ضمیری آئے
ان کو رسول اللہ صلعم نے جعفر اور ان کے ساتھیوں کی کسی ضرورت
سے نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ جب وہ آکر چلے گئے تو میں اپنے ہمراہیوں
سے کہا کہ ہم نجاشی کے پاس چل کر اس سے عمرو بن امیہ ضمری کو مانگیں
اگر وہ دیدے تو اس کی گردن ماردیں۔ تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے
کہ ہم نے محمد (صلعم) کے سفیر کا سر قلم کر کے ان کا بدلہ لے لیا۔ یہ کہکر
میں نجاشی کے دربار میں گیا۔ اور حسب معمول سجدہ کیا۔ اس نے خوش آمدید
کہہ کر پوچھا۔ میرے لئے اپنے ملک کا کوئی تحفہ لائے، میں نے کہا حضور
بہت سا چمڑا تحفہ میں لایا اور جو چمڑا لایا تھا، اسے پیش کیا، اس نے
بہت پسند کیا۔ پھر میں نے عرض کی۔ عالیجاہ! ابھی میں نے ایک آدمی کو حضور
کے پاس سے نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ ہمارے دشمن کا بھیجا ہوا ہے۔
حضور قتل کرنے کے لئے اسے ہمارے حوالے کردیں، اس نے ہمارے
بہت سے شرفاء معززین کو تکلیفیں پہنچائی ہیں۔ نجاشی یہ درخواست
سنکر بہت غضبناک ہوا۔ اور اپنا ہاتھ کھینچ کر اس زور سے اپنی ناک پر مارا
کہ میں سمجھا ٹوٹ جائے گی۔ اس کی اس حرکت سے میں اس قدر نادم و
شرمسار ہوا کہ اگر زمین شق ہوتی تو میں اس میں سما جاتا۔ پھر میں نے
عرض کی شاہا! اگر میں سمجھتا کہ حضور کو یہ درخواست ناگوار ہوگی، تو
میں کبھی نہ کرتا، وہ بولا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے شخص کہ قاصد جس کے پاس
وہ ناموس اکبر آتا ہے جو موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا قتل کے لئے تمہارے
حوالے کردوں، میں نے عرض کی عالیجاہ! کیا وہ واقعی ایسا ہے وہ بولا عمرو
تمہاری حالت قابل افسوس ہے۔ میرا کہنا مان لو اور اس کی پیروی کرو

Marfat.com

خدا کی قسم وہ حق پر ہے۔ وہ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئے گا۔ جس طرح موسیٰ فرعون اور اس کے لشکر پر غالب ہوئے تھے، میں نے کہا پھر اس کی طرف سے آپ مجھ سے اسلام کی بیعت لے لیجئے، چنانچہ اس نے ہاتھ پھیلایا اور میں نے اسلام کی بیعت کی، یہاں سے جب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پلٹ کر گیا تو میرے خیالات بدل چکے تھے لیکن میں نے اپنے ساتھیوں کو نہیں بتایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مقصد سے نکلا"

عمرو بن العاص کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اسلام توحید و رسالت کے عقیدہ سے متاثر ہو کر شرح صدر کا نتیجہ نہیں تھا۔ بلکہ اس فیصلہ کا نتیجہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شکست دینے اور اسلام کو تباہ کرنے کی جدوجہد کی کامیابی کی کوئی امید نہیں رہی تھی، چونکہ اقتدار اور کامیابی صرف محمدؐ کے قدموں میں ممکن تھی۔ اس لئے عمرو بن العاص کا اسلام تھا جس کا آغاز ہی اقتدار پرستی اور دنیا طلبی سے ہوا۔

اس کے بعد بقول ان کے دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ دور اسلام کی خدمات کا دور تھا۔ یعنی عہد رسالت کے صرف چند سال، عہد صدیقی، اور عہد فاروقی نیز عہد عثمانی کے ابتدائی ایام۔ اس زمانہ میں بے شک عمرو بن العاص سے اسلام کی صرف وہ خدمات ہوئیں، جن کا تعلق فتوحات سے ہے۔ ان فتوحات سے اسلام کو فائدہ پہنچا لیکن عمرو بن العاص کے اس رول کو بھی ہوس اقتدار سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ عمرو بن العاص کے لئے اپنا ذاتی اقتدار محرک اول تھا یا اسلام کی محبت بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی حیثیت صرف ثانوی تھی اور اسلام اس لئے قبول کیا تھا تاکہ اسے اقتدار کا ذریعہ بنایا جا سکے۔

عمرو بن العاص نے اپنی زندگی کے جو تین دور قائم کئے ان میں سے دوسرے دور کے آغاز اور پہلے دور کے اختتام کے متعلق عمرو بن العاص کے بیانات پیش کئے

گئے، اب دوسرے دور کے اختتام اور تیسرے دور کے آغاز کے متعلق بھی عمرو بن العاص کے بیانات پر غور کیجئے، ان سے بھی معلوم ہوگا کہ عمرو بن العاص کی زندگی کا مقصد نہ کفر تھا۔ نہ اسلام بلکہ اقتدار تھا کفر کے زمانہ میں اس کا عقیدہ تھا کہ آخرت کی زندگی صرف خیال ہی خیال ہے، لیکن جب اس نے تجربہ سے پایا کہ جو لوگ آخرت کی زندگی میں یقین رکھتے ہیں۔ وہ تو دنیا میں بھی کامیاب ہیں اور قریش جو عاقبت اور حساب کتاب میں، یقین نہیں رکھتے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں زک پر زک اٹھا رہے ہیں تو یہ فیصلہ کیا کہ محمد کی بیعت کر لینا بہتر ہے۔

پھر جب اسلام میں آکر اس نے اقتدار پایا اور مصر کا گورنر بن گیا تو اس ترقی کے بعد اور آگے بڑھنے کی کوشش کی، اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ حضرت عمر کے زمانہ میں ان کا تازیانہ تھا۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ میں ان کے خاندان کے دنیا پرست عیار تھے۔ ان سے عمرو بن العاص کو شکست ہوئی اور وہ مصر سے معزول ہونے کے بعد فلسطین میں گوشہ نشین ہو گئے۔ لیکن اس گوشہ نشیں ہو گئے، لیکن اس گوشہ نشینی میں عمرو بن العاص نے اپنی طبیعت نہیں بدل دی تھی۔ مثل مشہور ہے۔ چیتے کے داغ نہیں بدلتے۔ فلسطین کی پناہ سے وہ اس طرح ہر طرف تاک رہے تھے، جیسے باز شکار کے لئے نظر دوڑاتا ہے، جیسے ہی حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ اور معاویہ نے حضرت علی کے خلاف بغاوت کی عمرو بن العاص کی جولانیوں کا میدان مل گیا۔ اور انھوں نے اپنی زندگی کا تیسرا دور شروع کیا۔ اور وہ اس طرح کہ عمرو بن العاص نے معاویہ سے یہ سودا کیا کہ مصر کی حکومت مجھے دو، تو علی کے خلاف تمہارے دوش بدوش ہو جاؤں۔ کچھ رد و قدح کے بعد معاویہ نے یہ مطالبہ منظور کر لیا۔

عمرو بن العاص اور معاویہ کے درمیان مصر کے متعلق جو معاہدہ ہوا۔ وہ

Marfat.com

تاریخ کا کھلا واقعہ ہے، مورخین نے واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ عمرو بن العاص نے صاف لکھا کہ دین تو تمہارے ساتھ نہیں۔ لہذا میں تمہارا ساتھ اسی صورت میں دے سکتا ہوں کہ دنیا تو مل جائے۔ یہ بھی عمرو بن العاص نے معاویہ کو جتا دیا کہ مصر تم اسی وقت دے سکو گے جب علی پر تمہاری فتح ہو چکے گی، آخر جب معاویہ نے مصر کے متعلق تحریر دے دی تو معاویہ نے عیاری و مکاری کا پٹارہ کھولا اور یہ مشورہ دیا کہ عثمان کے قتل میں علی کی سازش و شرکت کا پروپیگنڈا شروع کرو۔

اس طرح اس تیسرے دور کا آغاز ہوا جس کی سیاہ کاریاں مرتے وقت عمرو بن العاص کے تصور میں تمام ہولناکیوں کے ساتھ صف و صف کھڑی تھیں اور یہی وہ سیاہ کاریاں تھیں جن کی بنا پر ابن عباس نے کہا تھا کہ اب کیا ہو سکتا ہے اب پچھتانے کا وقت نکل گیا۔ ابن عباس کے اسی تبصرہ پر عمرو بن العاص نے رو کر کہا تھا کہ تم مجھے اللہ کی رحمت سے مایوس کرتے ہو؟

عمرو بن العاص کی زندگی کے اسی دور کو "مخالف اہلبیت" کے الفاظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کا سب کو اعتراف ہے کہ عمرو بن العاص کا دماغ زرخیز تھا اسے نئی نئی سوجھتی تھی۔ پہلے دور میں دماغ کی یہ زرخیزی اسلام اور پیغمبر اسلام کی تباہی کی جدوجہد میں استعمال ہوئی۔ دوسرے دور میں یہی زرخیزی ذاتی اقتدار کے لئے اسلام کی طاقت کو استعمال کرنے میں صرف ہوتی۔ چونکہ اس دور میں عمرو بن العاص کی اقتدار پرستی اور اسلامی اقتدار کی ترقی ایک دوسرے سے مل گئے تھے لہذا کوئی تصادم نہیں ہوا۔ تیسرے دور میں اس "صحابی" کی دنیا پرستی اور اسلام پرستی پھر متصادم ہو گئے تو اس نے اپنی پرانی عادت کے مطابق دنیا پرستی کو اسلامی مفاد پر ترجیح دی اور معاویہ کی طرف ہو کر حضرت علی کے خلاف ایسی عیاریاں کیں کہ طلسم ہوشربا کی عیاریوں کو بھی مات کر دیا۔

Marfat.com

اس "صحابی" کی دنیا پرستی کا یہ حال تھا۔ کہ جنگ صفین میں قرآن نیزوں پر بند ھوا کر جب معاویہ کو شکست سے بچا چکا۔ اور حکم بن کر دوسرے حکم ابوموسیٰ اشعری کو فریب دینے کے لئے باتیں کرنے لگا تو اول تو معاویہ کے لئے ابوموسیٰ اشعری کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ جب دیکھا کہ ابوموسیٰ معاویہ کے لئے کسی صورت راضی نہ ہوں گے تو تاریخوں میں لکھا ہے کہ اپنے بیٹے کی خلافت کے لئے ابوموسیٰ اشعری سے اپیل کی۔ ابوموسیٰ اشعری نے جواب میں کہا کہ یوں تو تمہارا بیٹا نیک مسلمان ہے، مگر جنگ صفین میں گھسیٹ کر تم نے اس کا ریکارڈ خراب کر دیا ہے۔

گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص اپنے باپ کے جبر سے جنگ صفین میں معاویہ کی طرف سے شریک ہوئے تھے مگر چونکہ وہ حضرت علی کو برسر حق سمجھتے تھے اس لئے نہ تلوار چلائی نہ تیر چھوڑا۔

بہرکیف بتانا یہ مقصود ہے کہ عمرو بن العاص کی دنیا پرستی اس تحکیم کے وقت بھی نمایاں تھی۔ اگر اس کو موقع مل جاتا تو خود ہی اسلامی مملکت کا بادشاہ بن جاتا

ابن سعود نے عمرو بن العاص کے بالکل ہی مرتے وقت کے حسب ذیل الفاظ دیئے ہیں

"الہیٰ تو نے جن باتوں کا حکم دیا ان باتوں میں، میں تیری عدول حکمی کرتا رہا۔ جن باتوں کی تو نے ممانعت کی، ان کو تیری نافرمانی کر کے میں گناہ کرتا رہا۔ میں گناہوں سے بری نہیں ہوں کہ معذرت کر سکوں نہ میں تجھ پر غالب آنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ ہاں لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ یہ کہتے کہتے دم توڑ دیا۔"

اللہ تعالےٰ عمرو بن العاص کے لئے عاقبت میں کیا احکام صادر کرتا ہے اس کا فیصلہ کسی انسان کا کام نہیں۔ لیکن مرتے وقت کے ان بیانات سے آشکارا ہوتا ہے کہ خود عمرو بن العاص کے نزدیک اس کی زندگی کا یہ تیسرا دور اللہ کے احکام کی نافرمانی

Marfat.com

کا دور تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ نافرمانی معاویہ کی حمایت اور حضرت علی کی مخالفت تھی۔
اب صحابیت کے علمبردار بتائیں کہ کیا عمرو بن العاص کی زندگی قابل تقلید کہی جا سکتی ہے؟
اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ رسول اللہ کی صحبت کی قیمت نہیں بے شک وہ وہ بڑی نعمت ہے، مگر صحابہ میں ہی منافق بھی تھے، یہ کہا جائے گا کہ عمرو بن العاص کی فتوحات سے اسلام کو فائدہ پہنچا۔ لیکن بخاری میں ایک حدیث ہے جس میں صاف کہا گیا ہے کہ اللہ منافقوں کے ذریعہ بھی فائدہ پہنچائے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک بار ایک مسلمان بڑے جوش و خروش سے اسلام کی طرف سے کفار سے لڑ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ یہ دوزخی ہے، لوگوں کو بہت حیرت ہوئی کہ اتنا مجاہد مسلمان دوزخی کیونکر ہو سکتا ہے جب جنگ ختم ہوئی تو اس کے کوئی زخم آیا تھا۔ اس کی تکلیف نہ برداشت کر سکا۔ اس نے رات میں خودکشی کر لی۔ جب خودکشی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو معلوم ہوا کہ کس طرح اس کے جہنم میں جانے کا سبب پیدا ہوا۔

گزشتہ صفحات میں بھی بتایا جا چکا ہے کہ عمرو بن العاص نے ہی محمد بن ابوبکر صدیق کو پیاسا رکھ کر مارا۔ ان کو گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا۔

عمرو بن العاص جیسے ہی چند مشیر امیر معاویہ کو بھی مل گئے تھے، جن کے تعاون سے وہ مظالم ہوئے جن پر مسلم و غیر مسلم اب تک ماتم کرتے ہیں۔

دور جدید کے محققین جو تقلید سے بالاتر ہو کر تاریخی حالات پر نظر ڈال رہے ہیں۔ یہ محسوس کر رہے ہیں رسول اللہ کے بعض صحابہ ایسے تھے جنھوں نے اسلام کی قدروں کو عہد رسالت کے بعد پامال کر ڈالا۔

بخاری کی ایک حدیث ان صحابہ پر صادق آتی ہے

"ابو ہریرہ سے روایت ہے حضور نے فرمایا کہ عنقریب تم حکومت و امارت کی حرص کرو گے، جس کے باعث تم کو یوم قیامت ندامت ہو گی

ایک اور حدیث ابن ماجہ میں ہے:۔

"ابو سعید خذری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم دنیا پر ریجھ جاؤ گے"

ایک اور روایت حضرت ابوبکر صدیق کی اس وصیت کے متعلق ہے، جو انھوں نے حضرت عمر کو کی تھی، اس وصیت کے کئی بڑے پہلو بڑے دلچسپ ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الخفا میں اسے لکھا ہے: ملاحظہ ہو:۔

"اے عمر سب سے پہلے تو میں تمہارے نفس سے تم کو ڈراتا ہوں. ہر انسان کے لیے شہوت ہوتی ہے جب وہ پوری ہوجاتی ہے تو وہ دوسری طرف مائل ہوجاتا ہے، اس کے بعد تم کو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس گروہ سے ڈراتا ہوں جن کے پیٹ پھول رہے ہیں اور جن کی آنکھیں اندھی ہوگئی ہیں"

حضرت ابوبکر صدیق جیسے مرتبہ کے صحابی" اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک گروہ سے حضرت عمر کو متنبہ کر رہے تھے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ صحابہ کا ایک گروہ نہایت خطرناک تھا۔ اور یہ وہی گروہ تھا جن کے "پیٹ پھولے ہوئے تھے مطلب یہ ہے کہ ان میں دنیا کی ہوس ہو گی۔ اب" صحابیت" کے دیوانے حضرت ابوبکر صدیق سے لڑتے رہیں۔

اور یہ اور بھی دلچسپ واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں معاویہ کی نسبت فرمایا تھا کہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کو جب وہ لڑکے ہی تھے معاویہ کو بلانے بھیجا۔ ابن عباس نے واپس آکر حضور کو جواب دیا کہ وہ تو کھانا کھا

Marfat.com

کام ضروری تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد آپ نے پھر بلانے کو بھیجا۔ ابن عباس نے واپس آکر پھر جواب دیا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضور نے بددعا دی کہ اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے، یہ حقیقت ہے کہ معاویہ کا پیٹ ظاہر میں بھی بڑا تھا، کھاتے بھی بہت تھے اور قوم کا مال بھی بہت ہضم کرتے تھے، اس لئے حضرت ابو بکر صدیق نے رسول کے جن اصحاب سے ہوشیار رہنے کی وصیت کی ان میں معاویہ ہر لحاظ سے آجاتے ہیں۔

یہی وہ حدیث تھی۔ جو امام نسائی کی موت کا باعث ہوئی۔ وہ دمشق کی مسجد میں حضرت علی کے مناقب بیان کر رہے تھے۔ معاویہ کی پارٹی کے بعض لوگوں نے مطالبہ کیا کہ کچھ مناقب بھی بیان کیجئے۔ امام نسائی نے فرمایا کہ حدیث میں معاویہ کے کوئی مناقب نہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ بڑے پیٹو تھے۔ اس پر معاویہ کے متبعین نے امام نسائی پر حملہ کر دیا۔ ایک ایسی ضرب آئی کہ جان لیوا ثابت ہوئی۔

— ۱۴ —

اسلام اور ایمان کے درجے

ایک غلط فہمی یہ ہے کہ عہد رسالت کے تمام وہ لوگ جو دائرہ اسلام میں آگئے تھے اور انھوں نے رسول اللہ کو دیکھا یا ان کی مختصر صحبت سے بھی فیضیاب ہوئے اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔ صحابۂ رسول میں شامل ہیں اور سب "عدول" ہیں۔ اس لئے واجب التعظیم بھی ہیں۔

صحابی کی تعریف کیا ہے اس پر اہل علم میں بہت اختلاف رہا ہے۔ کسی نے کہا ہے صرف دیکھنا کافی ہے، کسی نے کہا مختصر صحبت بھی صحابی ہونے کے لئے لازمی ہے ایک اور رائے یہ ہے کہ بالغ ہونا بھی شرط ہے، بچوں پر صحابی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بعض نے یہ بھی رائے دی کہ فتح مکہ سے قبل کے مسلمانوں پر صحابیت کا اطلاق نہیں ہوتا ہے بعض نے ابتدائی دور کے مسلمانوں تک محدود کر دیا اور بعض نے یہ شرط لگائی کہ رسول اللہ کے ساتھ چند غزوات کی شرکت ضروری ہے، بعض حدیث کی روایت کی شرط لگاتے ہیں۔

ان سب راویوں میں ایک یہ شرط مشترک ہے کہ وہ ایمان پر مرے یعنی مرتد نہ ہوگیا ہو۔ اور منافق نہ ہو۔ اس مشترکہ شرط پر غور کیجئے تو تمام مشکلات حل ہوجاتی ہیں۔

عہد رسالت میں وہ مسلمان بھی تھے، جن کے ایمان سے قرآن نے انکار کیا ہے، قرآن کہتا ہے قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا (دیہاتی عرب کہتے ہیں ہم ایمان لائے کہو تم ایمان نہیں لائے لیکن یہ کہو کہ ہم مسلم ہوگئے ہیں

یہ دیہاتی بادیہ نشین عرب بھی کبھی کبھی مدینہ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ جاتے ہوں گے، ان میں سے بعض حضور کی صحبت میں بھی بیٹھ جاتے ہونگے اگر ان کو صحابی کہا جائے تو قرآن ان کے ایمان سے انکار کر رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عہد رسالت میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جبکہ عرب قوم کو یہ احساس ہوا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہو گیا اور جو ان کا مقابلہ کرے گا۔ وہ زک اٹھائے گا۔ اس وقت عربوں نے من حیث القوم سر تسلیم خم کر دیا یعنی دائرہ اسلام میں آگئے۔

بخاری وغیرہ میں ایک مشہور حدیث ہے جسے بعض محدثین "حدیث جبرئیل" بھی کہتے ہیں، اس میں تین درجوں کو الگ کر کے بتایا گیا ہے، پہلا درجہ اسلام، دوسرا ایمان، تیسرا احسان بتایا گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جبرئیل تمہاری تعلیم کے لئے آئے تھے۔ اس حدیث میں اسلام میں کلمہ پڑھنا نماز روزہ وغیرہ میں سب آجاتے ہیں۔ تاہم ایمان کے درجہ میں ان کے علاوہ بعض عقائد اور ہیں مثلاً دل سے اللہ کو مانے خیر و شر کو اسی کی طرف سے سمجھے، کتب سابقہ پر عقیدہ ہو حساب و کتاب میں اس کا عقیدہ ہو۔ وغیرہ۔ اسی طرح احسان کی تعریف کی کہ عبادت اس طرح کرے کہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ مرتبہ ہو کہ عبادت میں یہ تصور ہو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

الغرض ایسے لوگ ہو سکتے ہیں، جو مسلم ہوں مگر مومن نہ ہوں یا مومن ہوں مگر محسن نہ ہوں، خصوصاً غزوۂ احزاب کے بعد یا فتح مکہ کے بعد ایسے سینکڑوں بلکہ ہزاروں عرب دائرۂ اسلام میں آئے جو صرف مسلم تھے مگر مومن نہیں تھے۔

ایک اور بات کا لحاظ ضروری ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے تو منافقوں کی تعداد کافی تھی، مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں منافقوں

Marfat.com

کے اس گروپ کو مومنین پہچانتے تھے، یہ آپس میں باتیں کرتے تھے کہ ہم محمدؐ اور ان کے متبعین کو مدینہ سے نکال دیں گے، سورۂ منافقوں میں ان منافقین کا یہ قول موجود ہے اور یہ سورت شروع ان الفاظ سے ہوتی ہے،

اذا جاءک المنفقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکذبون (منافقون)	منافقین تمہارے پاس آکر کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تم اللہ کے رسول ہو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹ بولتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کے پاس آکر تو یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم تم کو اللہ کا رسول مانتے ہیں مگر اللہ متنبہ کرتا ہے کہ یہ ان کا صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ دراصل یہ تم کو اللہ کا رسول نہیں مانتے ہیں یہ جھوٹا اقرار کرتے ہیں۔

لیکن جب اسلام کا اقتدار بڑھ گیا تو صرف ظاہرداری رہ گئی ان منافقین کی اتنی ہمت نہیں رہی کہ اپنی نجی صحبتوں میں بھی پہلے کی طرح مدینہ سے نکالنے کی سازش کریں اب ان کے صرف جھوٹے اقرار رہ گئے۔

بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ابوسفیان اور معاویہ کو فتح مکہ کے بعد اسی نظر سے دیکھتے تھے اس لئے ان سے میل جول رکھنے اور ان کو جہاد میں شریک کرنے سے احتیاط کرتے تھے، ابوسفیان نے اس طرز عمل کے خلاف رسول اللہ سے اپیل کی اور درخواست کی کہ جہاد میں ہمیں بھی شریک کیا جائے، نیز یہ درخواست کی کہ معاویہ کو کاتب بنالیا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فتنہ پردازوں سے کافی تکلیف اٹھائی تھی۔ نہیں چاہتے تھے کہ پھر یہ کوئی فتنہ اٹھائیں لہذا ان کو "مؤلفۃ القلوب" کے زمرہ میں رکھ دیا تھا۔ تالیف قلوب کی پالیسی کا یہ بھی ایک مظاہرہ تھا کہ آپ نے ابوسفیان کی درخواست منظور کرلی۔ واضح رہے کہ اس

قسم کی درخواست آپ نے صفوان بن امیہ جیسے کافر کی بھی صرف تالیف وقلوب اور فتنہ سے بچنے کے لئے منظور فرمائی تھی چنانچہ کفر کی حالت میں ہی وہ مسلمانوں کی طرف سے جنگ حنین میں شریک ہوا تھا۔ یہ فیصلے برنبائے مصلحت کئے گئے تھے۔

بہر کیف صحابہ میں منافقین بھی تھے، جو مدنی دور کی ابتدا میں پہچانے جاتے تھے مگر بعد میں جب اسلام کا اقتدار بہت بڑھ گئے، تو منافقین اتنی احتیاط برتنے لگے کہ ان کا پہچاننا مشکل ہوگیا لیکن رسول اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ان فی اصحابی منافقین (میرے اصحاب میں منافقین بھی ہیں (مسند احمد بن حنبل) اگر حدیث کی روایت کے لئے تمام صحابہ کو عدل مان لیا جائے جیسا کہ ہمارے محدثین نے تسلیم کرلیا ہے تو یہ منافقین بھی عدول ہو جاتے ہیں اور خدا ہی جانتا ہے کہ ان منافقین کی کتنی حدیثیں شامل ہو گئی ہیں۔

لیکن اس بارے میں فیصلہ کن احادیث وہ ہیں جو بخاری کی کتاب الحوض میں بعض اصحاب رسول کے دوزخی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ان حدیثوں میں بالکل بے لاگ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن جب میں حوض پر ہوں گا تو میرے اصحاب میں سے کچھ لوگوں کو دوزخ کی طرف لے جایا جائیگا۔ میں چلاؤں گا "میرے اصحاب! میرے اصحاب!" ان کو کہاں دوزخ میں لے جاتے ہو، اس کا جواب ملے گا کہ تمھیں نہیں معلوم تمہاری وفات کے بعد انھوں نے کیا حرکتیں کیں اور کس طرح اسلامی تعلیمات سے پھر گئے۔

ظاہر ہے کہ یہ وہ صحابہ تھے جو یا تو منافق تھے یا بعد میں دل میں مرتد ہو گئے مگر ظاہر میں اسلام سے چپکے رہے

اس قسم کے صحابہ کو صحیح العقیدہ صحابہ سے الگ کرنے کا کوئی قطعی اور فیصلہ کن فارمولا تو ہمارے پاس نہیں لیکن اندازہ کرنے کے لئے صرف وہ اعمال ہی مدد دے سکتے ہیں جو حدیث و تاریخ میں موجود ہیں۔

جب اس معیار پر ہم اندازہ کرتے ہیں تو معاویہ اور ان کے رفیقوں کا جرگہ ہی نظر آتا ہے جن "صحابہ" کی زندگیوں کے حالات ہم تک پہنچے ہیں ان میں تو یہی لوگ معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

قرآن کی جن آیتوں میں صحابہ کی فضیلت آئی ہے ان میں نیز مناقب کی احادیث میں صحابہ کی اجتماعی حالت یعنی سماجی کیفیت مراد ہے، مثلاً قرآن میں محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔ سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ (محمد رسول اللہ اور جن کو ان کی معیت حاصل ہے، منکرین اسلام کے لیے سخت اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور رحم کرنے والے ہیں، ان کو تم رکوع و سجود میں پاؤ گے وہ اللہ سے فضل و رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے چہرے سجدوں کے نشان سے چمکتے ہیں) ابن عبد البر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس آیت میں مخصوص کی طرف اشارہ ہے اس تشریح کے سوا چارہ ہی کیا ہے کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہوگا کہ عام طور سے صحابہ کو "رحماء بینھم" قرار دیدیں اسی طرح حدیث میں اگر لا تسبوا صحابی آیا ہے تو یا تو یہ حدیث موضوع ہوگی۔ ورنہ اصحابی سے خاص اصحاب مراد ہوں گے۔

صحابیت بے شک قابل قدر ہے، لیکن منافقین صحابہ میں موجود ہے، ان کے باعث اس کا کوئی معیار نہیں قائم کیا جا سکتا۔

خاتمۂ کتاب میری کتاب "معاویہ و یزید" اور "یزید بن معاویہ" پر جو تبصرے ہوئے ان کو پڑھ کر محسوس ہوا کہ صحابیت کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں ہیں۔ ان غلط فہمیوں کا ازالہ اس کتاب سے ہو جائے گا۔ حالات نے ساتھ دیا تو اس مسئلہ پر ایک کتاب اور بھی لکھونگا۔

Marfat.com

شُد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا

صحابیت

مؤلفہ

حافظ علی بہادر خاں بی۔ ایس سی

(علیگ)

Marfat.com